NEW Fair & Lovely

خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اکیسویں صدی کا منفرد ماہنامہ

ردا ڈائجسٹ

September
2013

1 فیس پیل 2 لیزر 3 وٹامن ماسک 4 اینٹی اوکسیڈینٹ 5 فیس پولش

صرف کریم نہیں
فیئرنیس ٹریٹمینٹ!

Fair & Lovely Pakistan

گوشہ آگہی — صالحہ محمود — ۱۲

سلسلے وار ناول

وہ جو رگ جاں سے قریب تھے — صالحہ محمود — ۱۴
تجھ سے مانگوں میں تجھ کو — شازیہ مصطفےٰ عمران — ۹۴
کوک میرے دل کوک — نائلہ طارق — ۱۶۰

مکمل ناول

تو ہمنوا میرا — رخشی حسین — ۳۸
قیامت کی سحر ہونے تک — جہانہ آفتاب — ۱۲۸

ناولٹ

گلاب سارے کاغذی — رضوانہ آفتاب — ۶۶

افسانے

جناح کا ملک — مریم مغل — ۹۱
منفرد — حافظہ مون شاہ — ۸۶
فرض — فرح ناز رفیق — ۱۱۰
لمحہ ادراک — شمائلہ دلعباد — ۱۱۵
غلط فہمی — زارا صدف قمر — ۱۱۸
محبت یا فرض — دانیہ آفرین — ۱۶۶
خواب خواہش اور حسرت — زاہدہ ہاشمی زاہی — ۱۷۸
عجیب اتفاق — فارحہ — ۱۸۴
دلوں کے موسم — سائرہ غفار — ۱۹۷

ستمبر 2013ء
جلد نمبر 18 شمارہ نمبر 9
قیمت 50 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
600 روپے

34535726

پبلشر وایڈیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک-2-پی-ای-سی-ایچ-سوسائٹی، کراچی

انتباہ:-
ماہ نامہ ''روا'' ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل یا ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار کسی بھی ناول کی اشاعت پر ادارہ چوری کی ایف آئی آر درج کرادے گا اس لئے پبلشر سے اجازت لینا ضروری ہے ادارہ ''روا پبلیکیشن''۔

مستقل سلسلے

ردائے جنت — صالحہ محمود — ۱۳
ردا کی ڈائری — صدف سعد — ۱۹۲
ذرا پھر سے کہنا — ادارہ — ۲۰۲
خوشبو — نورین ملک — ۱۹۸
اس ماہ میں — نورین ملک — ۱۹۶
دوستوں کے نام پیغام — ادارہ — ۲۲۰

سندیسے — صالحہ محمود — ۲۱۰
کچن — ثریا اقبال — ۲۲۲
سنگھار — شہلا مشائق — ۲۲۵
اشعار — ادارہ — ۱۹۴
ہم سے ملیئے — ادارہ — ۲۱۶

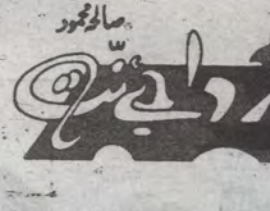

گوشۂ آگہی

صالحہ محمود

ابرِ رحمت اتنا ٹوٹ کر برسا کہ اللہ کی رحمتیں ہم پر نازل ہوئیں لیکن جو نااہل لوگ ہم پر مسلط ہیں ان کی ناقدری سے بارشیں زحمت بن گئیں۔ فکرِ معاش کی تلاش میں نکلنے والے غریب عوام جو گاؤں اور گوٹھوں میں رہتے ہیں بے گھر اور کھلے آسمان ہو گئے، یوں جیسے زندگی تنگ ہو گئی ہو۔ 6 ستمبر ابرِ باراں کی رحمت جو خداوند تعالیٰ نے ہمیں چودہ اگست اور ہمارے وجود کے ہونے کا احساس 6 ستمبر کو دیا تھا۔ بھارت کی چھیڑ خانیاں وہ اپنے ماضی کو فراموش کر گیا۔ بارش آنے سے پہلے اپنے گھر کی چھتوں پر ہم ضرور ایک نظر ڈالتے ہیں، یہ تو ہمارے ملک اور سرحدوں کی بات تھی، لیکن یہاں تو آپا دھاپی کا حال ہے، یہ ایک دن کا مسئلہ نہیں ہر سال بھارت پانی چھوڑ دیتا ہے، مزید ڈیم یا پانی اسٹور کرنے کی جگہیں کیوں نہیں بنائی جاتیں، کچی بستیوں میں رہنے والے لوگ کب تک زندگی کا یہ بوجھ برداشت کریں گے، ہر سو ایک نیا ڈرامہ ایک نیا اسکینڈل پھر خاموشی پس پردہ بیرونی ہاتھ کی کہانی اسلام آباد دارالحکومت میں پانچ گھنٹے سکندر کا ڈرامہ پھر اس کا ڈراپ سین اور ہم پھر سب کچھ بھول جائیں گے، پاکستان کو ہمارا ربّ ہی چلا رہا ہے، بے شک اللہ رحمٰن و رحیم ہے اور رحم کرنے والا ہے۔

ابر بھرا موسم خوشگوار جھونکے برساتوں کے پکوان یہ سب پیٹ بھرے لوگوں کی باتیں ہیں۔ آنکھوں نے جو کچھ دیکھا اس سے دل نہیں روح، وجود کے اندر رو رہی ہے۔ حاکم اقتدار سو رہے ہیں، غفلت کی نیند سے نجانے کب وہ جاگیں چھوڑیئے یہ باتیں تھیں، اپنے ساتھ ہم نے اپنی لکھاری شہزادیوں کو بھی اداس کر دیا۔ آپ کی محبتیں سندیسوں میں میرے لیے دعائیں، فون کالز میں رِدا کی پذیرائی دراصل یہ آپ کی پذیرائی ہے۔ حرص و ہوس کی دنیا سے میں بہت دور رہی ہوں، کبھی میں نے نہیں سوچا کہ کسی نامور لکھاری کو میں لے کر آؤں، میں نے کبھی کسی کا سہارا نہیں لیا، ہم نے نئے لکھنے والوں کو بہتر سے بہتر لکھاری بنا دیا۔ رِدا گائیڈ کارنر کے نام سے متعارف ہوا اور آج بھی ہے۔ جس طرح آپ نے عید نمبر کی پذیرائی کی وہ بہت اہم ہے سب پڑھنے والوں کے لیے کہ ہم نئی سوچ کو آگے لاتے ہیں، اس بار بھی ہماری یہی کوشش ہے ماہ ستمبر کا رِدا آپ کو کیسا لگا یہ لکھنا نہ بھولیے گا، نئے لکھنے والے اپنا سفر جاری رکھیں۔ رِدا گائیڈ کارنر ان کے لیے ہے۔ جہاں آپ کو بتایا جاتا ہے کہ ایک افسانہ اور ناول کیسے لکھا جاتا ہے تو آپ بھی لکھیے، محبت اور دعاؤں کے ساتھ۔

(آپی)

ردائے سُنّت

صالحہ محمود

نماز کا اہتمام

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں، جو ان کا وضو اچھی طرح کرے اور انہیں ٹھیک وقت پر ادا کرے اور رکوع و خشوع پورا کرے، اس کے لئے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے بخش دے اور جو ایسا نہ کرے تو اس کے لئے اللہ کا وعدہ نہیں، اگر وہ چاہے بخش دے اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے۔ (مسند احمد، ابوداؤد)

قرآن کی پیروی

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس نے قرآن کی تعلیم حاصل کی، پھر اس کی اتباع کی، اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں گمراہی سے بچائے گا اور قیامت کے دن سخت عذاب سے محفوظ رکھے گا، ایک روایت میں ہے کہ جو قرآن کی پیروی کرے گا، وہ دنیا میں گم راہ اور آخرت میں بد بخت نہ ہوگا، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ جو میری ہدایت کی اتباع کرے، وہ نہ گم راہ ہوا اور نہ بد نصیب۔

اللہ کی شکر گزاری

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات حضور اکرم ﷺ نے مجھ سے عبادت کی اجازت طلب کی اور نماز میں مشغول ہو گئے، آپؐ قیام کی حالت میں اتنا روئے کہ آنسو سینہ مبارک تک جا پہنچے، پھر رکوع میں گریہ زاری کی اور سجدے میں دیر تک روتے رہے یہاں تک کہ حضرت بلالؓ نے نماز فجر کی اطلاع دی۔ میں نے پوچھا، جب اللہ نے آپؐ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے تو پھر اس اشک باری کا کیا معنیٰ؟ آپؐ نے فرمایا، کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

دین میں آسانی

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، دین آسان ہے اور کوئی دین کو سخت نہ بنائے گا مگر دین اس پر غالب آ جائے گا، لہٰذا ٹھیک رہو خوش خبریاں دو اور صبح و شام اندھیری رات کی نمازوں سے مدد لو۔ (صحیح بخاری)

نیکی کی دعوت دینے والا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جو ہدایت کی طرف بلائے، اسے تمام عمل کرنے والوں کی طرح ثواب ملے گا اور اس کے اپنے ثواب سے کم نہ ہوگا اور جو گم راہی کی طرف بلائے گا تو اس پر تمام پیروی کرنے والے گمراہوں کے برابر گناہ ہوگا اور یہ ان کے گناہوں سے کچھ کم نہ کرے گا“۔ (صحیح مسلم)

رشتے داروں سے برتاؤ

”جو شخص چاہے کہ اس کی روزی میں کشادگی اور عمر میں زیادتی ہو تو وہ رشتے داروں کے ساتھ عمدہ سلوک کرے۔ (بخاری) ☆☆☆☆☆

صالحہ محمود

قسط نمبر 20۔

سلسلے وار ناول

وہ جو رگِ جاں سے قریب تھی

ہلکی ہلکی بوندا باندی کے بعد سنہری دھوپ ولید ہاؤس کی دیواروں پر اتر آئی تھی، پتہ پتہ بوٹا بوٹا نکھرا نکھرا لگ رہا تھا، پرندے پھدک رہے تھے، بہت بڑے سے بنے ہوئے پنجرے کے اندر مور ناچ رہا تھا، پہرے دار اپنی ڈیوٹی پر تھے، شہمی حذیفہ اشمل کو لے کر ولید ہاؤس کے اندر آیا تھا، بظاہر وہ بہت نارمل سا لگ رہا تھا، لیکن ابھی تک وہ اس خوف سے باہر نہیں آیا تھا کہ اسے اچانک کھانسی کے دوران منہ سے بلیڈنگ ہوئی تھی، فراموش تو صبا بھی نہیں کر سکیں تھیں اس بات کو تو بھلا ارج اس بات کو کیسے بھول سکتی تھی۔ زینہ چڑھتے ہوئے سب سے پہلے اشمل کا جس نے استقبال کیا تھا وہ تھی ایزل جو اسے دیکھ کر تیز تیز آ رہی تھی اور جا رہی تھی۔ راستہ روک کر وہ کھڑی ہو گئی، اور پھر دوسری جانب مڑی تو حذیفہ نے بہت غور سے دیکھا کہ ایزل تو رومی کے روم کی سمت جا رہی ہے، اشمل رخ پھیر کر وہیں کھڑا ہو گیا تھا، دادی صدقے واری جا رہی تھیں، وہ چند منٹ وہاں بیٹھنے کے بعد کھڑا ہو گیا تو صبا بولیں۔

''چلو تم جاؤ اپنے روم میں، آرام کرو تم ابھی بیمار ہو''۔ حذیفہ نے دیکھا کہ اشمل اس وقت بہت گھبرا سا رہا تھا۔

''چلو یار! تم ہمارے روم میں آؤ کچھ دیر بیٹھتے ہیں، گپ شپ کرتے ہیں، بڑے صاحب سے کہہ کر چائے وہیں روم میں منگوا لیتے ہیں''۔ حذیفہ اشمل کو لے کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

''اشمل یار! کیا پرابلم ہے تمہاری؟'' وہ دروازہ بند کر کے پلٹا۔

''تم ڈرنک اور سگریٹ پینا بند کرو، ایسا کوئی پرابلم نہیں ہے تمہیں، میں تو گھبرا گیا کہ پتہ نہیں تمہیں کیا ہو گیا ہے اشمل پلیز!'' اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا کہ وہ اس کی بات پر عمل ضرور کرے گا۔

''آج کل ارج یہاں آئی ہوئی ہے اس لیے دو چار بار ڈرنک زیادہ ہو گئی''۔

''تم ولید ہاؤس کے اندر ڈرنک نہیں کرو گے اور ارج کو تم یہ بات بھی بتا دو یہ پاکستان ہے یہ امریکہ نہیں''۔

''میں نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی ہے''۔ وہ شرمندگی سے گردن جھکا گیا۔

نوٹ: ردا کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی ردا کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

''کیا مطلب ہے؟ اسے تمہاری بات ماننی پڑے گی، میں رومی سے ملا ہوں اشمل! بہت سوئیٹ گرل ہے، پاپ کی چوائس اچھی ہے''۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

''آئی نو حذیفہ! لیکن اسے میری زندگی میں زبردستی شامل کیا گیا ہے''۔

''تو تم نے پھر کمٹمنٹ کیوں توڑ دیا اس لڑکی کے ساتھ یہ ظلم ہے یہ امریکہ نہیں ہے جہاں ایک لڑکی کئی افیئرز چلاتی ہے جہاں شادی شدہ عورت اپنے بوائے فرینڈ سے ملنے جاتی ہے تم یہ بات کیوں بھول گئے ہو کہ یُو آر پاکستانی''۔

''میں یہاں ایک دن بھی نہیں رہنا چاہتا، میں اس سوسائٹی میں نہیں رہ سکتا حذیفہ! یہاں کچھ نہیں ہے''۔ تو وہ بولا۔

''ہاں یہاں جگہ جگہ شراب خانے نہیں ہیں، تم آسانی سے ہر چیز حاصل نہیں کر سکتے جو وہاں کر لیا کرتے تھے، یہی ناں؟''

''وہ ایسی نہیں ہے جیسی تمہیں نظر آتی ہے''۔ اس کا اشارہ رومی کی طرف تھا۔ اشمل بولا تھا۔

''وہ جیسی بھی ہے اب وہ تمہاری بیوی ہے، تمہیں ارج اور اس کے درمیان انصاف کرنا ہے''۔ حذیفہ بولا۔

''میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں، پاپ نے سارے ہمارے راستے بند کر دیئے ہیں، ہمارے ڈاکومنٹس ان کے پاس ہیں امریکہ میں انہوں نے میرے اکاؤنٹ بند کر دیئے ہیں، ارج ایک ایک پیسے کو محتاج ہے، وہ خود جاب کر کے خود کو سپورٹ کر رہی ہے''۔ اشمل نے گہری نظروں سے اسے دیکھا تھا کہ شاید وہ اس کی مدد کرے گا، مدد کے بجائے وہ الٹا اپنا دینی فلسفہ لے کر بیٹھ گیا تھا، اشمل ہمیشہ حذیفہ سے کتراتا، حذیفہ ہر بار اسے سیدھا راستہ دکھانے کی کوشش کرتا، اس وقت بھی وہ حیران تھا کہ ارج کے تعلق کو اشمل نے کیسے چھپا لیا؟ دادی، پاپ سب بے خبر ہیں۔

''بہر حال دس از آ گڈ نیوز.... تمہیں اب میچورڈ ہو جانا چاہیے کہ تم بچے کے باپ بننے جا رہے ہو''۔ تو اشمل نے بہت غور سے حذیفہ کو دیکھا اور سر کو جھکا لیا۔

''تم مجھ سے جو بات بھی ہے کھل کر شیئر کرو اشمل! میں تمہارا بڑا بھائی ہوں''۔ بے لچک انداز میں بولا۔

''میں خود ابھی تک نہیں سمجھ سکا حذیفہ!'' وہ وحشت اور اضطراب میں تھا۔

''کیا نہیں سمجھ سکے؟'' حذیفہ حیران ہو کر الجھ کر بولا۔

''کچھ بولو!'' حذیفہ الجھ پڑا تھا۔

''مام کہتی ہیں رومی میں پاپ کی دلچسپی زیادہ ہے، تمہیں ایک بیس بنا کر اسے وہ گھر میں لائے ہیں، پاپ اور اس کی بہت اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہے اور اسی لیے پاپ اسے مجھ سے الگ نہیں ہونے دیں گے''۔ وہ سرد لہجے میں بولا۔

''شٹ اپ بلڈی فول! تم اس حد تک گر سکتے ہو، اپنے باپ کے لیے تم یہ لفظ استعمال کر رہے ہو، وہ ایک پاور فل بزنس مین ہیں انہیں تمہیں بیس بنانے کی ضرورت نہیں پڑ سکتی، وہ ڈائریکٹ جو چیز چاہیں حاصل کر سکتے ہیں یُو تو تمہاری اتنی گھٹیا سوچ ہے''۔ حذیفہ شدید غصے میں آ گیا تھا۔

''اچھا اچھا بھائی! میری پوری بات تو سن لیں، یہ میرا نہیں مام کا خیال ہے''۔ بے لچک انداز تھا۔

''اور تم کیا سوچتے ہو اس کے بارے میں؟'' ایک زہر بھری نظر ڈالی۔

''کچھ نہیں کہہ سکتا میں اس کی ذات کے بارے میں، لونگ کیئرنگ ہے، ہمارے اور اس کے درمیان بہت زیادہ

ڈیفرنسز ہیں''۔ وہ سر جھکا گیا، غصے سے حذیفہ کھڑا ہو گیا تھا، وہ یک ٹک اشمل کو دیکھے جا رہا تھا۔

''تم کیا سمجھتے ہو خود کو، کیا اللہ نے رومی کا نصیب نہیں لکھا ہوگا؟ تمہیں کیا معلوم ارج تو ایک زبردستی کے رشتے میں باندھی ہوئی زنجیر ہے اور شاید رومی کے لیے اللہ نے تمہارا ہی ساتھ لکھا ہو، کیا معلوم ایک غریب لڑکی ولید ہاؤس کے مقدر میں لکھ دی گئی ہو اور ہماری نسل کی آبیاری اسی پاک دامن عورت سے وابستہ ہو، جسے تم لوزر کہہ رہے ہو، اگر اشمل! رومی کے نصیب میں تم نہیں ہوتے تو کبھی یہ خیال پاپ کے دل میں نہ آتا قدرت کا خود یہی ایک راز ہے کہ کوئی کسی کے بارے میں خود سوچ لے، اپنے آپ سوچ کر اپنے ہاتھ میں ساری تقدیر کے فیصلے ہم نہیں کر سکتے، ہمیں یقین ہے اس دنیا میں ہمیں اتنا ہی حصہ ملے گا جس کے ہم حق دار ہیں، کیا کبھی تمہیں پا لینے کی خواہش رومی کے نگاہ زاویہ سے پتہ چلی؟ مجھے نہیں لگتا کہ وہ ایسی لڑکی ہے''۔ تو اشمل نے جواب میں نفی میں سر ہلایا تھا۔

''پھر بھی تم اتنی بے یقینی کا شکار ہو''۔ تو اشمل خود کوئی بھی جواب نہ دے سکا تھا سوائے اس کے کہ اس کے سامنے سر جھکا لے۔

''حذیفہ...!'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''بولو! تم کیا کہنا چاہتے ہو؟'' وہ بہت برگشتہ تھا۔

''میں خود کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا ہوں''۔ سرد لہجے میں گویا ہوا۔

''تمہارے فیصلے تمہاری سوچ ہمیشہ مام کے ہاتھ میں رہی ہے، مام سمجھتی ہیں وہ جو چاہیں گی اشمل ویسا ہی بن جائے گا، لائبہ بھی میری بہن ہے، میں جانتا ہوں جو بھی رشتہ ہے اس سے میرا میں نہیں سمجھتا کہ اتنی آزادی اس کو دی جائے، یُو نو وہ بغیر میرج کے جنید کے ساتھ رہی ہے اور ہر شخص سے کہتی ہے یہ میرا شوہر ہے، میں نے کورٹ میرج کر لی ہے، جنید صرف اور صرف ایک بلیک میلر ہے، ان دونوں نے جعلی پیپر میرج فائل کیے ہیں، میرا بہت دل دکھتا ہے، جب مجھے یہ خبر ملتی ہے، کس سے بات کروں مام سے کہوں گا تو مام ہمیشہ میری بات کو رد کرتی ہیں، تمہارے معاملے میں بھی یہی ہوا، میں نے کہا تھا کہ تم میرے ساتھ میرے روم میں رہو گے، لیکن مام کی خواہش تھی کہ تم مبین عباسی ماموں کے ہاں جاؤ گے، اشمل! میری بات یاد رکھنا ایک وقت ہوتا ہے جب سب کچھ اچھا لگتا ہے، اس لیے بڑوں کے فیصلے کی اہمیت ہونی چاہیے، میں یہ نہیں کہتا کہ تمہارے ساتھ سب کچھ غلط ہو گیا ہے، ظاہر ہے وہ تمہاری ماں ہیں وہ ہر رشتے کو اپنی نظر سے دیکھتی ہیں، اسی لیے انہوں نے دادی اور پاپ کی اہمیت کو رد کیا، اسی نیچر کا تم بھی ایک حصہ بن گئے ہو، تم اپنے اردگرد کسی اور کو نہیں دیکھ سکتے، شک و شبہات غلط فہمیاں پیدا کرتی ہیں، ہمیشہ ایک سے نہیں دوسرے رخ سے بھی دیکھنے کی کوشش کیا کرو، مام کے ذہن سے نہیں تم اپنے ذہن سے سوچا کرو''۔ بہت ڈرتے ڈرتے حذیفہ نے یہ جملہ ادا کیا تھا اور پھر بہت گہری نظروں سے اشمل کا جائزہ لیا وہ سر جھکائے ساکت بیٹھا تھا۔

بجلی بہت تیز کڑکی حذیفہ تو نہیں اشمل چونک کر گھڑی کی طرف دیکھنے لگا، رات کا ایک بج رہا تھا۔

''اچھا چلو تم سو جاؤ، تم بہت ٹینس لگ رہے ہو، جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر تم غور کرنا، ہر بات دادی مجھ سے تفصیل سے ڈسکس کر چکی ہیں، ورنہ میں شاید....!'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا، تو اشمل روم سے باہر نکل آیا تھا، تھکے تھکے قدموں سے چلتا وہ ٹیرس پر آ کر گرل کو تھام کر نیچے دیکھنے لگا، جہاں اندھیرے میں گرج چمک کے ساتھ بارش گر

رہی تھی، حذیفہ کے کہے ہوئے لفظ کہ ''اپنے ذہن سے سوچو'' سوچوں کا کوئی لمحہ اس وقت بھی در آیا، اسے محسوس ہو رہا تھا کہ تیز بارش گر رہی ہے، وہ نیچے رومی کو دیکھ کر اوپر سے بھاگ کر آیا ہے، تو وہ رومی کا ہاتھ تھام کر گرتی ہوئی بارش میں بھیگ رہا ہے۔ گلیشیئر کے طوفانی ریلے میں رومی ڈوب رہی ہے، وہ مدد کے لیے چیخ رہی ہے، وہ اس کا ہاتھ تھامنا چاہتا ہے، ایک زوردار گرج کے ساتھ روشنی کا جھماکا ہوا، اس کی سوچوں میں سے رومی ہاتھ چھڑا کر دور گر رہی تھی۔

''یہ سب کیا ہوا؟'' اس نے گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھا، سیاہ بادل برس رہے تھے، اس نے بالائی زینے کی طرف دیکھا جہاں گہرا سناٹا تھا باہر بارش تیز ہو رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ بھیگتے ہوئے ٹیرس میں کھڑی تھی، اس کی سوچوں میں اشمل کا چہرہ کئی بار آیا، برستی ہوئی بارش کے سیاہ اندھیرے میں خیالات کی ایک بوچھاڑ تھی، نئے آنے والے طوفان میں اب کون سا سائبان لگائے گی۔

''سارے خیمے ایک ایک کر کے جل رہے ہیں، دربدری کی یہ آخری ٹھوکر ہوگی جس کو کھانے کے لیے میں خود ولید ہاؤس لوٹی تھی، یہ بچہ کس کا ہے یہ میں ثابت کر کے کیا کر سکوں گی، اشمل کاری ایکشن نجانے کیا ہوگا؟ اس ساری دلدل میں دھنس جاؤں گی، اگر اس نے ایکسیپٹ کرنے سے انکار کر دیا''۔ گرتی ہوئی بارش میں ہر طرف آگ لگ رہی تھی، دھواں اٹھ رہا تھا، وہ ایسی بارش میں بھی پسینے میں شرابور تھی۔

''مجھے کیا کرنا ہے، اس طوفان کا انکشاف تو سب کو ہو گیا ہے، میری خوشی کی کوئی بھی حقیقت نہیں ہے، تائی اماں پرانے زمانے کی پرانی سوچ کی ہیں، اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ کس کی ذات پر کتنا بدنما داغ دکھائی دے گا''۔ صبا کا چہرہ آہستہ آہستہ بارش میں سلگتی ہوئی لکڑیوں کے درمیان نظر آ رہا تھا۔ اس کی سوچوں میں ولید ہاؤس کے اندر انگاروں کی بارش تھی، ہر شخص کے ہاتھ میں پتھر اور وہ بیابان سڑک پر دوڑ رہی تھی، دوڑتے دوڑتے جب گر پڑی تو کسی نے اسے ہاتھ سے سہارا دیا تھا، اس کے کانوں میں سرگوشی آئی تھی وہ آواز فائزہ کی تھی، وہ یہ بات جانتی تھی بس کوئی آواز آج قریب سے آئی تو وہ خود ہی چونک گئی، آوازوں کا رن پڑا تھا اور اندر گھمسان کی اداسی تھی، اطراف میں گہرا سناٹا تھا اور وہ باہر اندھیرے میں نجانے کس جگنو کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

اشمل دبے قدموں چلتا ہوا بالکنی سے گزرتا ہوا اوپر گیا تھا جونہی اس نے دروازے کا ہینڈل کھولا تو کمرہ خالی پڑا تھا، اسے یاد آیا کہ ارج اس کمرے میں نہیں رہنا چاہ رہی تھی، وہ برابر والے گیسٹ ہاؤس میں شفٹ ہو گئی ہے، اس روم کو بند کر کے وہ گیسٹ ہاؤس کی طرف پلٹ کر گیا تھا، بارش دھواں دھار ہو رہی تھی اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو دروازہ لاک تھا، اس نے سیل نکال کر اپنے اطراف میں دیکھا اور پھر ہونٹوں سے لگا کر بولا تھا۔

''ارج! میں ہوں دروازہ کھولو''۔ ارج ابھی تک جاگ رہی تھی، اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے اشمل کھڑا اندر گھس رہا تھا۔

''اشمل پلیز!'' اشمل نے گھبرا کر اس کو دیکھا تو اسے یوں لگا جیسے سب کچھ دوراتوں میں بدل گیا ہے، نہ صرف یہ روم بلکہ ارج بھی بدل گئی ہے۔

''کیا ہوا ارج! تم مجھے اتنے غور سے کیوں دیکھ رہی ہو؟'' ایسا کچھ اس نے ارج کے چہرے پر پڑھ لیا تھا، وہ خالی خالی ذہن اسے دیکھتا ہوا کشن اٹھا کر صوفے پر بیٹھ گیا، ارج کچھ روٹھے روٹھے سے انداز میں بیٹھی ہوئی بہت گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''پلیز ارج! کیا تم مجھ سے ابھی تک ناراض ہو؟ مجھے یاد ہے کہ تمہیں بالکل اچھا نہیں لگا تھا کہ میں لان میں رومی کے ساتھ بارش انجوائے کر رہا ہوں''۔ اس نے بہت محبت سے دیوانگی بھری نظروں سے ارج کو دیکھا تو وہ سب کچھ سمجھ کر اصل موضوع پر پلٹ آئی تھی۔

''یو نو اشمل! ہماری جس ماحول میں پرورش ہوئی ہے وہاں ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی پرواہ نہیں کرتے، کون کس کے ساتھ زندگی انجوائے کر رہا ہے، یہ میرا ہیڈک نہیں، مگر یہ ضرور ہے کہ میں ہیلتھ کانشیس ہوں اور تم تو سب کچھ جانتے ہو، میں تمہارے ساتھ کوئی لمحہ شیئر نہیں کر سکتی، تمہاری ایموشنل فیلنگ اب ہمارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتیں، سچ تو یہ ہے کہ تم ایک مہلک بیماری سے نظریں چرا رہے ہو، یہ بیک ورڈ کنٹری یہاں کے بیک ورڈ نظریات ہیں، وہاں تو بخار بھی آ جائے تو ہم اپنا بیڈ چینج کر لیتے ہیں''۔

''ارج مجھے ایسی کوئی بیماری نہیں ہے جس سے تم اتنی خوفزدہ ہو''۔ وہ اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔

''بس یہ میری نیچر ہے کہ میں اب تم سے بیڈ شیئر نہیں کر سکتی، بچوں کی طرح تم زندگی سے کھیل رہے ہو، تم یہ تک تو کہہ نہیں سکتے کہ میں تمہاری بیوی ہوں، صبح صبح روم سے نکل کر رومی کے روم میں جانا یہ سلسلہ بند کرو''۔

''اور ہماری تمہاری زندگی؟'' اشمل پھٹ پڑا تو وہ بولی۔

''بس اشمل! میں ڈیڈی اور پھپھو جانی کے بیچ میں خود کو سیکری فائز نہیں کر سکتی، تم رومی کے کمرے میں واپس جاؤ''۔

''دیکھو ارج! ہمارے اور اس کے درمیان ایسا کچھ نہیں ہے، میری ایموشنل فیلنگ صرف تمہارے ساتھ رہی ہیں''۔

''اشمل!'' ارج کو بہت زور سے ہنسی آئی تھی۔

''اشمل! شاید تمہیں معلوم نہیں ہے یہاں مٹھائیاں بٹی ہیں اور صدقے کیے گئے ہیں اور زبیدہ خالہ صدقے واری جا رہی تھیں کہ ولی عہد آ رہا ہے اس گھر کا، پھر وہ سب کیا ہے؟''

''ارج....!'' اشمل نے آہستہ سے اس کا ہاتھ تھاما، وہ ہاتھ جھٹک کر کھڑی ہو گئی، اشمل بھی گھبرا کر جلدی سے اس کے برابر میں آ کر کھڑا ہو گیا۔

''ارج! یقین جانو میں بہت زیادہ ڈرنک تھا اور ایموشنلی مجھ سے ایک غلطی ہوئی ہے، جس کو اتنا بڑا ایشو بنا لیا گیا ہے، ارج! تم نے خود ایک مرتبہ اپنے بارے میں بھی تو یہ اعتراف کیا تھا، میں نے تو تم پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی سوالات کیے کہ مجھ سے پہلے تمہارا کیا ماضی تھا، پھر تم نے جا کر ایک کلینک میں اس مصیبت سے اپنی جان چھڑائی، میں اس کو بھی یہ طریقہ کار بتا دوں گا تم میری ہیلپ کرنا''۔ مضبوط لہجے میں بولا۔

''اوکے اوکے وہ تو میں کر سکتی ہوں، مگر میں تمہارے ساتھ ایک کمرے میں نہیں رہ سکتی، یہ میرا فائنل فیصلہ ہے''۔

''دیکھو ارج! میں نے تمہارے لیے خود کو بہت سیکری فائز کیا ہے''۔ تو ارج کو بہت زور کی ہنسی آئی تھی، ہنستے ہنستے وہ

تکیہ بھینچ کر اس میں اپنا منہ چھپانے لگی۔

"تم ہنستی ہوئی مجھے بہت اچھی لگتی ہو"۔ اشمل نے اس کے ہاتھ سے تکیہ کھینچ لیا۔

"ڈونٹ بی سلی، مجھ سے تم ڈسٹنس میں رہو، یُو نو کہ تمہارے منہ سے بلڈ آیا ہے، تمہارے سارے کپڑے بھیگ گئے تمہیں ایمرجنسی میں ہاسپٹلائز کیا گیا، تم وہاں سے تین دن کے بعد آئے ہو یُو نو اشمل! یہ ایک موروثی بیماری ہے میں تمہارے گھر میں کام کرنے والی ایک بوڑھی ملازمہ سے سب کچھ پوچھ چکی ہوں، اور تم نے یہ inherit کیا ہے اپنے پاپ اور دادی سے"۔ اس نے نیٹ اوپن کر کے ڈیسز یز پیج اشمل کے سامنے اسکرین پر اوپن کر دیا۔

"اونو ارج! ایسا کچھ نہیں ہے، ہاں میں جانتا ہوں میری فیملی میں یہ بیماری تھی، مام اور حذیفہ بھی گھبرا گئے تھے، لیکن ایسا کچھ نہیں ہے"۔

"سوری اشمل! جس طرح یہاں نئی نئی چالیں چلی جاتی ہیں آئی کانٹ بیئر، ڈونٹ ٹچ می"۔ اس نے دوبارہ اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"ارج! میں تم سے محبت کرتا ہوں"۔

"محبت تو میں بھی تم سے کرتی ہوں"۔ وہ پلٹ کر آئی تھی۔

"لیکن میں تم سے فزیکلی کوئی تعلق نہیں رکھ سکتی"۔ وہ بے مروتی سے بولی۔

"ارج! ہمارے سامنے، بہت بڑی لمبی پلاننگ ہے، ہمیں یہاں سے نکلنا ہے"۔

"ہاں تو اس میں، میں تمہاری ہیلپ کروں گی، یہاں بھی وہاں بھی"۔ وہ گردن اکڑا کر بولی۔

"ارج! دس از ناٹ فیئر"۔ وہ ہنس کر اس کی جانب بڑھا۔

"بس ڈونٹ ٹچ می، اشمل! بس پلیز"۔ اشمل کو اِس نے برے طریقے سے رد کر دیا تھا۔

"ارے یار! میں بالکل ٹھیک ہوں"۔ وہ چیخ کر بولا۔

"پلیز اشمل!" اس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا تھا۔

"میں نے سنا ہے ایسی طوفانی بارش، یہ موسم، یہ اندھیرے ایسی لوئر کلاس لڑکیوں کے لیے بڑی اہمیت رکھتے ہیں جو گھروں میں بند رہتی ہیں، تم جاؤ ایک سہمی سی خوفزدہ لڑکی باہر بالکنی میں کھڑی تمہارا انتظار کر رہی ہوگی، رات تم ہمارے ساتھ رہتے ہو صبح رومی کے کمرے میں تم اپنا دن گزارتے ہو، دادی کیا تم گھر کے ملازموں سے بھی خوفزدہ رہتے ہو کہ وہ تمہیں اس کمرے میں نہ دیکھ لیں"۔ ارج نے بہت زور سے دروازہ بند کیا تھا، اشمل چلتا ہوا اپنے روم کی طرف پلٹ کر آیا تھا، لاک کھلا ہوا تھا وہ دبے قدموں چلتا ہوا جب اندر آیا تو اس کی سوچ کے برعکس اس کا بیڈ بالکل خالی تھا اور رومی بالکنی میں یقیناً تھی کیونکہ وہاں کا بلب دودھیا روشنی میں جل رہا تھا۔ ارج کا رویہ اتنا ہتک آمیز تھا کہ اس کے چہرے کی رنگت بدل رہی تھی، وہ بالکنی میں چلتا ہوا آیا تو رومی اندھیرے میں کچھ دیکھ رہی تھی، اشمل نے اتنا آہستہ سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا کہ وہ ڈر گئی۔

"او اشمل! تم نے تو مجھے ڈرا دیا"۔ وہ خوفزدہ سی ہو کر بولی تھی۔

"میں دبے قدموں نہیں آیا ہوں تم خود دبے قدموں کہیں بہت دور چلی گئی تھیں"۔ ارج کے رویے کا احساس اس

کے چہرے سے ڈھل چکا تھا وہ کسی نرم مزاج لڑکی کے سامنے کھڑا تھا، جو خوفزدہ ہو کر بھی مسکرا پڑی تھی۔

"اشمل پلیز! تمہیں آرام کی ضرورت ہے، چلو آؤ اندر، میں نے تمہارا بیڈ تیار کر دیا ہے، مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنی جلدی آ جاؤ گے"۔ اس نے اشمل کا بازو تھام لیا تھا۔

"آپ اتنے غور سے کیا دیکھ رہے ہیں؟" اس نے سر اٹھا کر اس کی گہری آنکھوں میں جھانکا تو اس کی آنکھیں مسکرا پڑیں۔

"تم بہت کیئرنگ ہو"۔ اشمل ہلکا سا ہنسا تھا۔

"خیر چھوڑیں اب، میں ایسی بھی مسیحا نہیں بس تھوڑا سا دکھ بانٹنے کا ہنر جانتی ہوں، سچ پوچھیں اشمل! میں بہت ڈر گئی تھی، گھبرا گئی تھی، میں نے تمہارے لیے بہت دعائیں کیں تھیں اشمل! دادی بہت پریشان تھیں، آپ حذیفہ بھائی سے ملے؟ وہ دیکھیں پریشان ہو کر یہاں آ گئے"۔ پتہ نہیں کون سا احساس تھا بس سر جھکا کر کمرے کے اندر آ گیا تھا جہاں، سیپریٹ روز ووڈ کی سیٹی پر جس پر رومی سوتی تھی ایزل آنکھ موندے بلینکٹ میں چھپی لیٹی تھی۔

"او تو محترمہ کے مزے آ گئے"۔

"اشمل! یہ بھی بارش میں بھیگ کر کچھ بیمار سی ہو گئی تھی، اس لیے اس کو میں نے اپنے ساتھ سلا لیا ہے"۔

"جانتا ہوں"۔ وہ جھک کر ایزل کے سر کو تھپتھپانے لگا تھا۔

"میں لائٹ آف کرتی ہوں آپ لیٹ جائیں"۔ وہ راستے سے ہٹ کر بولی۔

"تم حذیفہ سے ملیں؟" اس نے حصار باندھ لیا تھا۔

"ہاں آج صبح ہی ملی ہوں"۔ وہ معصومیت سے بولی۔

"کیسا ہے حذیفہ؟ کتنا مختلف ہے ناں وہ مجھ سے؟ اس نے داڑھی رکھ لی ہے، تم پریشان تو نہیں ہوئیں اسے دیکھ کر؟" وہ گہری سوچ میں تھا۔

"اسی کی وجہ سے تو وہ بہت گریس فل لگ رہے تھے"۔ ہونٹ مسکرا پڑے۔

"اوہ آئی سی"۔ اشمل کی کھوجتی ہوئی نظریں اس کو اپنے حصار میں لے رہی تھیں۔

"سوری رومی! میں نے تمہیں ڈسٹرب کر دیا"۔ اس نے راستہ دیا۔

"کوئی خاص نہیں۔۔۔۔۔۔"۔ اس نے پھر ایک بار اشمل کے ذہن پر کوئی چیز ماری تھی، اس نے نظریں پھیر لیں، اپنی نظروں کا زاویہ اس نے ایزل کی طرف پھیر لیا تھا، ہواؤں کا ایک بھیگا ہوا سرد جھونکا کھلے پٹ سے در آیا تو اس نے رومی کے وجود کو پھر ایک بار پلٹ کر دیکھا تھا۔

"یہ آج کل ایزل کو نیند بہت آ رہی ہے، دیکھو کیسے بار بار تمہاری شال سے لپٹے جا رہی ہے"۔ اشمل کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس وقت اس سے کس ٹاپک پر بات کرے، اسی لیے بات برائے بات ایزل کو گھسیٹ رہا تھا، رومی اس کے دل کی کیفیت کو جان گئی تھی، بڑے دکھی دکھی سے انداز سے اس نے اشمل کو دیکھا تھا، خاموش نظروں سے اس کے ذہن میں ارتعاش سا پیدا ہوا، ہوا سے اڑتے ہوئے جھونکے کو وہ اپنا موضوع بناتے ہوئے بولی۔

"آج کی بارش کی ہواؤں میں ٹھنڈ شامل ہے"۔ اس کے وجود کے اندر ایک جھرجھری سی آئی، ایک خیال در آیا۔

''کاش....ایزل کے بجائے اشمل نے مجھ سے کچھ پوچھ لیا ہوتا''۔ وہ اپنا رخ سامنے کی طرف کرتے ہوئے اشمل سے مخاطب ہوئی تھی۔

''میں ایک ہفتہ پہلے ایزل کو لے کر ڈاکٹر کے پاس گئی تو تھی، الٹراساؤنڈ میں ٹوئنس نظر آئے ہیں''۔ اس نے گھبرا کر اشمل کے چہرے کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''یہ میں کیا بول گئی؟'' ایک جھماکا سا ہوا اس کے ذہن پر۔

''رومی پلیز! لائٹ بند کردو؟'' اشمل ٹھنڈی ہواؤں میں بھی پسینے میں شرابور ہو گیا تھا۔

''شیور اشمل!'' تو اشمل نے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ لیمپ بند کر دیا تھا، کمرے میں دودھیا بلیو رنگ کا اجالا پھیل گیا تھا، بیڈ پر وائٹ بیڈ شیٹ پر اشمل کو سونا بہت اچھا لگتا تھا، اس نے لیٹتے ہی ایک لمبی انگڑائی لی تھی۔

''رومی! تم اس کو (ایزل) اٹھا کر میرے بیڈ پر ڈال دو، ورنہ تمہیں تکلیف ہوگی''۔ اشمل کی جگہ پر جا کر بڑے سے کشادہ صوفے پر جس پر اشمل سوتا تھا اس پر ایزل جا کر سو گئی تھی۔

''یہ بہت گہری نیند میں ہے، میں اس کو ڈسٹرب نہیں کروں گی، آپ میری فکر نہ کریں، آپ سو جائیں آپ کو آرام کی ضرورت ہے''۔ اس نے بڑا سا کشن اٹھا کر اشمل کے بیڈ پر رکھ دیا تھا، بھینی بھینی موتیے کی خوشبو اشمل کے وجود میں سرائیت کرنے لگی، کمرے کی نیلگوں روشنی میں رومی آف وائٹ سمپل سے لباس میں موتیے کے پھولوں کی طرح نظر آ رہی تھی، باہر سے ہلکی ہلکی بارش کا شور بھی محسوس ہو رہا تھا، بجلی زور سے کڑکی تو پورے کمرے کو روشن کر گئی۔

''آج پھر میری آنکھوں میں سارے منظر بدل رہے ہیں، دل کہتا ہے جو یہ نظر آتی ہے وہی سچائی ہے، لیکن ذہن میں کوئی اور فلم چلتی ہے، مام کے لفظ سارے منظر چرا لیتے ہیں اس کا پاکیزہ وجود آہستہ آہستہ کسی موم کی طرح پگھل جاتا ہے اور میں دھند میں اترتا چلا جاتا ہوں، فاخر کہتا ہے میری Counseling ہونی چاہیے، کیا واقعی مجھے اس چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟'' اس نے آہستہ سے بند آنکھیں کھول کر رومی کو دیکھا جو دور رائٹنگ ٹیبل پر جھکی ہوئی کچھ مدھم روشنی میں بیٹھی لکھ رہی تھی۔

''کتنا پرسکون ہے اس کا چہرہ، یہ پاس سے بھی گزر جائے تو اس کے وجود سے ایک خوشبو کا احساس جاگتا ہے، اس کو چھو لینے کا احساس آج تک میری سانسوں میں مہکتا ہے، ذہن پر ایک بوجھ ہے کہ میں نے رومی کو اپنی کمٹمنٹ سے دور کر دیا، وہ کہتی ہے کہ اسے کوئی احساس نہیں، مگر مجھے گلٹ فیل ہوتا ہے کہ میں نے اسے اس کی رضا کے بغیر حاصل کیا، کیا واقعی مام صحیح کہتی ہیں کہ یہ مجھے حاصل کرنا چاہتی تھی، اتنے آرام سے اس نے کہہ دیا کہ ٹوئنس ہیں، اور میں پسینے میں شرابور ہو گیا''۔ اس نے کن انکھیوں سے دور بیٹھی رومی کو دیکھا جو دودھیا روشنی میں بیٹھی کچھ لکھ رہی تھی، اس کی آنکھوں سے سارے منظر ایک ایک کر کے بے تاب ہو رہے تھے۔

''کسی بارش میں بھیگتی ہوئی اپنے دوپٹے میں چھپائے ہوئے ایزل کو وہ کس طرح اندر آئی تھی، بس وہ لمحہ تھا جس نے مجھے قریب کر دیا اور میں نے اسے ریزہ ریزہ کر دیا''۔

''پلیز اشمل! پلیز تم اپنے ہوش میں نہیں ہو، تم ڈرنک ہو۔ وہ دونوں ہاتھوں سے میرے شولڈر کو دھکا دے رہی تھی''۔ کروٹ لی تو رومی کے وجود کی خوشبو اس کے قرب و جوار میں پھیل رہی تھی۔

''ارج.....پلیز ارج! بند کرو اسموکنگ، میرا دم گھٹ رہا ہے، ونڈو کھول دو''۔ رومی نے گھبرا کر دیکھا وہ نیند میں بڑبڑا رہا تھا۔

''پلیز پلیز ڈی مرجائے گی باہر بہت تیز بارش ہے لاک کھولو''۔ باہر تیز بارش کی آواز ابھی تک سنائی دے رہی تھی، رومی نے بہت بے قرار نظروں سے اشمل کو دیکھا اس کا چہرہ بہت اذیت میں تھا اور وہ خود بہت گہری نیند میں تھا۔

☆.....☆.....☆

کلثوم کے پاس سمیر کی تصویر آئی تھی، صبح جاتے ہوئے اماں نے ڈرتے ڈرتے سمیر کی تصویر ایشل کے سامنے رکھ دی۔

''اللہ نے آخر میری سن لی ایشل! ایک نظر تم دیکھو تو سہی''۔ کلثوم کا سیل چارج پر لگاتے ہوئے ایشل ان کی جانب پلٹی، اماں کے ہاتھ میں تصویر دیکھ کر اس نے ماں کے چہرے کا جائزہ لیا اور تصویر تھام لی، وجود کے اندر ایک کرنٹ سا دوڑا اور وہ بے یقینی کی حالت میں تصویر کو دیکھے جا رہی تھی اس کے حواس قابو میں نہیں تھے اس نے بے یقینی کی حالت میں تصویر کو پلٹ کر دیکھا، تصویر کی پشت پر لکھا تھا۔

''سمیر علی خان''۔ وہ وہیں پر کھڑی کی کھڑی رہ گئی، اس نے بے یقینی کی حالت میں اماں پر نظر ڈالی جو اس کی منتظر تھیں۔

''بشریٰ نے مجھے گھر بلوا کر بھی اس لڑکے سے ملوا دیا ہے، مجھے تو پسند آیا ہے، تم تصویر دیکھ لو اگر ہاں کہو تو میں اسے بلوا لوں، ارسلان کو بھی یہ سمجھ میں آیا ہے''۔ ذہنی طور پر وہ مفلوج ہو چکی تھی، وہ ہنستا ہوا ریمارکس کستا ہوا بائیک پر تیز تیز اس کی نظروں کے سامنے سے گزر رہا تھا، تقریباً ایک سال سے پیچھا کرنے والا نوجوان تو یہ سمیر علی خان ہے، ایک ایک دن کا لمحہ اس کی سوچوں میں در آ رہا تھا۔

''اماں کو کیا معلوم کہ وہ کس عادت و اطوار کا مالک ہے، کیا بتاؤں ان کو کہ یہ روزانہ میرا پیچھا کرتا ہے، بات ارسلان تک پہنچے گی اماں خوفزدہ ہو کر اسے گھر بٹھا لیں گی، یہی انجام ہونا ہے''۔

''ایشل.....ایشل! کیا ہوا؟ دیکھا تمہیں بھی پسند آ گیا ناں یہ؟'' اماں نے اسے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

''جی اماں جی!'' تصویر ہاتھ سے چھوٹ کر گری اور وہ گہری نیند سے چونک گئی، فوری طور پر فیصلہ کرنا ممکن نہ تھا۔

''اماں! مجھے دیر ہو رہی ہے''۔ وہ جلدی سے سیل چارج پر لگا کر باہر نکل گئی، بہت تیز قدموں سے چلتی ہوئی وہ اسٹاپ پر پہنچی تھی یوں لگ رہا تھا ہر طرف سے سمیر علی خان اس کا پیچھا کر رہا ہو، وہ مڑ مڑ کر دیکھ رہی تھی، تبھی وہ کسی بائیک سے ٹکراتے ٹکراتے بچی، اس نے گھبرا کر دیکھا، لیکن وہ سمیر نہیں کوئی اور تھا۔

''کیا جان دینے کا ارادہ ہے، دیکھ کر چلیئے''۔ بائیک والا گزر گیا، وہ جلدی سے وین پر چڑھ تو گئی لیکن ہر بائیک پر اسے سمیر نظر آ رہا تھا، بریک میں بھی وہ سہمی سہمی اور گھبرائی ہوئی مریم آپا کو نظر آئی تھی۔

''کوئی بات ہے ایشل؟'' تو اس نے جواب میں نفی میں سر ہلایا تھا۔

''چلو پیریڈ کے بعد ڈسکس کریں گے''۔ مریم آپا نے آہستہ سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا تھا اس لمحے وہ بہت نروس دکھائی دے رہی تھی۔

''اماں! میں کلاس میں جارہی ہوں، آپ کچھ تھوڑا سا کھا کر میڈیسن لے لیجیے گا''۔ کلثوم کی آواز اس کے کانوں میں بڑی چہکتی ہوئی پڑی، تو وہ سیل بند کرتے ہوئے خود سے بولی۔

''اماں! تو بڑی مطمئن ہیں اس رشتے پر''۔ اس نے واپسی پر مریم آپا کو تفصیل سے اسٹاپ پر کھڑے کھڑے بتایا تھا۔

''اف خدایا! یہ تو بہت غلط ہوا ایشل! خیر تم اگر یہ بات بتاتی ہو اور انکار کرتی ہو تو بہت برا ہوگا، تمہاری بات پھر آگے تک جائے گی، تم ایسا کرو ارسلان پر فیصلہ چھوڑ دو اور اس سے کہو پورے محلے سے انکوائری کروائے تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا''۔ مریم آپا آہستہ سے بولیں، وین آئی تو دونوں ایک ساتھ وین میں چڑھیں، اردگرد نظر ڈالنے کے باوجود سمیر کسی بائیک پر نظر نہیں آیا، وہ واپسی پر مڑ مڑ کر دیکھتی رہی مگر دور دور تک سمیر نہیں تھا وہ بہت خوفزدہ سی گھر کے اندر آئی تھی، اس نے جلدی سے فریج سے بوتل نکال کر پانی پیا تھا۔ کلثوم بڑی مطمئن سی اسے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

28 جون کی لگی جھڑی ابھی تک آسمان سے برس رہی تھی، سیاہ بادلوں کی ٹولیاں سیاہ رات کی گہری تاریکی میں ماہم تنہا لان میں بیٹھی سیاہ بادلوں میں ایک بہشت بھرے چہرے کو ڈھونڈ رہی تھی، یہ جمعرات کی ایک گہری اور پہلی شب تھی جو اماں کے بغیر بیت گئی تھی، دنیا میں ہر چیز اس کے لیے ختم ہوگئی کچھ بھی نہیں بچا تھا، صبح ہوئی تو وہ اماں کے گھر قرآن پڑھنے چلی جاتی۔

ہر شخص بیگانہ سا لگ رہا تھا، سب سے زیادہ ثروت باجی کے چہرے پر تمسخرانہ بے رحمی کا انداز تھا، اماں کی زندگی کے ساتھ ان کے شکوے دور نہیں ہوئے تھے، ماہم کے اندر ایک گھمسان کا رن پڑا ہوا تھا، پژمردہ انعم سب سے زیادہ دکھائی دیتی تھی، آنکھیں نہیں اس کا وجود روتا دکھائی دیتا اور ماہم کا اندر سے دل کسی مٹی کی ریت کی طرح بھرا بھرا ہو جاتا، آج بھی اندھیری شب میں دن کا پہر آنکھوں میں سمارہا تھا، وہ قبرستان گئی تھی اسے یوں لگا کہ اماں اس کی آمد پر کسی دوسرے کو بتارہی ہیں کہ میرا ان سے کیا رشتہ تھا، دن کا پہر رات کی اندھیری تاریکی میں اس کی سوچوں میں آرہا تھا، شدید بارش تھی بجلی شام سے غائب تھی، اندھیری رات کا پہر تھا، مگر کوئی ڈر اور خوف نہیں تھا، وہ بزدل لڑکی جس کو بارش سے عشق تھا۔

رک جائے یہ بارش، کل اس نے کئی کھلی قبروں کو دیکھا تھا جو یقیناً اب تک پانی سے بھر گئی ہوں گی، اسی قرب وجوار میں اس کی بھی ماں سو رہی تھی، اندھیرے تاریک اور گہرے ہوتے جارہے تھے، بارش کا شور بڑھ گیا تھا، صبح وہ وہیں بیٹھے بیٹھے سو گئی، صبح کاذب اس کی آنکھ کھلی تھی۔

اماں کی ڈیتھ کے تیسرے دن انعم کا رشتہ آیا تھا۔ حماد کے جانے کے بعد عماد پریشان بیٹھے تھے کہ عارف خالہ زاد بھائی کا رشتہ انعم کے لیے آیا تھا، اماں کی زندگی میں یہ خواہش تھی پھر افضال کے ساتھ ماموں زاد انعم کے رشتے کی بات کئی بار چلی، کئی بار ختم ہوئی، عارف اور افضال دونوں بھاگ رہے تھے، افضال ثروت باجی کے گھر کے چکر لگا رہا تھا اور عارف ماہم کے گھر کے، اور دوسرا رشتہ جو سوئم کے دن آیا تھا عماد گہری سوچ میں تھے کہ فیصلہ کہاں کریں؟ ماہم آج اماں

کے گھر میں ہی تھی تو وہ ماہم کو دیکھ کر بولے۔

''ہم رات لڑکے والوں کی طرف بھی گئے تھے انہوں نے بلایا تھا، کل ہم تمہاری بھابی اور ثروت کو لے کر گئے تھے دراصل ان لوگوں کی مرضی نہیں تھی کہ تمہیں لیا جائے''۔ عماد کی نظریں ماہم کے سامنے پہلی بار جھک سی گئی تھیں۔

''ثروت کو تو کچھ سمجھ نہیں آرہا کہہ رہی ہے گڈھے ہیں، اندھیرا ہے، چھوٹا سا گھر ہے، اب یہ دیکھو سالے افضال کو کیسا بھاگ رہا ہے، خدا کی قسم اماں کے سامنے یہ بڑے نخرے دکھا رہا تھا اماں ہی راضی تھیں ورنہ میں تو بالکل اس کے حق میں نہیں تھا''۔

''ہاں بھائی صاحب! عارف بھی ہمارے گھر کے چکر لگا رہے ہیں، اماں کی زندگی میں تو میری بھی خواہش تھی، مگر اب نہیں''۔

''لیکن اب فیصلہ کرنا مشکل ہے''۔ وہ گہری سوچ میں تھے۔

''فیصلہ قابلیت پر کر دیجیے، آپ نام اور لڑکے کا ایڈریس دیں میں پتہ کروالیتی ہوں، ہمارے جاننے والے ہیں وہاں''۔ ماہم بولی۔

''وہ تو کوئی مسئلہ نہیں ہے، میں آفس کے ذریعے خود پتہ کروالوں گا، چلو یہ بات ٹھیک ہے، فیصلہ قابلیت پر ہی کرتے ہیں کہ کون کتنا قابل ہے''۔ ان کی بڑی بڑی آنکھیں مسکرا پڑیں تھیں، ماہم کا پتہ ثروت باجی نے صاف کروادیا تھا، ان کی ہمدردیاں ان کی وہ جھوٹی محبتیں جیت گئی تھیں سوچوں کا پھر ایک ریلہ آیا کئی دن پہلے ہی انعم کہہ چکی تھی۔

''ثروت باجی تو کہتی ہیں وہ مجھے اپنے بچوں سے زیادہ چاہتی ہیں''۔ بڑی بڑی آنکھوں سے تصدیق مانگ رہی تھی۔

''یہ جھوٹ ہے، بچوں سے زیادہ کوئی کسی کو نہیں چاہ سکتا''۔ اس نے اپنے قریبی رشتے کو ٹٹولا تھا، دل کی آواز آہستہ سے پھر ایک بار سنائی دی تھی۔

''بچوں سے زیادہ کوئی نہیں''۔ وہ برملا بول پڑی تھی۔

''انعم! وہ جھوٹ بولتی ہیں''۔ انعم نے تصدیق نہیں بلکہ برے طریقے سے ماہم کو رد کر دیا تھا۔

''آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے اس لیے آپ ایسے بول رہی ہیں''۔ وہ بڑے سخت لہجے میں بولی تھی۔ سائبان کے چاروں سہارے جب ٹوٹ جائیں تو چھپر کٹ گر جاتا ہے، سمندر بھیگی ریت کی طرح آنکھوں میں اتر آیا، زندگی کی بے ثباتی ماہم کے اندر ٹوٹ گئی، ماہم نہ جان سکی کہ محبت کیا ہے؟ محبت کسے کہتے ہیں؟ دکھ سے آنکھیں لبریز ہوں تو ہونٹ مسکراپڑتے ہیں محبت کی پہلی شرط روح اور جسم سب تار تار ہو جائیں پھر بھی انسان کہے کہ میں بہت خوش ہوں، رضائے الٰہی کا رنگ محبت کے رشتوں میں فرق انسانی خواہشات کے مطابق ہے، روح کا تعلق جسم سے نہیں اس رنگ ولہو سے ہے اس تخلیق سے ہے جو ماں کے وجود میں اللہ ڈالتا ہے، اس نور مٹی سے ہے جس سے انسان کی تکمیل ہوئی۔ جسم تو مٹی اور گارے کا ایک مجسمہ ہے جھوٹ کا سنہرا ملمع خواہشوں اور ضرورتوں کے تحت محبت کا اقرار جھوٹی انا اور خواہشوں کا بھرم ہے، لیکن بقول اماں۔

''کہ تم بھی جھکو''۔ اور اس کا عزم تھا کہ اللہ کے بعد میرا شریک کوئی بھی نہیں۔ اس کے دکھ کا مداوا کہیں نہیں اسی لیے

وہ تناور درخت کی طرح زمین پر کھڑی رہی، انعم کیا وہ کسی کے آگے نہ جھک سکی اور ثروت باجی نے احساس محبت پیدا کر کے انعم کو جیت لیا تھا۔ محبت اظہار نہیں کرتی، محسوس ہوتی ہے، انعم کیا چاہتی ہے ماہم جانتی تھی، لیکن اظہار نہ کر سکی، اسے کسی کی ہمدردی نہیں مضبوطی چاہیے تھی۔

☆.....☆.....☆

ملگجی سی صبح تھی تقریباً دن کے نو بج رہے تھے بھینی بھینی خوشبو پر اس کی آنکھ کھل گئی تو وہ جلدی سے گھبرا کر اٹھی۔ اشمل آفس جانے کے لیے تیار کھڑا تھا، رومی بے حد شرمندگی سے اپنا بلینکٹ طے کرنے لگی، سوئی ہوئی ایزل کو اس نے اٹھا کر نیچے اتارا تھا۔

''آرام سے رومی! آرام سے، اس طرح سے بے ہیومت کرو ایزل کے ساتھ''۔ تو رومی نے پوری آنکھیں کھول کر بہ ہوش وحواس اشمل کو دیکھا تھا، وہ رخ پھیر کر آئینے میں اپنے بال سیٹ کرنے لگا، نجانے کیوں اس کے ہونٹ آپ ہی آپ تھوڑا سا مسکرائے تھے کہ دوسری طرف سے جواب در نہیں آیا تھا، ایزل میاؤں کر کے دوبارہ بیڈ پر چڑھ گئی۔

''کم آن ایزل! تم میرے بیڈ پر لیٹ کر آرام کر سکتی ہو، حذیفہ آج آفس آرہا ہے، اس کی کال پر مجھے جانا پڑے گا''۔ اس نے مڑ کر رومی پر ایک نظر ڈالی اور اپنا کوٹ اٹھا کر باہر نکل گیا، رومی نے اشمل کے بیڈ کی طرف دیکھا چادر کہیں تکیہ کہیں پڑا تھا، استعمال شدہ تولیہ ڈریسنگ ٹیبل پر، پرفیوم کی بوتل کھلی پڑی تھی اور برش نیچے پڑا تھا۔

''میں کتنی غافل نیند سوئی تھی شاید کل میں ذہنی طور پر بہت پریشان تھی، بہت دیر ہو گئی''۔ اس نے وال کلاک پر نظر ڈالی دن کے نو بج رہے تھے، وہ برش کر کے واپس آئی انٹر کام کا اس نے بٹن دبایا تو چائے اس کی بیڈ روم میں ہی آ گئی، بیڈ پر بیٹھے وہ چائے کے سپ لیتی رہی، زندگی کے کتنے سارے ارمان خاموش پڑے تھے، ہلچل نہیں تھی تبھی کلینر نے دروازہ ناک کیا۔

''بی بی! صفائی کرنی ہے، آپ باہر چلی جائیں''۔ تو وہ چائے کا خالی کپ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر ٹیرس پر چلی آئی جہاں پر اونچے اونچے بڑے بڑے پلانٹ اور فرش ایکوریم رکھے ہوئے تھے، ایزی چیئر پر بیٹھ کر اس نے آج کے اخبار پر نظر ڈالی، تبھی ہیپ کی آواز ہوئی تو اس نے سیل اٹھا کر کان سے لگایا۔

''ارے ایشل! تم ابھی میں تمہارے ہی بارے میں سوچ رہی تھی، تم سب کیسے ہو؟'' اس نے ایشل سے پوچھا تھا، زندگی کے گزرے ہوئے ادوار میں ایشل کی دوستی اس کا سہارا تھی، ایشل نے گزرا ہوا حال بتایا تھا۔

''پھر ایشل! کیا ڈیسائیڈ کیا تم نے؟'' وہ اضطرابی کیفیت میں بولی۔

''اگر میں ارسلان کو بتا دوں گی کہ یہ وہی غنڈا ہے جو میرے پیچھے لگا رہتا ہے، نہیں رومی! میں کبھی یہ نہ کر سکوں گی، دیکھتی ہوں امی کی ہی رضا میں انکار کر دوں گی تاکہ بات ختم ہو جائے''۔

''اور اگر اس نے پھر بھی تمہارا پیچھا نہ چھوڑا تو.....؟'' وہ ساکت لہجے میں بولی۔

''پھر آگے دیکھتی ہوں کہ کیا کرنا ہے، مریم آپا بھی ہماری ہیلپ کریں گی، ان کی کوئی جان پہچان ہے''۔

''میں سمجھتی ہوں ارسلان سے کہا جائے کہ وہ ذاتی طور پر لڑکے کی معلومات اکٹھی کرے، بنیادی طور پر اگر بندہ

ٹھیک ہے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے، ہوسکتا ہے وہ تمہیں پسند کرنے لگا ہو''۔ وہ دبی دبی ہنسی میں بولی تھی۔

''بکواس..... شکل سے ہی غنڈا، اٹھائی گیرا لگتا ہے، گلے میں بڑا سا اسکارف ڈالتا ہے، چشمہ لگائے جب سر پر ہیلمٹ رکھتا ہے تو دیکھنے والا ہنس ہنس کر گر جائے، اینی وے میں دیکھتی ہوں میں اماں سے انکار کر دیتی ہوں، مجھے ابھی شادی کرنی ہی نہیں ہے، میرا ماسٹرز کمپلیٹ ہونے والا ہے بہت جلد میں یہ جاب چھوڑ دوں گی، میں نے تو صرف اماں کی سپورٹ کے لیے یہ جاب کر لی تھی''۔ ایشل اپنی باتیں اسے بڑی سچائی سے بتا رہی تھی۔

''جلد بازی میں کوئی فیصلہ مت کرنا تائی اماں بیمار رہتی ہیں تم اس بات کا بھی دھیان رکھو''۔ اس نے بڑے نرم لہجے میں سمجھایا تھا۔

''کیا مطلب ہے رومی! میں خود کو قصائی کے حوالے کر دوں؟ ایک ایسے شخص کے حوالے خود کو کر دوں جس نے ایک سال سے میرا جینا مشکل کر رکھا ہے، میں نے حالات سے کبھی ہار نہیں مانی، زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا میں جاب چھوڑ کر گھر میں بیٹھ جاؤں گی، زیادہ سے زیادہ مجھے اٹھوانے کی دھمکی دے گا اور کیا اسی لیے میں ساری باتیں تمہاری نالج میں لا رہی ہوں، کل کو اگر کوئی مجھے کڈنیپ کر لے، دیکھو ناں آج میں اسکول نہیں گئی خوف سے''۔ وہ ذہنی اذیت وخلفشار سے بولی۔

''اللہ نہ کرے، تمہیں کوئی کڈنیپ کرے''۔ وہ جھٹ بول پڑی۔

''اچھا چلو اماں مجھے آواز دے رہی ہیں میں انہیں دیکھتی ہوں''۔ ایشل نے لائن کٹ کر دی تھی۔ صبا کی کن سوئیاں لینے کی عادت تو بہت پرانی تھی، نجانے کب کس وقت جب اشمل کمرے سے نکل کر گیا تھا، وہ یہاں سے گزریں تو انہیں رومی کی آواز آئی تو وہ سرکتی ہوئی لان میں کھلنے والی ونڈو کے ساتھ جس پر ہلکا نیٹ کا پردہ ڈالا تھا آ کر کھڑی ہو گئیں، ساری باتیں سن کے کھٹ وہ اندر دندناتی ہوئی چلی آئیں تھیں۔

''کیا ایشل کو کسی نے کڈنیپ کی دھمکی دی ہے؟'' وہ گھبرا کر بولی تھیں۔

''نہیں مامی! نہیں!'' وہ ایک دم سیل ہاتھ سے گرائے ایک دم کھڑی ہو گئی تھی۔

''گھبرا کیوں رہی ہو، تمہاری باتوں سے تو یہی اندازہ ہو رہا تھا، اچھا ایشل سے بات ہو رہی تھی؟'' انہوں نے بیڈ پر گرا ہوا سیل کھٹ اٹھا لیا۔

''جی، جی اسے کچھ پرابلم ہے، ایک رشتہ آیا ہے جو اسے پسند نہیں ہے اسی سلسلے میں ہم بات کر رہے تھے''۔ اس نے گھبرا کر صبا کی جانب دیکھا چونکہ اسے پتہ تھا کہ وہ بال کی کھال نکالنا جانتی ہیں۔

''ظاہر ہے تم عقلمند ہو، میں نے دیکھا ہے کہ تم حالات کو بہت اچھے طریقے سے ہینڈل کر لیتی ہو، وقت اور حالات کو دیکھ کر چلتی ہو، اب دیکھو اسی دن کی بات پہلے تم بالکل ٹھیک ٹھاک تھیں، میری نظریں دھوکا نہیں کھا سکتیں رومی! لیکن پھر تم چکرا کر ہاسپٹل میں گر گئیں، میرا تم سے زیادہ اشمل سے قریبی رشتہ ہے، ماں بیٹے کا رشتہ، تمہارا ذہن کتنا تیز چلتا ہے 5 منٹ کے اندر اندر نرس کیا ڈاکٹر مجھے مبارکباد دے رہی تھی اور اس خبر کو سب سے زیادہ فائدہ نے پھیلایا ہے، مجھ سے پہلے وہ اماں کو یہ خبر دے چکی تھی، جب میں نے کہا کہ وہ اپنا منہ بند رکھے تو کہنے لگی سوری بھابی میں تو اماں کو بتا چکی ہوں''۔ رومی ان کے سامنے گھبرائی ہوئی اور سہمی ہوئی حواس باختہ ہو رہی تھی کہ کیا بولے۔

''اشمل نے مجھ سے صاف صاف کہہ دیا ابھی ہم لوگ اس چکر میں نہیں پڑ سکتے، یونو کہ ابھی ارج آئی ہوئی ہے اور

تم اس کی حقیقت بھی جانتی ہو، میں نہیں چاہتی کہ ولید ہاؤس میں اس بات کا چرچا ہو تو میں بات کرتی ہوں کسی گائنا کولوجسٹ سے، گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے"۔ وہ اس کے چہرے کا رنگ اڑتا ہوا دیکھ کر بولی تھیں۔

"نارمل رہنے کی کوشش کرو، یہاں یہ نیا کھیل مت کھیلو رومی! میں سب کچھ برداشت کرلوں گی، مگر یہ نہیں کرسکتی"۔

وہ غصے سے رخ پھیر کر سامنے کی جانب بڑھیں، وہ پتھر کی بنی جہاں کھڑی تھی کھڑی رہ گئی۔

☆.....☆.....☆

حذیفہ وقت سے پہلے آج آفس میں پہنچ گیا تھا۔

"گڈ مارننگ سر! صبح سے کئی لوگ اسے گڈ مارننگ کہہ چکے تھے، فائزہ کے بعد آنے والا یہ دوسرا شخص تھا، فائزہ بے حد خوش تھی ولید حیدر کی خالی کرسی پر آج حذیفہ بیٹھا تھا، سب کچھ نارمل سا لگ رہا تھا یوں لگتا تھا کہ حذیفہ نہیں ولید حیدر اپنی سیٹ پر بیٹھے ہیں، تبھی اشمل اندر آیا تو حذیفہ اسے دیکھ کر ہنس پڑا البتہ اشمل تھوڑا حیران ہوا تھا، اشمل جوں ہی روم میں آیا فائزہ اٹھ کر باہر چلی گئی تھیں۔

"بیٹھو اشمل! تم حیران مت ہو، پاپ نے یہ نیو سیٹنگ کروائی ہے آفس میں، تمہارا روم برابر والا ہے اور آج سے تم وہاں پر بیٹھو گے؟" اشمل تھوڑا حیران سا ضرور ہوا۔

"میرے بھائی! پاپ ہمیشہ مجھ سے رابطے میں رہتے ہیں، تمہیں وہ ہمیشہ ایک بچے کی طرح سمجھتے ہیں، اس لیے یہ ذمے داری انہوں نے مجھ پر ڈالی ہے اور اسی طرح ہمارے کام کی نوعیت بھی بالکل الگ الگ ہے، تم ولید ماربل ایکسپورٹ اور امپورٹ دیکھو گے اور میں دیگر فارن کمپنیز کو ہینڈل کروں گا اور فارن وزٹ میں کروں گا، کام کی نوعیت مقامی طور پر تمہاری ذمے داری ہے اور ہاں....!" اس نے سامنے کھلے ہوئے لیپ ٹاپ پر ایک نظر ڈالی اور بولا۔

"پورا مینجمنٹ آج سے فائزہ آنٹی اور علی انکل تمہارے ساتھ ہوں گے"۔ پھر اس نے بٹن کلک کیا اور سامنے اسکرین پر دیکھتے ہوئے بولا۔

"تمام کمپنی شیئرز، پراپرٹی، کنٹرڈیشن پراپرٹی کے حذیفہ ولید اور اشمل ولید برابر برابر کے حصے دار ہیں، پاپ نے یہ ساری ذمے داریاں مجھے اور تمہیں سونپ دی ہیں، وہ اس وقت لیبیا اور دبئی میں قائم نئی کمپنیز کو دیکھ رہے ہیں"۔ اشمل بالکل شاکڈ سا جہاں بیٹھا تھا بیٹھا رہ گیا۔

"آج سے ہم اور تم دونوں اس کمپنی کے 50،50 کے مالک ہیں اور جو کچھ بھی ہم امریکہ اور دیگر ممالک میں لوس کریں گے اس سے ڈائریکٹ دونوں کے شیئرز افیکٹ کریں گے یہ پاپ نے صبح صبح مجھے میسج کیا ہے، تم آج سے بہ حیثیت پارٹنر ولید انٹرپرائز کو جوائن کررہے ہو، پاپ نے ہمارے اور تمہارے ایگری منٹ پر سائن مانگے ہیں"۔ حذیفہ نے تو اپنی بات ختم کردی تھی لیکن اشمل جہاں بیٹھا تھا بیٹھا رہ گیا۔

"اس کا کیا ہوگا وہ لوس جو وہ امریکہ میں ہینگ کرکے آیا ہے"۔ ذہن میں سارے سوالات گڈمڈ ہو رہے تھے، وہ بہت تیزی سے اٹھ کر اپنے روم کی طرف آیا تھا، کب کیسے یہ کمرہ نیو ترتیب میں تھا نیم پلیٹ اس کے دروازے پر آویزاں تھی، گارڈ نے ڈور کھولا تو وہ اندر داخل ہوا، اطراف میں ہر چیز حذیفہ کے روم کی طرح ہی سیٹ تھی وہ اپنی کرسی پر پراؤڈلی بیٹھ تو گیا تھا لیکن واچ پر نظر پڑی تو دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔

"اگر میں امریکہ نہ جاسکا تو سب کچھ لوس ہوجائے گا، میں ہمیشہ کے لیے سب کی نظروں میں گر جاؤں گا"۔ اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے بغور پورے کمرے کا جائزہ لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ایشل نے اماں کو صاف لفظوں میں بتادیا تھا کہ وہ شادی نہیں کرسکتی اور جب وہ نہیں کہہ دے تو بس نہیں سمجھو، گھر میں ایک اودھم مچادیا زویا نے، چھٹی کا دن تھا ارسلان کی زندگی حرام ہوگئی تھی۔

"زویا! تم کیوں چاہتی ہو کہ ایشل وہاں شادی کرے وہ بندہ ٹھیک نہیں ہے، سیاسی بندہ ہے وہ، اس کی ریپوٹیشن اچھی نہیں ہے"۔

"کیا مطلب ہے کیا تم ایشل کی شادی مسجد کے امام سے کرو گے یا کوئی فرشتہ اتر کر آئے گا، سچ تو یہ ہے کہ اس دور میں ہر ایک کی سیاسی سوچ ہے ہر شخص کسی نہ کسی پارٹی سے وابستہ ہے کیا تم آنے والے کے دل میں جھانک کر دیکھو گے اسی سوچ نے تو دیوار سے لگا دیا ہے"۔

"تم جو بھی کہہ لو زویا! میں ایشل کی شادی وہاں نہیں کرواسکتا، ابا کے دوست یعقوب انکل کی طرف گیا تھا، کہہ رہے تھے کہ اس لڑکے کے ماں باپ تو بہت شریف ہیں بس یوں سمجھ لو کے دلی کے گھر شیطان پیدا ہوگیا"۔ زویا اس کی بات کاٹ کر بولی۔

"ہاں تمہاری بہن بہت شریف ہے، بڑی فرشتہ ہے، صبح جاتی ہے شام پلٹ کر گھر آتی ہے پورے شہر میں دندناتی پھرتی ہے جب دیکھو، آج اس کی مہندی ہے فلاں کا نکاح ہے، میں جارہی ہوں، اللہ جانے کہاں گھومتی پھرتی ہے، کن لوگوں میں اٹھ بیٹھ رہی ہے، سمیر تو غنڈا لگ رہا ہے تمہیں اپنی بہن کو دیکھو تو....!"

"زویا....!" ارسلان زور سے چیخا تھا، برابر والے کمرے میں کلثوم گھبرا کر اٹھ کر بیٹھ گئیں تو ایشل نے بڑھ کر دروازہ لاک کردیا تھا۔

"اماں پلیز! یہ ان کا آپس کا معاملہ ہے، نہ میں ارسلان کو بتاسکتی ہوں نہ آپ کو، مجھے شادی نہیں کرنی یہ فیصلہ میں بہت پہلے کرچکی تھی، جو میرے نصیب کا اور میرے لیول کا ہوگا خود آجائے گا، آپ مجھے تماشہ نہ بنائیں بس خیر کی دعا کریں، کوئی کسی کے لیے کچھ نہیں کرسکتا سوائے اللہ کی ذات کے، آپ چھوڑ دیں اس ٹاپک کو بھول جائیں، بشریٰ آنٹی کو منع کردیں وہ ہمارے لیے ہمارے گھر نہ آئیں"۔ زویا رات بھر ارسلان سے لڑتی رہی تھی اس کے پاس بس ایک ہی حل تھا وہ بائیک لے کر نجانے کہاں نکل گیا، زویا رو رو کر ماں سے ایشل کے لیے بددعائیں کررہی تھی۔

"امی! دیکھنا ایک دن میری ہائے ان لوگوں کو لے ڈوبے گی"۔

"کیا کروں زویا! بہت پچھتا رہی ہوں میں تمہاری شادی وہاں کرکے، ہر وقت تمہارے ابا ٹینشن میں گھومتے ہیں، جس بلڈرز سے ادھار لے کر انہوں نے کنسٹرکشن کروائی تھی وہ ڈیمانڈ پر ڈیمانڈ کررہا ہے، تمہارے ابا کئی دنوں سے گھر میں بند ہیں بینک کا لون چکانا مشکل ہورہا ہے بس یہی ایک آس امید ہے کہ اگر ارسلان لوگ اس گھر کا سودا کردیں تو وہ بلڈر بھی مان جائے گا اور کچھ تمہارے ابا کو بھی مل جائے گا۔ حالانکہ فائدہ ان کا زیادہ ہے بنا بنایا ان کو ایک پورشن بھی مل جائے گا بھول جائیں گے اس کھنڈر کو سامنے والوں کو دیکھو اس پلاٹ میں انہوں نے درجنوں فلیٹ بنالیے اور یہ لکیر کے

فقیر بنے بیٹھے ہیں، باپ دادا کی نشانی ہے''۔ وہ غرا کر بولیں۔

''ہاں امی! ان لوگوں کے لیے تو یہ نشانِ حیدر سے کم نہیں ہے''۔ زویا کا جی جل کر خاک ہو رہا تھا۔

''امی! کل کسی وقت آ کر میں آپ کے زیور دے جاؤں گی، پہن اوڑھ کر ان لوگوں کے سامنے اس لیے آئی تھی کہ ان کی عزت رہ جائے، میں تو کہوں گی سمیر سے کہ اٹھائے ایشل کو لے جائے کرے نکاح''۔

''ہائے زویا! ایسا مت سوچ، کل کو پکڑی گئی تو نہ گھر کی رہے گی نہ گھاٹ کی، الٹا سیدھا مت کر لینا میری جان! ہوش سے کام لے، کوشش کر پھر ایک بار''۔ وہ راحت رساں لہجے میں بیٹی سے بولی تھیں تاکہ اس کا غصہ کم ہو جائے۔

☆.....☆.....☆

صبا کو ساری تفصیلات پتہ چل گئی تھیں کہ حذیفہ آیا ہی اسی لیے ہے کہ وہ سارا بزنس سنبھالے گا اور فارن وزٹ اور وہاں کی دیکھ بھال حذیفہ کرے گا۔

''سمجھتے کیا ہیں یہ لوگ، میں سب کو مٹا کر رکھ دوں گی، یہ سب کچھ میرا ہے ولید کے بعد میرے بچوں کا ہے، میں ان کے ایک ایک فرد کو تباہ و برباد کر دوں گی''۔ وہ بہت غصے میں اماں کے کمرے میں آئی تھیں جہاں اماں اور رومی پہلے سے ہی پریشان بیٹھی نظر آئیں۔

''تم باہر جاؤ''۔ وہ نفرت بھرے لہجے میں رومی سے مخاطب ہوئیں تو وہ جلدی سے باہر نکل گئی تھی۔

''کیا ہوا اماں! کس کا سوگ منا رہی ہیں، بہت پریشان دکھ رہی ہیں؟'' ان کے لہجے میں طنز تھا۔

''کلثوم بے حد پریشان ہے زویا کی وجہ سے''۔ وہ افسردگی سے بولی۔

''کیا کر رہی ہے زویا جو وہ لوگ پریشان ہیں؟ ویسے تو ہم لوگ خود بھی پریشان ہیں اماں! ولید نے ہمارے بیٹے کے ساتھ ناانصافی کی ہے، حذیفہ نے آ کر پورے آفس پر قبضہ کر لیا ہے میرے بیٹے کی صرف اتنی چھوٹی سی خواہش ہے کہ وہ یہاں سے واپس چلا جائے لیکن ولید نے اس کے تمام راستے بند کر دیے ہیں، میں دیکھتی ہوں حذیفہ کیسے سیٹ ہوتا ہے، خود جا کر وہ ملک سے باہر بیٹھ گئے ہیں اور وہاں سے سارے آرڈرز حذیفہ کو بھیج رہے ہیں کیا مطلب ہے کیا اشمل نااہل ہے؟'' وہ شدید غصے کے عالم میں تھیں۔

''نہیں اشمل حذیفہ سے چھوٹا ہے اور رہی بات یہ کہ ولید اتنے دنوں سے واپس نہیں آیا اس کی وجہ تم جانتی ہو''۔ اماں نے سوالیہ نظروں سے صبا کو دیکھا تھا۔

''کیا وجہ ہے آپ بتا دیجیے''۔ وہ اکڑ کر بولیں۔

''تم نے اس کی ذات پر جو بہتان لگایا ہے وہ کہتا ہے کہ میں اپنے بچوں کو فیس نہیں کر سکتا''۔ اماں بول کر رکیں تو وہ غور سے ان کا چہرہ دیکھ کر بولیں۔

''اچھا... تو میں نے ان کی ذات پر بہت بھیانک بہتان لگا دیا ہے، اماں جو دیکھا تھا جو سنا تھا وہی میں نے بتایا، کوئی بھی دودھ کا دھلا نہیں ہے''۔ وہ بات کی تہہ تک پہنچ گئی تھیں اور کرسی کھینچ کر اماں کے پاس بیٹھ گئیں۔

''آپ کو کس نے بتایا؟'' ان کے دل کے اندر چور پہلے سے ہی موجود تھا۔

''میں کچھ نہیں جانتی اس کے بارے میں''۔ اماں رخ پھیر گئیں۔

''اماں! یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، وہ خورشید ہاؤس تھا جہاں سے رات کی تاریکی میں بی بی سامان اٹھا کر نکل گئی تھی، سعیدہ اور ابا جی کے بیچ کیا تھا کچھ تو تھا ناں؟ ان کا رشتہ تو سگا رشتہ تھا، تو کیوں ولید کیا دودھ کے دھلے ہیں؟''

''اف خدایا...!'' اماں کو بہت زور کا چکر آیا اور وہ بیڈ کے سرہانے بہت زور سے گری تھیں۔

''اماں! کیا ہوا؟'' وہ جلدی سے اٹھ کر ان پر جھک گئیں، پلٹ کر زبیدہ کو آواز دی اور خود باہر نکل گئیں، اماں نے ایک گھونٹ پانی کا لیا، صبا ان کی شہ رگ پر ہاتھ رکھ کر گزر گئی تھیں وہ دکھ اور ندامت کے سمندر میں اترتی چلی گئیں، وہ پلٹ کر کمرے میں آئیں تھیں، انہوں نے زویا کا نمبر ملایا تھا۔

''اور زویا! کیا چل رہا ہے وہاں سنا ہے ایشل کا کوئی رشتہ آیا ہوا ہے؟'' وہ تجسس بھرے لہجے میں بولی۔

''جی آنٹی! مگر وہ بدنصیب لڑکی مان نہیں رہی''۔ زویا کا دل دکھا دکھا سا لگا۔

''چل رہا ہوگا اس کا کہیں افیئر، نکال اس کو گھر سے، لگا اس پر ایسا بہتان کے بھائی منہ چھپا لے اور ماں برداشت نہ کر سکے تبھی تیری جان چھٹے گی، تم تو آج بیاہ کر آئی ہو اس خاندان میں، میں تو برسوں سے بھگت رہی ہوں اس خاندان کو، تمہیں تو معلوم ہے ناں اس خاندان کی کہانی، یہ اپنوں کو معاف نہیں کرتے ہم تو پھر غیر ہیں''۔ وہ غصے سے بولیں۔

''آنٹی! بڑی مشکل ہو رہی ہے ہمارے ماں باپ کو انہوں نے دھوکا دیا''۔ لہجہ سرد تھا۔

''ہاں یہ تو ہے یہ لوگ دھوکے باز ہیں، میری ضرورت پڑے تو مجھے بتانا میں تمہارے ساتھ ہوں، ابھی رومی اور اماں بڑی کھسر پھسر کر رہی تھیں''۔ وہ آہستہ سے بولیں۔

''ہاں لڑکے والے آسانی سے نہیں مانیں گے وہ لوگ زور ڈال رہے ہیں کہ ایشل کا ہاتھ دیں اور تو اور ارسلان بھی یہی کہہ رہا ہے کہ وہ اس قابل نہیں ہے''۔ وہ بے بسی سے بولی۔

''چلو زویا! اشمل میری طرف آ رہا ہے پھر بعد میں بات کرتے ہیں ویسے کوئی ضرورت ہو تو بتانا میں تمہارے ساتھ ہوں''۔ وہ یہ کہہ کر رخ پھیر گئی تھیں، اشمل ان کے کمرے میں آیا تھا۔

''مام! آپ اتنی ٹینشن میں کیوں گھوم رہی ہیں، جب سے حذیفہ آیا ہے آپ ہر ایک سے کچھ نہ کچھ پوچھتی پھرتی ہیں، اس میں حذیفہ قصوروار نہیں ہے پاپ خود کر رہے ہیں، کوئی ڈکٹیشن نہیں دے رہا، نہ فائزہ آنٹی نہ حذیفہ وہ خود بہت اسمارٹ ہیں''۔ صبا ایزی چیئر پر بیٹھ گئی تھیں۔

''اور تو اور اشمل! تم نے سنا تمہارے پاپ اتنے دنوں سے پاکستان کیوں نہیں آ رہے؟ وہ رومی اور ان کے بیچ جو اسکینڈل بنا تھا پچھلے دنوں وہ اس طرح سے مجھے سزا دے رہے ہیں، حذیفہ کو انہوں نے اپنی ریپلیسمنٹ بنا کر بھیجا ہے، یہ سب کچھ رومی کی وجہ سے ہوا ہے جب سے یہ لڑکی میرے گھر آئی ہے کچھ نہ کچھ میری زندگی میں ہو رہا ہے''۔ چیئر پر ان کا وجود بہت تیز تیز ہل رہا تھا۔

''مام! اس لڑکی کو بیچ میں مت لائیں، اس کا کوئی قصور نہیں ہے ریلیکس مام ریلیکس''۔ وہ ان کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر دبانے لگا، اس کے دونوں ہاتھ تھام کر وہ بری طرح سے سسک پڑی تھیں۔

''مجھ سے یہ سب کچھ نہیں برداشت ہو رہا''۔ آنسو تھے کہ تواتر سے بہنے لگے۔

''نو مام! نو کچھ نہیں ہوگا مام! حذیفہ برا انسان نہیں ہے، جو میں چاہوں گا وہ وہی کرے گا''۔ وہ سنجیدہ تھا۔

''پھر بھی میں نمبر 2 بنا دیا گیا''۔

''تم ڈیز رو کرتے تھے اس کرسی پر میں تمہیں دیکھنا چاہتی تھی''۔ وہ بے حد اداس لگ رہی تھیں۔

''مام! وہ مجھ سے پہلے دنیا میں آیا ہے وہ میرا بڑا بھائی ہے''۔ اس نے ترس بھری نظروں سے ماں کو دیکھا۔

''لیکن میں نہیں مانتی میرے صرف دو بچے ہیں تم اور لائبہ، میں سب کچھ مٹا دوں گی لیکن یہ برداشت نہیں کروں گی کہ ولید حیدر کی جگہ حذیفہ لے، میں برداشت نہیں کروں گی''۔

''مام پلیز! پاپ کو آنے تو دیجیے''۔

''پتہ نہیں وہ کب آئیں گے، آئیں گے بھی یا نہیں، ویسے اشمل! یہ بتا دوں ان کے ہاتھ یہ بہانا آ گیا ہے، کتنی بار میں کال کرتی ہوں مگر وہ کاٹ دیتے ہیں''۔ وہ افسردہ سی بولیں۔

''مام! وہ وہاں بھی بزی ہیں''۔ اس نے سمجھایا۔

''یہ کوئی ہماری لائف ہے کتنی پارٹیاں اٹینڈ کروں، کتنا باہر جاؤں، سب اپنے شوہروں کے ساتھ آتی ہیں، پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا''۔ وہ غصے سے تلملا کر بول رہی تھیں۔

''اور جو بھی پرابلم ہے ناں ارج کا وہ تم سولو کرو گے، اچھا خاصا ہیڈک ہے وہ لڑکی''۔ وہ تلملا کر برسیں۔

''مام! سمجھ میں نہیں آتا کیا چیز ہے وہ لڑکی، وہاں اس کی لائف ڈیفرنٹ تھی خود آپ نے اس کو بلایا ہے''۔ وہ جھنجھلا گیا۔

''میں چاہتی تھی کہ رومی تمہاری زندگی سے نکل جائے اور وہ نکل گئی تھی، لیکن پھر وہ اچانک گھس کر آ گئی اور وہ بین بھائی کا بھی مجھ پر پریشر تھا کہ یا ارج کو بلاؤ یا اشمل کو بھیجو، بتاؤ تم میں کیا کرتی ان حالات میں؟ اور اب اشمل! یہ نیا ڈرامہ جو میرے گھر میں کھیلا جا رہا ہے اور نہ ہی میں تمہیں اس کی اجازت دوں گی، یہ لوکلاس لوگ ہیں جو پہلے سے ہر چیز کو پلان کر کے رکھتے ہیں، تم میرے بیچ میں مت آنا میں یہ ڈرامہ اور مزید نہیں کھیلنے دوں گی''۔ وہ بہت تلملا کر کمرے سے نکل گئی تھیں، اشمل پیچھے پیچھے گیا۔

''مام! کیا کر رہی ہیں؟''

''میں بھول گئی تھی آج شام 5 بجے میٹنگ ہے ویمن ایسوسی ایشن کی، میں وہاں جا رہی ہوں''۔ سامنے سے اشمل کو دیکھ کر ایزل میاؤں میاؤں کرتی ہوئی بھاگی تو صبا نے بہت تیزی سے اپنے سینڈل کی بھاری ٹوک سے ایزل کو ٹھوکر ماری تھی، ایزل پلر سے ٹکرا کر زمین پر چاروں شانے چت گری۔

''مام....!'' وہ بہت زور سے چیخا اور بھاگ کر اس نے ایزل کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اپنے جسم سے لگا لیا تھا۔

''نو مام! یہ مر جائے گی بے چاری''۔ وہ بار بار اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر رہا تھا، صبا نے بہت غور سے ایزل کو دیکھا اور ایک گہرا سانس لیا۔

''ٹھیک ہے ڈرامے کا ڈراپ سین میں کر کے دکھا دوں گی''۔ دوبارہ وہ پلٹ کر آئیں سیل اٹھا کر بیگ میں ڈالا، بالوں میں برش کر کے وہ تیز تیز زینہ اتر گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

صبح گیارہ بج رہے تھے تب ایشل نے رومی سے کانٹیکٹ کیا تھا۔

''رومی! اس کا میسج آیا ہے کہ تم ہاں کر دو، ناں کی صورت میں حالات کی ذمے دار تم خود ہو گی، رومی! کیا کروں، کیا میں پولیس کو انفارم کر دوں یا ارسلان کو بتا دوں، رومی! میں چھ دن سے جاب پر نہیں جا رہی، گھر میں بیٹھی ہوں، زویا کا الگ اپنا مزاج ہے وہی چیخنا ارسلان سے لڑنا ابھی ابھی بکواس کر کے گئی ہے کہ میرا کسی سے افیئر چل رہا ہے اسی لیے انکار کر رہی ہوں''۔

''ایشل! تم کچھ دنوں کے لیے یہاں آ جاؤ، چھوڑ دو گھر''۔ اس نے مشورہ دیا تھا۔

''کیسے رومی! یہ ممکن نہیں ہے، اماں بیمار ہیں''۔ وہ پریشان تھی۔

''پھر ایسی صورت میں تم کیا کر سکتی ہو، تم جاب پر بالکل نہیں جاؤ گی ایشل! دروازہ بھی بند رکھنا، مجھے خود بہت ڈر لگ رہا ہے، میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتی ایشل! حذیفہ بھائی کے آنے کی وجہ سے گھر میں بہت ٹینشن چل رہی ہے، صبا مامی بہت ٹینشن میں پھر رہی ہیں، دادی اور ان کے بیچ بھی کچھ ہوا ہے، دادی روئے جا رہی ہیں''۔ وہ دکھ سے بولی۔

''کل تو مجھے جانا پڑے گا دو چار دن سے میں نہیں جا رہی''۔ ایشل بولی۔

''اور اشمل بھائی اب کیسے ہیں رومی؟'' وہ خیریت معلوم کرنے لگی۔

''وہ تو بالکل ٹھیک ہیں بس کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے، اب وہ رات ارج کے ساتھ روم میں نہیں رہتا، رات اپنے ہی کمرے میں ہی بسر کرتا ہے شاید حذیفہ کا خوف ہے، آئی ڈونٹ نو کیا ہوا ہے یہاں''۔

''اور وہ حذیفہ کیسے ہیں؟''

''میری صرف دو بار ملاقات ہوئی ہے ویسے وہ بہت اچھی نیچر کے انسان ہیں اشمل سے وہ بالکل مختلف ہیں چھوٹی دادی کہہ تو رہی تھیں کہ حذیفہ بھائی تم لوگوں کی طرف کسی دن ملنے آئیں گے''۔ وہ بولی تو ایشل بولی۔

''ابھی تم لوگ حذیفہ کو لے کر مت آنا، یہاں کے حالات ٹھیک نہیں ہیں، آج کل زویا بالکل آؤٹ ہو گئی ہے، ارسلان نے بھی عجیب طریقہ سیکھ لیا ہے، جہاں زویا نے شور مچایا وہاں وہ گھر سے نکل کر چلا جاتا ہے، اماں اور میں رات رات بھر جاگتے ہیں رومی! کیا کروں؟'' وہ رو دی۔

''ہاں یہ تو پرابلم ہے اس کا، لیکن ارسلان کیوں نہیں فیس کرتا زویا کو، آخر یہ کب تک چلے گا اور کہاں سے دے گا وہ اتنے پیسے؟''

''میری تو خود کچھ سمجھ میں نہیں آتا زویا تو ہیڈک بن گئی ہے، اچھا رومی! کل صبح تو مجھے جانا ہی پڑے گا جاب پر بہت لیٹ نائٹ سونا ہوتا ہے اور پھر جلدی اٹھنا، اچھا اللہ حافظ!'' یہ کہہ کر اس نے سیل آف کیا تو دیکھا زویا اس کے سر پر کھڑی تھی۔

''میں نے ساری باتیں تمہاری سن لیں، ہاں میں تمہارا ہیڈک ہوں''۔ وہ غرائی۔

''زویا پلیز! کسی کی باتیں سننا اچھی بات تو نہیں ہے، اپنوں سے دوسروں کی باتیں تو ہوتی رہتی ہیں''۔ ایشل دھڑ سے صوفے پر گری تھی۔

''تم نے یہ رشتہ ٹھکرا کر اچھا نہیں کیا، ارسلان تمہاری وجہ سے گھر سے باہر گیا ہے، میرا نقصان نہیں ہو گا تمہاری ماں مر جائے گی تمہارے گھر سے جانے کے بعد ہر وقت تمہاری ماں روتی رہتی ہے، ہر چیز کی تم خود ذمے دار ہو''۔ زویا غصے

سے وہاں سے چلی گئی تھی، ارسلان ابھی تک گھر نہیں آیا تھا آہستہ آہستہ رات بیت رہی تھی، کھلے ہوئے بڑے سے صحن میں کوئی بلی کودی تو اٹھ کر کہیں زور سے کتا بھونکا تھا، کلثوم نے جلدی سے اٹھ کر کھڑکی کھول کر دور صحن میں دیکھا بہت بڑے سے بوسیدہ گیٹ پر پرندے اتر آئے تھے، صبح کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلنے والی تھی سورج آج دیر سے نکلا تھا، زویا اپنے کمرے میں گہری نیند میں سو رہی تھی، ایشل کمرے میں بیٹھی لیمپ کی روشنی میں پیپر چیک کر رہی تھی، ساتھ ہی جاب پر جانے کی تیاری میں مصروف تھی، زویا جب سو کر اٹھی تو دن کے بارہ بج رہے تھے، بہت تھکی تھکی زویا نے ماسی سے ناشتہ بنوا کر کیا تھا، ماسی برتن سمیٹ کر کچن سمیٹ کر جا چکی تھی، ڈھائی تین کا پہر تھا، دور دور تک سناٹا تھا گھنٹی بجی آج تو کلثوم نے بھی نہیں پوچھا تھا کہ کون؟ زویا اٹھ کر باہر گئی تھی دیکھنے، دو عورتیں ایک چادر اوڑھے اور دوسری نے حجاب لیا تھا، زویا کے پوچھنے پر ہی انہوں نے بتایا کہ بشریٰ نے انہیں بھیجا ہے بشریٰ کا نام سنتے ہی زویا نے کھٹ پورا دروازہ کھول دیا تھا۔

"جی کیا کہہ رہی ہیں بشریٰ آنٹی؟" وہ پوچھنے لگی۔

"ارے اندر تو آنے دو"۔ دونوں اندر بڑھیں۔

"جی جی اندر آجائیں آپ"۔ اس نے راستہ دیا۔

"اب کیا آپ صحن میں بیٹھ کر بات کرو گی؟" وہ مسکرائی۔

"آپ لوگ اندر آجائیں"۔ زویا انہیں عزت سے اندر لے کر گئی تھی، ادھر ادھر دیکھتے دونوں خواتین نے پوچھا تھا۔

"سنا ہے تمہاری ساس اور نند تمہارے ساتھ ٹھیک نہیں ہیں"۔

"جی آنٹی! کیا کریں مجبوری ہے رہنا انہی کے ساتھ ہے"۔ بات ساس نندوں سے نکلتے نکلتے یہاں تک پہنچی۔

"تم پنجتن کو مانتی ہو؟" برقعے میں منہ چھپائے ہوئی عورت نے اپنا چہرہ پورا کھول دیا تھا، زویا نے اثبات میں سر ہلایا، تو دوسری عورت بولی۔

"لاؤ دھاگہ لاؤ، دیکھو تم ان کی کرامات یہ ہماری حسنہ آپا ہیں، ہم تو میلاد پڑھنے کے لیے بشریٰ آنٹی کے گھر آئے تھے تو انہوں نے تمہارا ذکر کیا"۔

"وہ بشریٰ آنٹی جو رشتے کرواتی ہیں ناں؟" زویا بولی۔

"جی، جی وہی بشریٰ آنٹی، یہ دیکھو تمہارے سامنے ہم نے پانچ دھاگے پنجتن کے نام کے کاٹے"۔ اللہ جانے انہوں نے کیا پڑھ کر پھونکا کہ زویا کے دیکھتے دیکھتے دھاگے بڑھتے چلے گئے۔

"ارے حسنہ آپا بہت پہنچی ہوئی ہیں بشریٰ آنٹی سے پوچھ لینا، جس چیز پر یہ دم کردیں وہ چیز بڑھ جاتی ہے اللہ کے حکم سے"۔ اس نے زویا کی آنکھوں کے سامنے دھاگوں کو لہرا کر دکھایا تھا۔

"لاؤ تم کوئی چیز اس پر میں دم کروا دیتی ہوں ان سے"۔ ان میں سے ایک عورت بولی۔

"پتہ نہیں کیوں تم بس ہمارے دل کو بھا گئی ہو، لاؤ دینا یہ انگوٹھی، میں دم کروا دیتی ہوں"۔ زویا نے انگوٹھی اتار کر جونہی دی، عورت نے دم کر کے زویا کے دوپٹے کے آنچل میں گرہ باندھ کر زویا کے ہاتھ میں تھما دی۔

"کھولنا مت سنبھال کر رکھو، 24 گھنٹے کے بعد کھول کر دیکھنا، اللہ کے کرم سے یہ ایک نہیں دو نکلیں گی"۔ زویا نے تذبذب کے عالم میں انگوٹھی تھام لی تو دوسری عورت بولی۔

"بہت پہنچی ہوئی ہیں یہ حج پر جا رہی ہیں جو مراد مانگو وہ پوری ہوتی ہے"۔ بڑے تحمل سے بولی۔

"حج.....؟" زویا نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"کچھ ایسا کردیں کہ میری نند شادی پر راضی ہو جائے، بہت تنگ کرتی ہے، اس کی وجہ سے میرے شوہر اور ساس بھی میرے خلاف ہو سکتے ہیں"۔

"لو یہ کون سی بڑی بات ہے، دم کروالو ان سے، تم جاؤ اپنی جاء نماز لے کر آؤ"۔ زویا بھاگ کر جائے نماز لائی تھی۔

"تمہارے گھر میں جتنا سونا ہے یہ سب پردم کردیں گی، اس کے لیے نیا کپڑا لاؤ"۔ زویا اماں کے گھر سے لایا ہوا سارا زیور اور اپنا زیوز نئے دوپٹے میں لپیٹ کر لائی تھی۔

"یہ لیں"۔ اس نے تھما دیا تھا۔

"کام پورا کر کے جاؤں گی اب آ گئی ہوں تو"۔ لمبے لمبے دھاگوں کو اس نے لہرایا اور پھر بولی۔

"فٹافٹ اپنا ایک پہنا ہوا سوٹ لے کر آؤ"۔ زویا سوٹ لے کر آئی تھی"۔ سونے کو پہلے ہی دوپٹے میں باندھ کر رکھا پھر زویا کے کپڑوں میں لپیٹ کر رکھا۔

"لو یہ انگوٹھی تم واپس پہن لو اور دو یہ کپڑے"۔ اور کپڑے کی پوٹلی اٹھا کر زیور اس میں لپیٹا اور زویا کو اٹھا کر دی کہ جاؤ۔

"یہ آرام سے جاؤ الماری میں رکھ دو، دو گھنٹے کے بعد کھولنا اور اب ہم چلتے ہیں کل پھر آئیں گے تمہارے پاس، مڑ کر نہیں دیکھنا اور ہمیں دیکھتی رہو کل انشاء اللہ اپنی نند کا حال دیکھ لینا، ٹھیک ہے اب ہم چلتے ہیں"۔ یہ کہہ کر وہ دونوں عورتیں باہر نکل گئیں، زویا انہیں دور تک دیکھتی رہی سڑک پار کر گئی جب وہ عورتیں چلی گئیں تو زویا پلٹ کر اندر آئی اور بہت پرسکون سی ہو کر لیٹ گئی تھی، ایشل کے تصور سے ہی کہ وہ مان گئی ہے، اسے اپنا راستہ بالکل صاف نظر آ رہا تھا، دل میں ایک سرور سا چھایا اور وہ آنکھ بند کر کے لیٹ گئی، مسلسل گھڑی پر اس کی نظر تھی دو گھنٹے کے بعد ایک انجانی سی خوشی کا احساس جاگ رہا تھا، خوش فہمیوں کے گلاب بکھر رہے تھے ایشل اس گھر سے جا رہی تھی، تنہا کلثوم اس کے رحم و کرم پر تھیں اور ارسلان بے بس اور مجبور مٹھی میں قید تھا، گھڑی پر نظر جمائے جمائے وہ اٹھ کر الماری کا ہینڈل تھام کر کھڑی تھی، اپنا پہنا ہوا سوٹ جو لپیٹ کر انہوں نے دیا تھا، بڑی بے قراری سے آ کر اس نے کھول دیا، بندھا ہوا دوپٹہ جوں ہی زمین پر گرا اس نے جھپٹ کر اٹھا لیا وہ چیخ مار کر بیڈ پر گر گئی تھی۔

"ہائے ماں! میں لٹ گئی"۔ دوپٹے میں کچھ بھی نہیں تھا۔

"یہ کیا کیا زویا تو نے؟" ماں فون پر چیخ رہی تھی۔

"امی! سارا آپ کا زیور سب چلا گیا انہوں نے پڑھ کر کچھ مجھ پر پھونک دیا تھا"۔ کلثوم اٹھ کر آ گئی تھیں زویا کے رونے پر۔ زویا سب کو بتائے جا رہی تھی، ایشل گھر لوٹ کر آئی تو زویا چیخ رہی تھی۔

"تمہاری نحوست مجھے لے ڈوبی"۔ محلے کے لوگ خود ارسلان ادھر ادھر بھاگ رہے تھے دروازے پر لوگوں کی بھیڑ لگ گئی، زویا سکتے میں بیٹھی تھی، رات بیت رہی تھی زویا کی آنکھوں سے کوئی نیند چرا کر لے گیا، گولڈ کا دکھ اور ملال تو تھا ہی اوپر سے ایشل کا انکار ہر طرف اسے اپنی تباہی اور بربادی نظر آ رہی تھی۔

"سو جاؤ زویا! اب کچھ نہیں ہو سکتا، تمہارا ایمان کمزور تھا اور کچھ نہیں"۔ ارسلان کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

''نہیں.... یہ سب تمہارے گھر کی نحوست ہے یہ ایشل کی نحوست ہے''۔ زویا کے دل میں آبلے پڑ رہے تھے، آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں، دل کی رفتار تھم سی گئی، تب ارسلان بولا تھا۔

''دس از ناٹ فیئر زویا! ایشل کا اس معاملے میں کیا تعلق ہے، مت کرو ایسا''۔

''میں تو کروں گی اسی کے چکر میں تو میں نے ان لوگوں کو اندر بلایا تھا تاکہ اس کو میں شادی کے لیے راضی کرسکوں، تم لوگوں کا بوجھ اتار دوں، لیکن میں تو خود لٹ گئی''۔

''ایشل میری بہن ہے وہ بوجھ نہیں ہے، بوجھ تو میں بنا رہا ہوں عرصے تک اور وہ گھر سنبھالتی رہی ہے، ہوش میں آؤ، راہ چلتی ہوئی عورتوں کو تم گھر پر بلاؤ گی تو یہی انجام ہوگا''۔

زویا مسلسل ٹہل ٹہل کر اپنی ماں سے بات کر رہی تھی۔

''امی! بہت بڑا نقصان ہوا ہے اب کچھ نہیں ہوسکتا ہے''۔

''ہائے زویا! تو نے مجھے مروا دیا کہیں کا نہ چھوڑا، تیری محبت کے چکر میں ہم مارے جا رہے ہیں''۔ زویا روئے جا رہی تھی پھر تڑپ کر بولی۔

''امی! یہ سب ایشل کے چکر میں ہوا، میں ان عورتوں کی باتوں میں آ گئی کہ وہ ایشل کو راضی کرلیں گی''۔ وہ روتے ہوئے بولی۔

''امی! اب میں ان لوگوں کو چین سے نہیں رہنے دوں گی، وہ سیاسی بندہ ہے میں اسے کہہ دوں گی کہ اٹھا لے ایشل کو، بشریٰ آنٹی بتا رہی تھیں کہ وہ کافی عرصے سے ایشل کا پیچھا کر رہا ہے''۔ وہ ہچکیاں لیتے ہوئے تفصیل بتانے لگی۔

''نہ میری بیٹی! نہ گناہ نہ کما، دیکھ زویا! اتنا بڑا نقصان ہوگیا ہے اللہ سے ڈر''۔ زویا کی ماں ڈر کر بولیں۔

''امی! بس آگ لگ رہی ہے، سب اس کی نحوست ہے میں اس کو دیکھتی ہوں تو آگ لگتی ہے بس جو کرنا ہے میں کرلوں گی اپنے ابو کے پیسے تو میں نکلوا کر رہوں گی، مجھے صرف اور صرف ارسلان سے مطلب ہے اور کچھ نہیں''۔ زویا بے حد تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی، گھر اڑوس پڑوس سب کو اطلاع ہوگئی تھی کہ زویا کو کوئی لوٹ کر لے گیا ہے۔

''دیکھو بیٹا! غلطی تمہاری ہے تم نے اجنبی عورتوں کو گھر کے اندر کیوں بلایا، کوئی یہ نئی بات نہیں ہے یہ تو شروع سے کہانی چلی آ رہی ہے''۔ کلثوم بہت اداس لہجے میں زویا سے مخاطب ہوئیں تو محلے کی کوئی خاتون جلدی سے بولیں۔

''ارے ہم نے بھی تو 9 میٹرک میں ڈپٹی نذیر کا سبق پڑھا تھا کیا نام تھا؟''

''اصغری اور اکبری''۔ ناہید جلدی سے بول پڑی تو سب نے کہا۔

''ہاں ہاں!'' تو کہانی یہیں پر ختم نہیں ہوگئی تھی، زویا کے دل میں ایک آندھی سی مچل رہی تھی سب کچھ جل رہا تھا، اک آگ سی لگی تھی جس میں وہ جتنا صبر کرتی شعلے بھڑک رہے تھے اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایشل کے ٹکڑے ٹکڑے کردے، بہت نقصان ہوا تھا اماں کی سونے کی چوڑیاں زویا کے اپنے زیورات سب کچھ اس دور کی اکبری اصغری لوٹ کر لے گئی تھیں، کہانی وہی تھی دور الگ تھا، ارسلان گھر آ گیا تھا اس نے بڑی سرد مہری سے زویا پر نظر ڈالی اور کچھ نہ بول سکا۔

☆.....☆.....☆

(جاری ہے.....)

رخشی حسین

مکمل ناول

تو ہمنوا میرا

''امی! ماموں جان آ گئے''۔ پنکی اور بوبی ساون کے دونوں بازوؤں میں چمٹے گھر میں داخل ہوتے ہوئے چلاّنے لگے، سیڑھیوں سے بنی سنوری عائشہ بیگم خوشی سے تیز تیز اترتی ہوئی لاؤنج میں آئیں اور اپنے چھوٹے بھائی کو دیکھ کر خوشی

سے ساون سے لپٹ کر رو پڑیں۔

''ارے یہ کیا... شاید آپ کو میرے آنے کی خوشی نہیں ہے''۔ ساون نے منہ بنا کر کہا تو وہ بولیں۔

''پاگل... یہ تو خوشی کے آنسو ہیں اور یہ تم دونوں کیا اس سے چپکے ہی رہو گے، چلو ہٹو ماموں کو بیٹھنے دو، اتنا لمبا سفر طے کر کے آیا ہے''۔ پنکی اور بوبی نے ساون کی جان چھوڑی اور اس نے لاؤنج میں پڑے نرم و ملائم صوفے پر بیٹھ کر سکون کا گہرا سانس لیا۔

''نازی! جلدی سے ٹھنڈا شیک لے کر آؤ''۔ عائشہ بیگم نے وہیں بیٹھ کر آواز لگائی اور پھر کچھ دیر خیر خیریت کے بعد ساون اپنے روم میں چلا گیا، عائشہ بیگم اپنی نوکرانی کے ساتھ مل کر شام کے کھانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئیں اور پنکی اور بوبی تو بس ساون کے ساتھ ساتھ ہی تھے، ساون عائشہ کا چھوٹا بھائی تھا، جو بیرون ملک مقیم تھا، عائشہ کے بے حد اصرار پر وہ کچھ عرصے کے لیے پاکستان آیا تھا، عائشہ کے شوہر عدنان اکثر بزنس کے سلسلے میں آؤٹ آف کنٹری ہوتے تھے، عدنان کا

کافی وسیع ترین بزنس تھا، جس میں ان کے بھائی مہران کا بھی حصہ تھا، مگر ان کے بھائی اور بھابی ایک خودکش دھماکے میں انتقال کر چکے تھے اور ان کی ایک بیٹی بوند جس کا مزاج ماں باپ کے انتقال کے بعد کچھ روکھا پھیکا سا ہو گیا تھا، اسے عدنان اپنے گھر لے آئے تھے، مگر عائشہ کو بوند کا یہاں مستقل رہنا پسند نہیں تھا، وہ بوند کے لیے کئی رشتے بھی دیکھ چکی تھیں، مگر بوند ہر رشتے میں کچھ نہ کچھ خرابی بیان کر کے اسے ٹال دیتی تھی اور یہ بات عائشہ کو بے حد ناگوار گزرتی، مگر عدنان صاحب بوند کی خوشی میں خوش تھے، اس لیے کہ وہ انہیں بہت پیاری تھی، حالانکہ وہ بھی بوند کے لیے بے حد فکر مند تھے کہ اس کی عمر بڑھتی جا رہی تھی، مگر وہ اس پر اپنی مرضی مسلط نہیں کرنا چاہتے تھے، بوند نے آج کل اپنا سیلون کھول رکھا تھا تاکہ وہ خود کو مصروف رکھ سکے اور اپنی چاچی کی باتیں سننے سے بھی بچ سکے۔

☆.....☆.....☆

رات کھانے پر عائشہ نے ڈھیر سارے کھانے بنوائے تھے، سب کھانے کو خوب انجوائے کر رہے تھے۔

"آپی! عدنان بھائی کب تک واپس آئیں گے"۔ ساون نے پوچھا تو وہ بولی۔

"یہی کوئی ہفتہ یا 15 دن میں ان کا تو کام ہی ایسا ہے، تمہیں تو معلوم ہے جب سے مہران بھائی کا انتقال ہوا ہے، تب سے عدنان بہت بزی رہتے ہیں، ساری ذمے داری ان ہی کے کاندھوں پر آ پڑی ہے"۔ عائشہ بچوں کو اور ساون کو کھانا سرو کرتے ہوئے بولی تھیں۔

"اور وہ کہاں ہے ان کی بیٹی؟" ساون نے ادھر ادھر نگاہ ڈالی۔

"اس نے اپنا سیلون کھول رکھا ہے، 10 بجے سے پہلے نہیں آتی وہ"۔ عائشہ نے ناک منہ بنا کر کہا تھا۔

"اس کی شادی وادی کریں، وہ تو کافی بڑی ہے"۔

"ارے ماموں! وہ شادی نہیں کریں گی"۔ بوبی نے پٹ سے کہا۔

"ارے رہنے دو، سب لڑکیاں شادی سے پہلے ایسے ہی کہتی ہیں"۔ عائشہ نے طنزیہ ہنس کر کہا۔

"ویسے آپی! کھانا بڑے مزے کا ہے، قسم سے جواب نہیں آپ کا"۔ ساون بریانی کھا کر انگلیاں چاٹنے لگا۔

"ماموں! امی نے یہ سب آپ کے لیے ہی بنوایا ہے، پلیز تکلف بالکل مت کریں"۔ پنکی نے کباب کی ٹرے ساون کے آگے رکھ دی اور وہ بھی کھائے بنا رہ نہ سکا، ابھی ڈنر چل ہی رہا تھا کہ بوند گھر میں داخل ہوئی اور خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے بوند! نہ سلام نہ دعا، کوئی مہمان آیا ہوا ہے گھر میں، کچھ ادب و آداب ہوتے ہیں"۔ عائشہ نے فوراً ہی اس کی خبر لے لی۔

"السلام علیکم!" بوند نے ساون کو سلام کیا اور اپنے کمرے میں گھس گئی۔

"وعلیکم السلام!" ساون نے کچھ دیر غور و فکر کے بعد جواب دیا۔

"یہ تو حال ہے اس لڑکی کا جہاں جائے گی بے عزتی ہی کروائے گی"۔ عائشہ چمچ بھر بھر کے کھیر کھائے جا رہی تھیں اور بڑبڑا بھی رہی تھیں۔

"ارے آپی! جانے دیں.... ہوتا ہے، آپ بس کھانے پر توجہ دیں"۔ ساون نے ہنس کر کہا۔

"کیا کہہ رہے ہیں ماموں! امی کی زیادہ توجہ امی کا پیٹ بھی خراب کر سکتی ہے"۔ بوبی نے کہا تو سب زور سے ہنس پڑے۔

"جاؤ پنکی! بوند کو بھی بلا لاؤ"۔ عائشہ نے کہا اور خود اٹھ کر چلی گئیں کچھ ہی دیر بعد بوند بھی ڈنر کے لیے آ گئی، رات کے اس پہر میں آف وائٹ کلر کی لانگ شرٹ جس پر فان کلر کی کچھ ایمبرائیڈری ہوئی تھی، اس کے گندمی رنگ پر نکھر رہی تھی، بالوں میں ہاف کیچر لگائے وہ کھانے کے لیے آ بیٹھی، ساون کی نگاہیں تو بوند سے ہٹ ہی نہیں پا رہی تھیں، ساون نے اسے پہلی بار ہی دیکھا تھا اس سے پہلے صرف سنا ہی تھا، وہ بھی عائشہ کی زبانی کڑوی کڑوی باتیں لیکن جب روبرو دیکھا تو جیسے وہ آنکھوں سے اس کے دل کے دروازے پر دستک دینے لگی، وہ کھانا کھا رہی تھی اور ساون بلاوجہ کھانے کی ٹیبل پر براجمان تھا۔

"ماموں! آپ گرین ٹی لیں گے؟" پنکی نے پوچھا۔

"آ.... ہاں ضرور!" ساون خیال سے نکل کر بولا اور اٹھ کر سامنے ہی لاؤنج کے صوفے پر جا بیٹھا، جہاں بوبی ٹی وی آن کیے بیٹھا تھا۔

"بوند آپی! آپ لیں گی گرین ٹی؟" پنکی ساون کو سرو کرتے ہوئے بولی۔

"نہیں"۔ بوند نے اتنا ہی کہا اور خاموشی سے کھانا کھاتی رہی اور ساون اسے بیٹھا گھورتا رہا۔

☆.....☆.....☆

صبح وہ اپنے کمرے میں سو رہی تھی کہ قوالیاں تیز آواز میں چلنے کی آواز آئی اور وہ آنکھیں مل کر ٹائم دیکھنے لگی، تو 8 بجے تھے قوالیاں اتنی تیز آواز سے چل رہی تھیں کہ گویا گھر ہل رہا ہو، بوند کانوں پر تکیہ رکھے سونے کی ناکام کوششیں کرتی رہی، مگر اسے اٹھ کر کمرے سے باہر آنا ہی پڑا، غصے میں اپنے کمرے سے نکلی تو سامنے عائشہ اخبار پڑھ رہی تھیں۔

"چاچی! یہ اتنی تیز آواز میں کون قوالیاں سن رہا ہے؟" بوند نے عائشہ کو مخاطب کیا۔

"ساون کی عادت ہے وہ صبح صبح اٹھ کر قوالیاں سنتا ہے"۔ عائشہ نے نگاہیں اخبار پر ہی رکھ کر کہا۔

"تو ہلکی آواز میں بھی سن سکتے ہیں"۔ بوند نے سیڑھیوں کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

"اچھی بات ہے، صبح صبح قوالیاں چلانے سے گھر میں برکت ہوتی ہے"۔ عائشہ نے کہا۔

"لیکن....!" بوند نے کہا تو عائشہ نے اسے گھورا۔

"دیکھو بوند! میرا بھائی بہت سالوں بعد آیا ہے اور وہ جب بھی آتا ہے ایسے ہی رہتا ہے، تم تو ابھی کچھ عرصہ پہلے آئی ہو اور چاہتی ہو کہ سب تمہارے مطابق ہو تو ایسا ہو نہیں سکتا"۔ عائشہ نے کہا اور چشمہ اتار کر ٹیبل پر رکھ کر چل دیں، بوند اپنا لٹکا ہوا اور غصے میں بپھرا ہوا منہ لے کر کمرے میں آ گئی۔

دن میں عائشہ اور ساون بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

"اب کس سوچ میں پڑ گئیں آپ؟" ساون نے عائشہ کو خاموش دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں وہ میں نے تمہیں بتایا تھا ناں کہ پنکی کے لیے ایک رشتہ آیا ہے"۔

"ہاں!" ساون نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"بس وہی لڑکے کی والدہ کا فون آیا تھا کہ وہ لوگ باقاعدہ رسم کرنے آنا چاہ رہے ہیں"۔ عائشہ نے ماتھے پر بل ڈالے

کہا تھا۔

''یہ تو اچھی بات ہے''۔ساون مسکرایا۔

''ہاں! مگر ابھی تو میں نے انہیں یہی کہا ہے کہ عدنان آ جائیں پھر ہی کچھ کریں گے''۔

''تو پھر منہ لٹکانے کی کیا بات ہے؟'' ساون نے پوچھا۔

''ارے میں اس بوند کی وجہ سے پریشان ہوں ہر کوئی پوچھتا ہے، کیا بات ہے بوند کی شادی نہیں کرنی ہے کیا، اب کیا جواب دوں میں لوگوں کو اور وہ ہے کہ اس کا پارہ ہی نیچے نہیں آتا''۔ عائشہ نے اپنی پریشانی ساون کے سامنے کھول کے رکھ دی۔

''آپ پریشان مت ہوں، سب ہو جائے گا''۔

''ارے کیسے پریشان نہ ہوں، لوگ کیا کیا بکتے رہتے ہیں اور عدنان سے کچھ کہو تو وہ کہتے ہیں بچی ہے، لو بتاؤ! 30 سال کی لڑکی بچی ہے؟ مریم بھابی جتنی نیک اور شریف تھیں ناں، یہ اتنی ہی بدتمیز اور سر پھری ہے''۔ عائشہ کی باتیں سن کر ساون سر پکڑ کے بیٹھ گیا۔

''لو اب تمہیں کیا ہوا، سر کیوں پکڑ کے بیٹھ گئے؟''

''باتیں سن رہا ہوں آپ کی''۔

''کہاں تک سنو گے کہاں تک سناؤں؟'' عائشہ نے کہا تو وہ زور سے ہنس پڑا۔

''چلو اٹھو! کھانا کھاتے ہیں، یہ بوبی اور پنکی کہاں ہیں؟''

''پیزا ہٹ تک گئے ہیں، آتے ہوں گے''۔ ساون نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کیا۔

''تم لوگ بس باہر کے کھانوں کے شیدائی ہو چکے ہو''۔ عائشہ بڑبڑا کر کچن کی طرف چل دیں۔

☆.....☆.....☆

رات کو بوند کافی لیٹ آئی تھی، کچھ برائیڈ وغیرہ تھیں، اس لیے سیلون تو وہ اپنی نگرانی میں لاک کروا کے آتی تھی، فریش ہو کر کچن میں آئی کافی بنا کر لاؤنج میں ٹی وی کے آگے بیٹھے کافی پینے لگی، ساون تربوز اٹھائے وہیں آ گیا اور تربوز کی قاشیں سٹرپ سٹرپ کر کے کھانے لگا، وہ بار بار غصے میں گہرے سانس لیتی اور باہر نکال دیتی، مگر ساون تو گویا پورے تربوز کو کھانے کا پلان بنا کر محو تھا، ایک پل کو بوند سے برداشت نہ ہوا۔

''یہ کوئی تربوز کھانے کا وقت ہے؟'' وہ غصے میں بولی، مگر اس نے سنی ان سنی کر دی اور لگا رہا۔

''میں کچھ پوچھ رہی ہوں آپ سے؟'' بوند پھر سے بولی۔

''مجھے کھاتے وقت سنائی نہیں دیتا''۔ ساون نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔

''دکھائی تو دیتا ہوگا، یاد دکھائی بھی نہیں دیتا؟'' وہ برہم ہو گئی۔

''جی کچھ کہا آپ نے؟'' و۔انجان بنا کھاتا رہا اور سٹرپ سٹرپ کی آوازوں سے تنگ آ کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''عجیب مخلوق ہے صبح صبح تو الیاں چلا دیں اور چاچی کہہ رہی ہیں برکت ہوتی ہے، اتنا ہی برکت کا شوق ہے تو فجر میں اٹھ کر نماز پڑھیں، ابھی بیٹھ کر تربوز کھا رہا ہے ایڈیٹ آدمی!'' وہ خود سے کہہ کر لائٹ آف کر کے لیٹ گئی، شاید کچھ ہی دیر

میں اس کی آنکھ لگ گئی تھی کہ دروازے پر زور کی دستک سے ہڑبڑا کر اٹھی، دروازہ مسلسل بج رہا تھا، دوپٹہ کاندھے پر ڈال کر دروازہ کھولا تو موصوف ٹشو سے منہ صاف کرتے کھڑے ہوئے تھے۔

''ہاں تو کیا فرما رہی تھیں آپ؟'' ساون کی بات سن کر تو جیسے دل چاہا کہ وہ ساون کا منہ نوچ لے، مگر غصے کا اظہار دروازے کو زور سے بند کر کے کر دیا اور ساون لاعلمی میں کندھے اچکا کر چل پڑا۔ بوند بیڈ پر لیٹ کر لیمپ آن آف کرتے کرتے نجانے کب سو گئی، صبح پھر وہی قوالیاں اس کے کانوں کے پردے پھاڑنے لگیں، مگر وہ صبر کرتے ہوئے تکیہ کانوں پر رکھ کر سو گئی، سب ناشتے پر اکٹھا ہوئے تو ساون دل ہی دل میں اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

''ساون! ٹھیک سے ناشتہ کرو''۔ عائشہ نے فریش جوس اس کی طرف بڑھایا۔

''ہاں آپی! لے رہا ہوں''۔

''ماموں! پھر آج چل رہے ہیں ناں؟'' بوبی نے پوچھا۔

''ہاں، ہاں چلیں گے''۔ ساون نے جواب دیا۔

''میں بھی چلوں گی، کہاں جا رہے ہیں آپ لوگ؟'' پنکی نے فوراً سے کہا تھا، تبھی عائشہ نے پوچھ لیا۔

''کہاں کی تیاری ہے بھئی؟''

''ارے امی! ایسے ہی گھومنے پھرنے''۔ بوبی نے کہا۔

''اور کالج کب سے جاؤ گے تم؟'' عائشہ نے ڈانٹ کر کہا۔

''امی! ابھی تو ماموں کے ساتھ ہوں، اگر کالج چلا جاؤں گا تو ماموں کو کمپنی کون دے گا؟'' بوبی نے بہانہ بنایا تھا۔

''جب ماموں نہیں آئے تھے تو تب کون ساتم جاتے تھے؟'' پنکی نے بھی خبر لے لی۔

''وہ تو...!''

''کیا وہ تو؟ پھنس گئے ناں؟'' عائشہ نے کہا تو بوبی کن انکھیوں سے دیکھ کر مسکرا دیا۔

''بوند آپی! آپ بھی چلیں ناں ہمارے ساتھ؟'' پنکی نے بوند سے پوچھا۔

''نہیں، آپ لوگ جاؤ، مجھے کام ہے''۔ بوند نے مسکرا کر ٹال دیا اور اٹھ کر اپنے روم میں چلی گئی، سیلون جانے کی تیاری کرنے لگی، ادھر عائشہ منہ بنائے بیٹھ گئیں۔

''کیا ضرورت ہے اس سے پوچھنے کی، تم لوگوں کو جانا ہے تو جاؤ''۔

''امی! اچھا نہیں لگتا، اخلاقیات بھی کوئی چیز ہے''۔ پنکی نے چائے کا سپ لے کر کہا۔

''تو کون سا وہ چل پڑی تمہارے ساتھ؟'' عائشہ نے تپ کر کہا۔

''ان کی مرضی ہے، ہم نے اپنا فرض پورا کر دیا''۔ پنکی نے ہنس کر کہا تو وہ چپ ہو گئیں۔

☆.....☆.....☆

روزانہ کی یہی روٹین تھی، سویرے قوالیاں اور رات کو تیز آواز میں میوزک یا پھر فلمیں دیکھنا، سب کے بیڈ رومز اوپر والے پورشن میں تھے، بوند کا بیڈ روم نیچے ہی تھا، جہاں کچن، لاؤنج اور ڈرائنگ روم تھا، اس لیے ہر چیز کی آواز سب سے پہلے اس کے ہی روم میں آتی تھی، ساون روزانہ رات کو تیز آواز میں فلمیں لگا کر بیٹھ جاتا اور وہ اپنے کمرے میں کڑھتی رہتی تھی،

اور وہ جان کر یہ سب کرتا تھا کیوں کہ یہ سب عائشہ بیگم کروا رہی تھیں، تاکہ بوند یہاں سے تنگ آ کر شادی کے لیے تیار ہو جائے اور وہ پھر پنکی کی شادی کا بھی بندوبست کریں، سو ساون اپنی آپی کے حکم پر اسے پریشان کرنے پر لگا ہوا تھا، حالانکہ دل ہرگز یہ کرنے کو تیار نہیں تھا، مگر اسے تو عائشہ نے بلایا ہی اسی لیے تھا، کیونکہ عدنان تو کسی طرح بوند کی شادی کر ہی نہیں رہے تھے، اس لیے ان کو ہی یہ مہم چلانا پڑی، بوند اپنے کمرے میں بیٹھی ڈائری لکھ رہی تھی تاکہ اس شور سے بچ کر ذہن غصے سے بچ جائے، اسے اپنی ڈیلی ڈائری لکھنے کی عادت تھی۔

"یا اللہ.....! اس وقت رات کے 2 بج رہے ہیں، سب گھر والے تقریباً سو چکے ہیں، مگر یہ مہمان نما شیطان.....نجانے مجھ سے کس بات کا بدلہ لے رہا ہے، شاید یہ یہاں مجھے تنگ کرنے کا پلان بنا کر آیا ہے، مگر انسانیت نہ سہی تو خوف خدا تو ہوگا اس میں، یہ کیوں مجھے ہر پل پریشان کر رہا ہے، کاش! میں بھی اپنے ماں باپ کے ساتھ مر گئی ہوتی، تو آج یہ ذلت کی زندگی میرا مقدر نہیں ہوتی"۔ اتنے میں ٹی وی آف ہو گیا اور بوند نے سکون کا اظہار کر کے ڈائری تکیے کے نیچے رکھ کر لیمپ آف کر دیا۔

صبح دیر سے اٹھ کر ناشتے کے بعد وہ سیلون کے لیے نکل رہی تھی کہ پارکنگ میں کھڑی اس کی کلاس کا ٹائر پنکچر تھا، اس نے چوکیدار کو آواز لگائی۔

"گل خان! میرے لیے آٹو لے آؤ"۔ چوکیدار نے اثبات میں گردن ہلائی اور چلا گیا، وہ اندر آئی اور چابی اپنے کمرے میں رکھ کر چلی گئی، اوپر ٹیرس سے ساون نے اسے آٹو میں جاتا دیکھ لیا اور اس کی یہ پلاننگ بھی کامیاب رہی، بوند کے نکلتے ہی اس نے گاڑی کا ٹائر پنچ کیا اور بوند کے روم سے چابی اٹھائی اور نکل پڑا، سارا دن اس کی گاڑی میں گھومتا رہا اور دل ہی دل میں اسے اپنے ساتھ تصور کرنے لگا، مگر عائشہ بیگم کی باتیں یاد آتے ہی وہ ایک دم بوند کو دل و دماغ سے نکال دیتا اور صرف اپنے مشن کی طرف متوجہ رہتا، بوند شام مغرب کے بعد ہی آئی، آٹو والے کو فارغ کر کے گیٹ میں داخل ہوئی پارکنگ پر نگاہ پڑی تو اپنی گاڑی دکھائی نہ دی۔

"گل خان! میری گاڑی کہاں ہے؟" بوند نے حیران ہو کر چوکیدار سے پوچھا۔

"بوند بی بی! وہ ساون صاحب لے کر گئے ہیں"۔ چوکیدار نے کہا۔

"کیا.....لیکن صبح تو گاڑی پنکچر تھی؟" بوند نے برہمی کا اظہار کیا۔

"بی بی! وہ ہم کو نہیں معلوم، بس اتنا دیکھا تھا کہ ساون صاحب اسٹارٹ کر رہے تھے، پھر وہ چلے گئے"۔ چوکیدار نے اپنی گواہی دی اور بوند غصے میں اندر چلی گئی، اپنے کمرے میں تیز تیز چہل قدمی کرنے لگی کہ اپنی گاڑی کا ہارن سنائی دیا، تو وہ بھاگ کر گیٹ پر آ گئی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" بوند نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔

"میں نے کیا کیا ہے؟" ساون نے گاڑی میں بیٹھے ہوئے کہا۔

"آپ کی ہمت کیسے ہوئی میری گاڑی استعمال کرنے کی؟" بوند نے غصے میں بپھر کر کہا۔

"مجھے جانا تھا کہیں اور دوسری گاڑی میں عائشہ آپی لوگ دعوت میں گئے ہوئے ہیں"۔ ساون نے ڈرڈر کر گاڑی سے نکلتے ہوئے کہا۔

"یہ میرا پرابلم نہیں ہے، اپنی بہن سے کہیں اور آئندہ اگر میری گاڑی کو ہاتھ بھی لگایا تو اچھا نہیں ہوگا، حد ہوتی ہے کوئی"۔ بوند اس کے ہاتھ سے چابی چھین کر لے گئی اور وہ اس کے ہاتھوں کا لمس محسوس کرتے ہوئے مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔

عائشہ نے خبر ہوتے ہی بوند پر چلانا شروع کر دیا۔

"عجیب ہے یہ لڑکی.....لو بتاؤ! اگر مہمان نے گاڑی استعمال کر بھی لی تو کون سی قیامت آ گئی؟" وہ لاؤنج میں بیٹھے ساون، پنکی اور بوبی کو سنا رہی تھیں، جس کی آواز بوند کے کانوں تک با آسانی جا رہی تھی۔

"ایک تو یہ عدنان بھی جا کر بیٹھ ہی گئے ہیں، جلدی سے آ جائیں، کرواتی ہوں اس کی شادی"۔ عائشہ کی باتیں سن کر دل بہت رو رہا تھا، مگر یہ تو روز کا ہی معمول تھا بوند کو بھی آہستہ آہستہ عادت ہوتی جا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

عائشہ کی جلی کٹی باتیں اور ساون کی شرارتوں سے وہ بہت تنگ آ چکی تھی، مگر کہاں جاتی اس شہر میں اس کا کوئی نہ تھا اور پھر عدنان چاچو بھی تو اتنے اتنے دن گھر سے باہر رہتے تھے، بوند سوچ میں گم گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی، وہ مارکیٹ کے لیے جا رہی تھی اسے اپنے سیلون کے لیے کچھ سامان پرچیز کرنا تھا، ادھر گھر پر ساون نے موقع پایا تو بوند کے روم میں گھس گیا، اس کے روم میں فرسٹ ٹائم آیا تھا، اسے تو بوند کے کمرے کی ہر اک شے بھا رہی تھی، دیوار پر لگی بوند کی بڑی بڑی پکچرز کو ہاتھ پھیر پھیر کے دیکھ رہا تھا۔

"کتنی گہری ہیں تمہاری آنکھیں، دل کرتا ہے کہ ڈوب جاؤں، مگر تم کبھی ہم پر نگاہ ہی نہیں ڈالتی ہو"۔ ساون تصویر سے آنکھیں ملائے بات کر رہا تھا، پھر اس کے ڈریسنگ کے پاس آ کر اس کے پرفیومز چیک کرنے لگا اور آ کر اس کے بیڈ پر لیٹ گیا، تکیے کے نیچے سے بوند کی ڈائری جھانک رہی تھی، ساون نے اٹھا کر پڑھنا شروع کر دی۔

"آج اس شیطان نما انسان نے میری گاڑی کی ریڑھ لگا دی اور چاچی مجھے ہی باتیں سنا رہی ہیں"۔ ساون نے صفحہ پیچھے کی طرف پلٹا۔

"پاپا.....! کاش آپ اور ماما ہوتے، کم از کم مجھے اس جہنم میں تو نہیں رہنا پڑتا، یہاں تو میں بس ایک کمرے تک محدود ہوں، مجھے یہ میرے اپنے نہیں لگتے، بس ایک چاچو ہیں وہ بھی کئی کئی دنوں میں آتے ہیں اور میں صرف چاچو کی وجہ سے ہی یہاں رہ رہی ہوں"۔ وہ صفحے پلٹتا رہا اور بوند کی درج کی ہوئی ایک ایک بات غور سے پڑھتا رہا، اس کی ہر ایک بات ساون کے دل میں اترتی رہی، وہ اس کی پوری ڈائری پڑھ چکا تھا اور ڈائری سینے پر رکھے اس کی آنکھ لگ گئی، تھوڑی دیر بعد وہ ہڑبڑا کر اٹھا اور واش روم میں گھس گیا، اتنے میں بوند اپنے روم میں داخل ہوئی، آ کر اپنی الماری کھولی اور روپے گننے لگی، مارکیٹ میں سامان بک کروا کر آئی تھی اور رقم کم پڑ گئی تھی، اس لیے اسے گھر آنا پڑا، وہ روپے پرس میں ڈال کر نکلنے لگی کہ اسے واش روم سے شاور کی آواز آنے لگی، وہ سمجھی اس نے جاتے وقت ٹھیک بند نہیں کیا ہوگا، اس لیے واش روم کا گیٹ کھولنے لگی، اس کے کھولنے سے پہلے ہی ساون بال صاف کرتا ہوا بڑے اطمینان سے باہر نکلا۔

"تم...کیا کر رہے تھے میرے واش روم میں؟" وہ آگ بگولہ ہو گئی۔

"وہ...وہ....وہ میں تو.....!" ساون اچانک اسے دیکھ کر بوکھلا گیا۔

"کیا کر رہے تھے تم یہاں، بدتمیز انسان!" بوند غصے میں بولی۔

''میرے واش روم کا شاور خراب ہوگیا تھا اس لیے یہاں آ کر نہالیا''۔ ساون نے اٹک اٹک کر کہا۔

''تمہیں شرم نہیں آئی لیڈیز کے واش روم میں جاتے ہوئے؟'' بوند کی غصے میں لال آنکھیں بھی غضب ڈھا رہی تھیں۔

''کیوں... کیا مرد، عورت کے واش روم میں نہیں جا سکتا؟'' ساون نے ہچکچا کر پوچھا۔

''جی نہیں!'' بوند نے اٹل ہو کر کہا۔

''شادی کے بعد بھی.... میرا مطلب ہے کہ آپ اپنے ہسبینڈ کو بھی اپنے واش روم میں نہیں جانے دیں گی؟''

''شٹ اپ، اینڈ گیٹ آؤٹ''۔ بوند نے دانت پیس کر گیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''اگر نہ جاؤں تو؟'' وہ مسکرا کر بولا تو بوند نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتے ہوئے گیٹ سے باہر دھکا دے دیا، سامنے کچن سے عائشہ نے دیکھا تو وہ بھاگ کر آگے آئیں اور بوند کے گال پر زوردار تھپڑ بنا کچھ جانے جڑ دیا اور بوند کے آنسو ٹپ ٹپ گرنا شروع ہو گئے۔

''آپی! یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟'' ساون نے عائشہ کا دوسرا تھپڑ ہاتھ پکڑ کر روک دیا۔

''وہ تمہیں دھکے دے کر نکال رہی ہے، وہ بھی میرے سامنے، ہاتھ توڑ دوں گی میں اس کے''۔ عائشہ نے غرا کر کہا۔

''آپ اور کر بھی کیا سکتی ہیں؟''

''کیا ہوا امی؟'' پنکی بھاگ کر ادھر آ گئی۔

''دیکھو اس کی بدزبانیاں ایک تو بدتمیزی پھر زبان درازی''۔ عائشہ نے بپھر کر کہا۔

''آپی پلیز! غلطی میری تھی، میں بوند کے واش روم میں نہانے چلا گیا تھا''۔ ساون نے بتایا۔

''ہاں تو کیا ہو گیا، یہ خرید کے تو نہیں لائی ہے واش روم؟'' عائشہ نے بوند کو گھور کے کہا۔

''امی! آپ ادھر آئیں، زیادہ غصہ نہ کریں، آپ کا بی پی ہائی ہو جائے گا''۔ پنکی عائشہ کو لے کر لاؤنج میں آ گئی اور بوبی نے پانی کا گلاس لا کر ماں کو تھما دیا، بوند نے کمرے کا دروازہ زور سے بند کر دیا۔

''دیکھو، دیکھو اس کی حرکتیں دیکھو، یہ تو کچھ زیادہ ہی سر چڑھ گئی ہے''۔ عائشہ رک ہی نہیں رہی تھیں۔

''پلیز آپی! میں نے کہا ناں غلطی میری تھی، تو پھر آپ اس بے چاری کو کیوں کوس رہی ہیں؟'' ساون نے پھر سے سمجھانے کی کوششیں کیں۔

''جب تمہیں معلوم ہے کہ وہ لڑکی ایب نارمل ہے تو کیا ضرورت ہے، اس کے واش روم میں جانے کی، ابھی دو دن پہلے گاڑی پر اوقات دکھائی تھی اس نے، تمہیں سمجھ جانا چاہیے تھا''۔ عائشہ نے اس سے کہا۔

''بس غلطی ہو گئی آپی!'' ساون شرمندہ ہو رہا تھا۔

''شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ تمہاری بہن کا گھر ہے، تم جیسے چاہے رہو''۔ عائشہ کہہ کر پانی پینے لگیں اور ساون اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا اور بوند کے بارے میں سوچ سوچ کر شرمندہ ہوتا رہا۔

بوند نے نہ دوپہر کو کچھ کھایا نہ شام کو چائے اور نہ ہی رات کو کھانا، بلکہ کمرے کا دروازہ ہی نہیں کھولا، ساون اس کے لیے بے حد پریشان تھا، رات کو سب سو چکے تھے، وہ خاموشی سے نیچے آیا، بوند کے کمرے کا دروازہ بجایا اور ایک پرچی نیچے سے

ڈال دی، جس پر لکھا تھا۔

''پلیز! میں تم سے بے حد شرمندہ ہوں، مجھے معاف کر دو، اور پلیز ایک منٹ کے لیے دروازہ کھول دو، تمہیں خدا کا واسطہ''۔ پرچی ڈالنے کے بعد بھی کافی بجایا، بوند نے پرچی پڑھ لی، مگر گیٹ نہیں کھولا، وہ لاؤنج میں بیٹھا انتظار کرنے لگا، مگر بوند نے گیٹ نہیں کھولا اور وہ وہیں سو گیا، صبح جب آنکھ کھلی تو اٹھ کر اپنے روم میں چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

ناشتے پر سب ناشتہ کر رہے تھے، مگر ساون کی نظریں بار بار بوند کے کمرے کے بند دروازے پر جا رہی تھیں۔

''کیا بات ہے ساون! تم ناشتہ کیوں نہیں کر رہے؟'' عائشہ نے اس کا رُکا ہوا ہاتھ دیکھ کر پوچھا۔

''کچھ نہیں آپی! ایسے ہی سر میں درد ہے''۔ ساون نے ہنس کر کہا۔

''کوئی ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے، وہ اپنے نخرے دکھانے کہیں جا کے، میں اس کے نخرے اٹھانے والی نہیں، اس لیے سکون سے ناشتہ کرو''۔ عائشہ نے بھنویں چڑا کر کہا مگر وہ خاموشی سے سن کر چپ رہ گیا۔

''اچھا سنو! میں پنکی کے ساتھ ذرا جا رہی ہوں، دو چار کام نمٹانے ہیں، بوبی کالج سے آ جائے تو تم اس کے ساتھ نکل جانا، اگر کہیں جانا ہو تو، مگر پلیز اس لڑکی سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔ عائشہ کہہ کر اٹھ گئیں اور کچھ دیر بعد ماں بیٹی تیار ہو کر چلی گئیں، وہ ان کے جانے تک اپنے روم میں رہا، پھر فوراً ہی نیچے آ کر بوند کا دروازہ بجانا شروع کر دیا۔

''پلیز بوند! خدا کے لیے ایک بار دروازہ کھول دو، پلیز دیکھو! اگر تم نے دروازہ نہیں کھولا تو میں دروازہ توڑ دوں گا''۔ مگر ساون کا ریکویسٹ کرنا فضول ہوا، بوند نے دروازہ نہ کھولا اور ساون اپنے کندھے سے دروازے کو دھکا مارنے لگا اور پھر بوند نے اٹھ کر دروازہ کھول ہی دیا، بوند کی حالت اسے کچھ ٹھیک نہیں لگی۔

''تم نے کل سے کچھ نہیں کھایا، دیکھو ذرا کیا حال ہو رہا ہے تمہارا''۔ ساون کی آنکھیں نم ہو گئیں وہ بوند کو حسرت سے دیکھ رہا تھا۔

''میں اندر آ سکتا ہوں؟'' ساون نے خاموشی کے مجسمے کو دیکھ کر پوچھا۔

''کیوں اب کیا باقی ہے؟'' بوند نے مرے ہوئے انداز سے پوچھا۔

''مجھے معاف کر دو، میں تم سے بہت شرمندہ ہوں پلیز آئندہ کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا''۔ ساون نے ہاتھ جوڑ کر رونا شروع کر دیا۔

''آپ پلیز جائیں، چاچی آ جائیں گی تو واویلا مچا دیں گی''۔ بوند نے کہا۔

''وہ گھر پر نہیں ہیں، کوئی بھی نہیں ہے، تم مجھے معاف کر دو میں چلا جاؤں گا''۔ ساون نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا وہ رات بھر روتی رہی تھی۔

''ٹھیک ہے''۔ بوند کہہ کر پلٹ گئی۔

''نہیں، یہ تو بے ایمانی ہے''۔ ساون نے مسکرا کر کہا۔

''او کے معاف کیا''۔ بوند نے کہا تو وہ خوشی سے کھل اٹھا۔

''میں ابھی آتا ہوں تم بیٹھو!'' ساون کہہ کر چلا گیا، تھوڑے ہی لمحے میں ٹرے میں کھانا رکھ کر لے آیا۔

''چلو اب جلدی سے منہ ہاتھ دھو کے آؤ، پھر کھانا کھاؤ''۔ساون بریڈ، انڈا، دودھ اور مکھن لے کر آیا تھا۔

''یہ کھانا ہے؟'' بوند نے پوچھا۔

''ارے ناشتہ ہے، میرا تو کل سے دماغ ہی کام نہیں کر رہا''۔ساون نے سر پر ہاتھ مار کے کہا تو وہ ہنس دی۔

''چلو اب اٹھو بھی''۔ساون نے پھر سے اصرار کیا تو وہ اٹھ کر چلی گئی، واش روم سے منہ دھو کر آئی اور ساون کے سامنے بیٹھ گئی۔

''تھینک یُو''۔بوند نے کہا۔

''تھینکس تو آپ کا ہے جناب! کہ آپ نے مجھے معاف کیا''۔ساون نے دودھ کا گلاس اٹھا کر دیا تو بوند نے لے کر ہونٹوں سے لگا لیا، ساون اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتا رہا اور وہ مسکرا کر ناشتہ کرنے لگی۔

''تم ناشتہ کرو، میں ذرا دیکھتا ہوں بوبی آنے والا ہوگا''۔ساون کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر مجبوری تھی اسے وہاں سے اٹھنا پڑا، وہ کمرے سے نکلا اور بوبی گھر میں داخل ہوا۔

''آ گئے تم؟ بڑی دیر کر دی؟'' ساون نے اپنی جھینپ مٹائی۔

''ہاں ٹائر پنکچر ہو گیا تھا بائیک کا''۔بوبی نے بیگ صوفے پر رکھا اور دھم سے بیٹھ گیا۔

''نازی! پانی لاؤ ایک گلاس''۔بوبی نے ٹیک لگاتے ہوئے ماسی کو آواز دی۔

''کیا بات ہے پریشان لگ رہے ہو؟'' ساون نے جاننے کی کوشش کی۔

''کچھ نہیں ماموں! آپ سنائیں؟'' بوبی نے کہا اور پھر ماسی سے پانی لے کر پیا۔

''یار! میں کیا سناؤں، جب سے آیا ہوں اس گھر میں پریشانیاں کھڑی ہو گئی ہیں''۔ساون نے اداس ہو کر کہا۔

''ارے نہیں ماموں! کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ آپ آئے ہیں تو تھوڑا دل بہل گیا ہے''۔بوبی نے کہا۔

''پھر بتاؤ کیا بات ہے؟'' ساون نے پوچھا تو بوبی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''پاپا کا فون آیا تھا میرے پاس آج''۔بوبی کی اترتی ہوئی شکل دیکھ کر ساون پریشان ہو گیا۔

''پھر؟''

''پھر کیا بوند آپی نے رات انہیں فون کیا تھا اور رو رو کر کہہ رہی تھیں کہ چاچو! مجھے یہاں نہیں رہنا، پاپا تے بہت پوچھا، ان سے کہ کیا وجہ ہے، مگر وہ بس روتی رہیں اور یہی کہتی رہیں''۔بوبی سنجیدگی سے بتا رہا تھا اور وہ پریشان سن رہا تھا۔

''ابے یار! اب کیا ہوگا؟ لیکن وہ بھی کیا کرے، اس کو کچھ زیادہ ہی پریشان کر دیا میں نے، وہ بے چاری تو پہلے ہی اتنی اکیلی ہے اوپر سے ہم لوگوں کا یہ رویہ.... اور کیا کرتی؟'' ساون کے لہجے کی تبدیلی بوبی کے لیے حیران کن تھی۔

''خیریت تو ہے ماموں؟'' بوبی نے پوچھا۔

''ہاں یار! میں نے بوند سے معافی مانگ لی ہے، بہت شرمندہ ہوں یار! میں اس سے، مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اس کے ساتھ، ہماری وجہ سے کل سے کچھ نہیں کھایا تھا اس نے، ابھی میں نے اسے ہاتھ پاؤں جوڑ کر ناشتہ دیا ہے''۔ساون شرمندگی سے بتا رہا تھا۔

''کیا.... واقعی؟ آپ نے بوند آپی سے سوری کہا، اور ناشتہ بھی دیا؟ ارے واہ! اور وہ مان گئیں؟'' بوبی نے چھیڑا ہی

تھا۔

''یار! بس اب میں اسے تنگ نہیں کروں گا، وہ بہت دکھی لڑکی ہے''۔ساون انتہائی سنجیدہ تھا اور بوبی اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

''اچھی بات ہے مجھے اچھا لگا کہ کسی نے تو بوند آپی کا درد سمجھا اور اب میں بھی ان کو پریشان نہیں کروں گا، لیکن پاپا کا کیا کروں، وہ بہت غصے میں تھے''۔بوبی نے کہا۔

''تم فکر مت کرو، میں عدنان بھائی سے بات کر لوں گا آج''۔ساون نے اسے تسلی دی۔

''کیا بتائیں گے آپ؟'' بوبی نے ماتھے پر بل ڈالے۔

''یار! کوشش کروں گا کہ سب کچھ سیٹ ہو جائے''۔ساون نے کہا۔

''امی اور پنکی کہاں ہیں؟'' بوبی نے ادھر ادھر دیکھا۔

''معلوم نہیں، دونوں کہیں گئی ہوئی ہیں''۔ساون اٹھ کر باہر چلا گیا اور بوبی اپنے کمرے میں چلا گیا۔

کچھ دیر بعد بوند باہر نکلی تو ساون اس کے پاس آیا۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' ساون نے پوچھا۔

''سیلون''۔بوند نے چشمہ بالوں پر اٹکا کر کہا۔

''اوکے ٹیک کیئر''۔ساون کے تو ہوش ہی اڑ گئے تھے، بوند مسکرا کے گاڑی کی طرف بڑھ گئی اور ساون ہنس کر بالوں میں انگلیاں پھیرتا اندر چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

رات وہ بہت لیٹ آئی، ساون نے اس کے کمرے کا دروازہ ناک کیا، اس نے کھولا۔

''جی؟'' بوند نے اسے دیکھ کر کہا۔

''آپ اتنی لیٹ آئیں؟'' ساون نے رک رک کر پوچھا۔

''کام تھا اس لیے''۔بوند نے ہنس کر کہا۔

''کام تھا یا جان کر لیٹ آتی ہیں؟'' ساون نے حق جتانے کی کوشش کی۔

''بس ویسے ہی''۔بوند نے ٹالا۔

''کھانا کھایا؟'' ساون نے پوچھا۔

''جی کھا لیا''۔

''سچ....؟''

''جی ہاں!'' وہ مسکرا دی۔

''اوکے آرام کرو، گڈ نائٹ''۔وہ بھی ہنس کر چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

صبح ناشتے پر عائشہ اور پنکی ساون کا انتظار کر رہے تھے، بوبی کالج جا چکا تھا۔

''گڈ مارننگ!'' ساون آ کر بولا۔

''گڈ مارننگ! تم ہو کہاں؟'' عائشہ نے اس کے آگے ناشتہ رکھا۔

''آپ کے سامنے ہوں اور کہاں؟'' ساون نے بریڈ پر جیم لگاتے ہوئے کہا۔

''آج تو الیوں کی آواز نہیں آئی مجھے''۔ عائشہ نے تیوری چڑھا کر کہا۔

''بس آپی! چھوڑ دیئے وہ دھندے جن کے انجام تھے گندے''۔ ساون نے مسکرا کر جواب دیا۔

''لو یہ کیا بات ہوئی؟'' عائشہ کے ماتھے پر بل ہی پڑ گئے تھے، ابھی بات چل ہی رہی تھی کہ لاؤنج کا گیٹ کھلا اور عائشہ کا منہ کھلا ہی رہ گیا۔

''گڈ مارننگ! ایوری باڈی!'' عدنان نے گھر میں داخل ہو کر کہا۔

''گڈ مارننگ پاپا!'' پنکی بھاگ کر ان سے لپٹ گئی۔

''السلام علیکم عدنان بھائی!'' ساون کھڑے ہو کر بغلگیر ہوا اور پھر عائشہ بھی مسکرا دیں۔

''آپ اچانک آ گئے؟'' عائشہ نے پوچھا تھا۔

''ہاں بھئی! اب تو سب اچانک ہی ہوتا ہے''۔ عدنان نے عائشہ کی حیرانگی کو بھانپ کر کہا۔

''بیٹھیں ناشتہ کریں!'' عائشہ بولیں۔

''نہیں ابھی نہیں، بوند کہاں ہے؟'' عدنان نے اس کے کمرے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''آپ کی لاڈلی 12 بجے سے پہلے کمرے سے نہیں نکلتی''۔ عائشہ نے کہا۔

''بوبی کالج گیا ہے؟'' عدنان نے جگ سے پانی انڈیلتے ہوئے کہا۔

''ہاں! چائے تو لیں''۔ عائشہ نے کہا۔

''نہیں، بوند اٹھ جائے پھر اس کے ساتھ ناشتہ کروں گا''۔ عدنان نے موبائل نکالا اور کال ملائی، دوسری طرف بوند نے مینر مس فون اٹھایا۔

''ہیلو...!''

''کہاں ہو بیٹا! میں ناشتے کی ٹیبل پر ویٹ کر رہا ہوں''۔ عدنان نے گرمجوشی سے کہا۔

''سچ.... میں بس 5 منٹ میں آئی''۔ بوند کی تو نیند بھاگ ہی گئی، وہ چاچو سے بہت پیار کرتی تھی اور عدنان بھی اسے اپنی بیٹیوں کی طرح چاہتا تھا، کچھ ہی منٹ بعد وہ کمرے سے آ کر عدنان سے لپٹ گئی، عائشہ ساون کو دیکھ کر ناک منہ پھلائے غصے کا اظہار کرنے لگیں۔ پھر دونوں نے ساتھ ناشتہ کیا، ساون نے بوند کے چہرے پر خوشی کی ایسی چمک پہلے نہ دیکھی تھی، آج وہ اسے اتنا خوش دیکھ کر دل ہی دل میں بہت خوش ہو رہا تھا، عدنان نے سارا دن تقریباً بوند کے ہی ساتھ گزارا، عائشہ تو اندر ہی اندر کڑھ رہی تھیں، مگر وہ عدنان کے آگے کچھ کر نہیں سکتی تھیں، رات کو سب لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے، عدنان دبئی سے لایا ہوا سامان نکال کر سب کو دے رہے تھے، وہ سب کے کے لیے بہت ساری شاپنگ کر کے لائے تھے، سب ہی گفٹ دیکھ کر خوش و خرم تھے، ساون تو بس بوند سے نگاہ ہٹانے کو تیار ہی نہ تھا، دونوں ہاتھ باندھے صوفے سے ٹیک لگائے نہایت سکون سے وہ اسے دیکھنے میں مصروف تھا۔

''اور بھئی ساون! بزنس کیسا چل رہا ہے تمہارا؟'' عدنان کی آواز پر وہ بوند کے خمار سے نکلا۔

''جی بھائی! فرسٹ کلاس''۔ ساون سیدھے ہو کر بیٹھ گیا۔

''شادی وادی کر لو، اب تو سیٹل ہو چکے ہو''۔ عدنان نے ہنس کر کہا۔

''جی بھائی! انشاء اللہ!'' ساون نے شرم سے سر جھکا کر کہا۔

''دیکھ لو عائشہ! یہ تو تیار ہے شادی کے لیے، تم فضول میں اس پر الزام تراشی کرتی ہو کہ یہ شادی نہیں کرنا چاہتا''۔ عدنان نے کہا۔

''مجھے بھی حسرت ہے اس کی شادی ہو''۔ عائشہ نے خوشی سے کہا۔

''چلو بھئی! پھر بس تلاش شروع کر دو، ایسا نہ ہو موصوف کا ارادہ تبدیل ہو جائے''۔ عدنان کے کہنے پر سب ہنس پڑے۔

''پنکی بیٹا! چائے بنوا لو ذرا نازی سے''۔ عائشہ نے کہا تو پنکی اٹھ کر چلی گئی، بوبی سامان سمیٹ رہا تھا۔

''وہ میں نے بتایا تھا ناں آپ کو پنکی کے رشتے کا؟'' عائشہ نے موقع پا کر بات کر دی۔

''ہاں!'' عدنان سگار سلگانے لگے۔

''وہ لوگ رسم کرنے کے لیے آنا چاہ رہے ہیں، لڑکا آنے والا ہے چھٹیوں پر، تو وہ لوگ چاہ رہے ہیں باقاعدہ منگنی کر دیتے ہیں''۔ عائشہ نے تفصیلی بتا دیا۔

''یہ تو اچھی بات ہے، کل ہی فون پر ڈیسائیڈ کر لیتے ہیں''۔ عدنان نے اطمینان سے کہا۔

''ہاں وہ تو ٹھیک ہے مگر...!'' عائشہ نے بوند کی طرف دیکھا تو وہ اٹھ کر چلی گئی۔

''مگر کیا؟'' عدنان سمجھ گئے تھے، مگر پھر بھی پوچھا۔

''میں چاہ رہی تھی کہ بوند کے لیے بھی کوئی رشتہ دیکھ لیں، دونوں کی منگنی ساتھ ہی کر دیں گے''۔ عائشہ اٹک اٹک کر بولیں۔

''دیکھو عائشہ! تم بوند کی فکر کرنا چھوڑ دو، جب اللہ کا حکم ہو گا پتا بھی نہیں چلے گا''۔ عدنان بولے۔

''ہاں وہ تو آپ کی بات ٹھیک ہے، مگر اچھا ہے''۔ عائشہ خواہش کرنے لگیں۔

''میں نے کہا ناں جب ہونی ہو گی ہو جائے گی''۔ عدنان کے حاکمانہ انداز سے وہ چپ ہو گئیں، اتنے میں نازی چائے لے آئی اور بوبی نے پاپا کو پہلا کپ اٹھا کر دیا۔

رات سب سو گئے تھے، عدنان لان میں بیٹھے سگار پی رہے تھے شاید وہ بوند کو سوچ سوچ کر پریشان تھے فکر تو ان کو بہت تھی اس کی مگر وہ بوند سے زبردستی نہیں کرنا چاہتے تھے، پہلے ہی اس کے ماں باپ نہیں تھے اس لیے یہ سوچ کے چپ ہو جاتے۔

وہ کسی سوچ میں گم تھے کہ ساون آ کھڑا ہوا۔

''عدنان بھائی!'' ساون نے انہیں گم دیکھ کر مخاطب کیا۔

''ہاں آؤ ساون! بیٹھو''۔ عدنان نے اسے کہا۔

''عدنان بھائی! آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں''۔ ساون کی بات سن کر وہ ایک دم سیدھے ہو کر بیٹھے اور پھر دونوں

خاموش رہے، ساون سر جھکائے بیٹھا رہا پھر ہمت کر کے بولا۔

''شاید آپ کو اچھا نہ لگے، بٹ آئی نو ہر...! میں انتہائی سنجیدہ ہوں اور یہ بات میں نے صرف آپ سے شیئر کی ہے، عائشہ آپی کو تو آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں، اگر آپ کی سمجھ میں آ جاؤں تو میری خوش نصیبی ہوگی اور اگر نہ آ پاؤں تو کوئی بات نہیں''۔ ساون کہتا رہا اور وہ غور سے اس کی باتیں سن رہے تھے، پھر بولے۔

''بوند سے ذکر کیا تھا؟ میرا مطلب ہے کوئی پرپوزل یا...؟'' عدنان نے پوچھا۔

''نہیں میری اس سے اس قسم کی بات نہیں ہوئی، بس ہلکی پھلکی سلام دعا ہے، لیکن میں ان دنوں اسے اچھی طرح سمجھ چکا ہوں، اسے صرف محبت اور پیار کی ضرورت ہے، میں جانتا ہوں وہ کتنی تنہا ہے اس کا دکھ محسوس کر سکتا ہوں، وہ اندر سے بہت اپ سیٹ ہے، اس لیے چڑچڑی رہتی ہے اور پھر آپی بھی تو کون سی کم ہیں''۔ ساون نہایت سنجیدگی سے بولا۔

''ساون! تم نے یہ سب کیسے جانا؟'' عدنان نے حیرت سے پوچھا۔

''بس ایک دن بوند کی ڈائری پڑھ لی تھی، وہ بہت دکھی ہے، مگر اوپر سے بے حد مضبوط ہے، ظاہر نہیں ہونے دیتی''۔ ساون نے مسکرا کر کہا۔

''یار! مجھے خوشی بھی ہو رہی ہے، لیکن میں بوند کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا، اس لیے پہلے تمہیں اس سے معلوم کرنا ہوگا، اگر اسے کوئی اعتراض نہیں تو میری طرف سے گرین سگنل ہے''۔ عدنان نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔

''عدنان بھائی! میں کیسے....؟''

''عجیب آدمی ہو یار! ایک لڑکی سے اظہار کیسے کرنا ہے یہ بھی نہیں معلوم؟ تم کو اجازت ہے تم اسے کسی بھی طرح تیار کر لو، میں تمہارے ساتھ ہوں اور بہت خوش ہوں''۔ عدنان یہ کہہ کر چلے گئے اور ساون کی باچھیں کھل اٹھیں، مگر اب اصل کام شروع کرنا تھا، وہ بھی اٹھ کر سوچتا ہوا اندر چل پڑا۔

☆.....☆.....☆

صبح سب اکٹھے ناشتہ کر رہے تھے، ساون سیڑھیوں سے آستینیں فولڈ کرتا ہوا آیا اور بوند کے عین سامنے بیٹھ گیا۔

''ارے بھئی! آج شاپنگ پر چلتے ہیں، میں نے سنڈے کی منگنی ڈیسائیڈ کر لی ہے''۔ عدنان نے سب کو خبر سنائی۔

''سنڈے میں دن ہی کتنے رہ گئے ہیں چار دن تو ہیں''۔ عائشہ ہڑبڑا گئیں۔

''کل تک تو بڑی جلدی تھی تمہیں''۔ عدنان نے سخت لہجے میں کہا۔

''چلیں جیسے آپ کی مرضی، پھر تو آج ہی تیاریاں شروع کرنی ہیں''۔ عائشہ کے لیے تو پہاڑ سامنے آ کھڑا تھا، اب اسے پار کرنے کے لیے وہ سرگرداں ہو گئیں، ساون سامنے بیٹھی ناشتہ کرتی ہوئی بوند کو ہی دیکھ رہا تھا، عدنان کی نگاہ ناشتہ کرتے کرتے ساون پر گئی تو وہ ہنس کر پھر سے ناشتہ کرنے لگا۔

آج سے ہی گھر میں گہما گہمی ہو گئی تھی، گھر کی ڈیکوریشن اور شاپنگ کے سلسلے اسٹارٹ ہو گئے تھے، شام کو عدنان نے اپنی مہران اسٹارٹ کی اور ان کی Family اس میں بیٹھ گئی، ساون کو انہوں نے بوند کی گاڑی میں بیٹھنے کو کہا اور وہ بوند کے ساتھ بیٹھ کر شاپنگ کے لیے نکل پڑا، سب اکٹھے شاپنگ مال میں شاپنگ کر رہے تھے، پہلے پنکی کے لیے ڈھیر ساری شاپنگ کی گئی، پھر باری باری سب نے اپنے لیے من پسند چیزیں خریدیں، شاپنگ کے بعد سب اکٹھے فوڈ کورٹ میں آئے اور

بھرپور ڈنر کیا، پھر واپسی کے لیے گھر کی طرف روانہ ہوئے، ساون اور بوند تمام راستے خاموش رہے، جبکہ ساون نے پلیئر آن کر رکھا تھا۔

''آپ بس 5 منٹ ویٹ کریں، میں ذرا سیلون سے چکر لگا کر آتی ہوں''۔ بوند نے گاڑی پارک کرتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں''۔ ساون نے مسکرا کر کہا اور وہ اتر کر چلی گئی، وہ گاڑی سے اتر کر ادھر ادھر ٹہلنے لگا، تھوڑی دیر میں وہ کلائی پر بیگ لٹکائے سیلون سے نکلی اور گاڑی کی طرف آ گئی۔

''اگر آپ کی اجازت ہو تو میں آپ کی گاڑی ڈرائیو کر سکتا ہوں؟'' ساون نے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔

''بالکل!'' وہ یہ کہہ کر دوسری سائیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

''تھینک یو، اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو ایک کپ کافی ہو جائے؟'' ساون نے اٹک اٹک کر پوچھا تھا، بوند نے ہنس کر اثبات میں گردن ہلا دی، دونوں کافی شاپ پر کافی کا آرڈر دے کر بیٹھ گئے۔

''آپ کیا مجھ سے اب تک ناراض ہو؟'' ساون نے پوچھا۔

''نہیں تو''۔ بوند نے کہا۔

''تو پھر مجھ سے بات کیوں نہیں کرتیں؟'' ساون نے سوالیہ آنکھوں سے دیکھا۔

''آپ نے شاید غور نہیں کیا، میں چاچو کے سوا کسی سے بات نہیں کرتی اور گھر والے مجھے پسند نہیں کرتے، بات بھی نہیں کرتے تو مجھے کیا ضرورت ہے؟'' بوند نے افسردگی سے کہا۔

''لیکن میں تو آپ کو بہت پسند کرتا ہوں اور بات بھی کرنا چاہتا ہوں''۔ ساون نے پیار بھری نظروں سے دیکھا تو وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

''میرا مطلب ہے آپ بات چیت کیا کرو، پرابلم شیئر کیا کرو، مجھے اچھا لگے گا''۔ ساون نے وضاحت کر دی۔

''آپ تو کچھ دنوں کے لیے آئے ہو، چلے جاؤ گے تو پھر میں کیا کروں گی؟'' بوند نے مسکرا کر کہا۔

''یہ بات قابل غور ہے اس پر غور کرنا چاہیے، اگر آپ غور کریں تو میں ساتھ بھی لے جا سکتا ہوں آپ کو''۔ ساون کے جملے سن کر بوند کا جسم برف کی مانند ٹھنڈا ہونے لگا، بیٹھے بیٹھے پاؤں تھرتھرانے لگے، رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ اتنے میں کافی کی گرما گرم خوشبو نے اس کے رکتے سانس کو بحال کر دیا، وہ چپ چاپ کافی کے کپ سے اڑتے دھوئیں کو دیکھ رہی تھی اور ساون بس اسی پر نگاہیں مرکوز کیے بیٹھا تھا، وہ بار بار آنکھیں چرا رہی تھی اور وہ بار بار آنکھیں ملانے کو تیار تھا۔

''کافی لیں!'' ساون نے اسے متوجہ کیا۔

''جی....!'' بس اتنا ہی حلق سے نکلا تھا اور کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا، ادھر گھر میں عائشہ عدنان سے بار بار اپنے بھائی کی گمشدگی کا تقاضا کر رہی تھیں۔

''نجانے وہ بوند اسے کہاں لے گئی ہے، آپ فون تو کریں''۔ عائشہ لاؤنج میں بیٹھیں پریشان ہو رہی تھیں۔

''اس نے مجھے کہا تھا وہ سیلون سے ہوتی ہوئی آئے گی اور تم تو ایسے فکرمند ہو رہی ہو، جیسے ساون چھوٹا بچہ ہے، فکرمند تو مجھے ہونا چاہیے، میری بیٹی اس کے ساتھ ہے''۔ عدنان نے ان کا تیر انہی پر چلایا، ابھی بحث چل ہی رہی تھی کہ دونوں ہنستے ہوئے گھر میں داخل ہو گئے، عائشہ کی آنکھیں دونوں کو ایک ساتھ خوش دیکھ کر حیرت اور غصے سے پھٹی جا رہی تھیں۔

''کہاں رہ گئے تھے تم ساون؟'' عائشہ نے کرخت لہجے میں کہا۔

''ارے آپی! ایک پرانا دوست مل گیا تھا، میں اس کے کیفے میں بیٹھ گیا تھا اور بوند تو سیلون میں تھی''۔ ساون کی بات سن کر عائشہ منہ بنا کر اوپر چلی گئیں، جبکہ عدنان صاحب مسکرا کر رہ گئے، بوبی اور پنکی بھی ماموں کے چہرے کا رنگ پڑھتے ہوئے مسکرا کے چل دیئے۔

☆.....☆.....☆

بوند کو نیند نہیں آ رہی تھی، وہ بار بار کروٹیں بدل رہی تھی، ساون کی آنکھیں اس کا لہجہ اور اس کی باتیں اسے سونے نہیں دے رہی تھیں، ایک عجیب سی کیفیت تھی، نہ غم، نہ خوشی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا، بار بار کانوں میں اس کا جملہ گونج رہا تھا۔

''آپ غور کریں تو میں ساتھ بھی لے جا سکتا ہوں آپ کو''۔ بوند کی زندگی میں ایسا دن پہلے کبھی نہ آیا تھا وہ اٹھ کر ٹہلنے لگی، اتنے میں اس کا موبائل بجا نمبر تو انجانا تھا اس نے ریسیو کر لیا۔

''ہیلو!'' بوند نے کہا۔

''کیا بات ہے سوئی نہیں؟'' ساون کی آواز سن کر دل عجب سا ہونے لگا، دھڑکنیں منتشر ہو گئیں، بہت ساری ہمت اکٹھا کرنے کے بعد وہ بولی۔

''ویسے ہی نیند نہیں آ رہی تھی''۔

''مجھے بھی''۔ ساون نے جھٹ سے کہا تو وہ جھینپ گئی۔

''آپ کوشش کریں آ جائے گی''۔ بوند نے کہا۔

''تم نے کوشش کی؟'' ساون کی بے تکلفی نجانے کیوں اسے بری نہیں لگی۔

''نہیں''۔ اتنا ہی بولی۔

''تو پھر میں کیسے کوشش کر لوں؟ میرا مطلب ہے کہ دل نہیں چاہ رہا آج سونے کو اس لیے کال کر لی تم نے برا تو نہیں مانا، میں نے اس وقت کال کی؟'' ساون بہت میٹھے لہجے میں بول رہا تھا، اس کا لہجہ بوند کے دل میں اتر رہا تھا۔

''نہیں میں کیوں برا ماننے لگی، مجھے تو خود بوریت ہو رہی تھی''۔ بوند نے پرسکون ہو کر کہا۔

''ڈائری لکھی آج؟'' ساون نے پوچھا۔

''آپ کو کیسے معلوم کہ میں ڈائری لکھتی ہوں؟'' بوند نے حیرت سے کہا۔

''سوری میں نے تمہاری پرسنل ڈائری پڑھی ہے''۔ ساون نے شرمندگی سے کہا۔

''پوری؟'' بوند نے پوچھا۔ اس لیے کہ اس میں بوند نے ساون کو شیطان نما انسان لکھا تھا۔

''ہاں!'' وہ بڑے مزے سے بولا۔

''سوری میں نے.....!'' ابھی بوند نے اتنا ہی کہا تھا کہ وہ بول پڑا۔

''اٹس اوکے! ہوتا ہے، چلتا ہے اور بتاؤ کیا کر رہی تھیں؟'' ساون نے اسے حوصلہ دیا۔

''ٹہل رہی ہوں''۔ بوند نے کہا۔

''یہ گھر والے پاگل ہیں، تم تو اچھی بھلی باتیں کرتی ہو، یہ لوگ تمہیں جانتے نہیں ہیں''۔ ساون نے کہا تو وہ ہنس دی۔

''آپ بہت اچھے ہیں''۔ بوند نے کہا۔

''کیا؟'' وہ انجان بنا۔

''میں کہہ رہی ہوں آپ خود بہت اچھے ہیں''۔ بوند نے پھر سے بتایا تو وہ زور سے ہنسنے لگا۔

''آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ میں مذاق نہیں کر رہی''۔ بوند سنجیدہ ہو گئی۔

''میں خوشی سے ہنس رہا ہوں کہ میں تمہیں اچھا تو لگا، تھینک یو''۔ ساون نے بوند کی غلط فہمی دور کر دی۔

''آپ سو جائیں بہت دیر ہو گئی ہے''۔ بوند بھی کچھ عجیب محسوس کر کے بولی۔

''تمہیں نیند آ رہی ہے؟'' وہ فوراً پوچھ بیٹھا۔

''نہیں میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی''۔ بوند نے کہا۔

''او کے گڈ نائٹ ود سوئیٹ ڈریمز''۔ ساون کی محبت ہر لفظ سے ٹپک رہی تھی، بوند نے خود کو سنبھال کر فون بند کر دیا اور جا کر بستر پر لیٹ گئی، وہ بھی اپنے کمرے میں کروٹیں بدلتا بدلتا سو گیا اور بوند بھی نجانے کب نیند کی وادی میں چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

صبح سے گھر میں تیاریاں شروع تھیں، ساون دیر تک سوتا رہا، عائشہ اس کے کمرے میں آئیں، وہ بانہوں میں تکیہ لیے مزے سے سو رہا تھا۔

''اٹھ جاؤ، ایک بج رہا ہے دن کا''۔ عائشہ کی آواز نے مزید ارنیند کا ستیاناس کر دیا۔

''اٹھ رہا ہوں آپی!'' وہ انگڑائیاں لے کر بولا۔

''میں دیکھ رہی ہوں آج کل تم کافی بدل گئے ہو مجھ سے کیا بات ہے؟'' عائشہ اس کے پاس بیٹھ گئیں۔

''ارے میری آپی! کوئی بات نہیں ہے، آپ کو کوئی غلط فہمی ہو گئی ہو گی''۔ ساون اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''اچھا! چلو پھر اٹھو اور جلدی سے نیچے آ جاؤ، عدنان بھی تمہارا انتظار کر رہے ہیں''۔ عائشہ کہہ کر کھڑکی سے پردہ ہٹانے لگیں۔

''یہ کہاں سے آ رہی ہے اس وقت؟'' عائشہ بوند کو دیکھ کر بولیں۔

''کون؟'' ساون بھی اٹھ کر دیکھنے لگا۔

''سیلون گئی ہو گی وہاں سے آئی ہو گی''۔ ساون نے کہا تبھی وہ بولیں۔

''ارے معلوم نہیں کہاں کہاں کیا کیا کرتی پھرتی ہے''۔ عائشہ بڑبڑائیں اور ساون منہ بنا کر واش روم میں گھس گیا، کچھ دیر بعد وہ نیچے اتر آیا، لاؤنج میں بوند عدنان کے ساتھ بیٹھی کچھ پیپر دیکھ رہی تھی وہ اپنے وکیل سے مل کر آئی تھی، اس کے والد کی جائیداد کا سارا حصہ عدنان نے اس کے نام ٹرانسفر کروا دیا تھا، وہی لینے گئی تھی، ساون بھی وہیں آ گیا، ساون کو دیکھ کر دل کی دھڑکنیں بے ترتیبی سے دھڑکنے لگیں۔

''ارے یار! انٹالیٹ ہو گئے آج؟'' عدنان نے پوچھا۔

''رات دیر سے سویا تھا اس لیے''۔ ساون نے معنی خیز نظروں سے بوند کو دیکھا۔

''ناشتہ کیا؟'' عدنان نے پھر کہا۔

''اب تو لنچ ہی کروں گا''۔ ساون کہہ کر اخبار پڑھنے لگا، بظاہر تو اخبار ہاتھ میں تھا، مگر نظریں مکمل طور پر بوند کا طواف کرنے میں مصروف رہیں، بوند مسلسل اس کی آنکھوں سے آنکھیں چرا رہی تھی اور وہ مسلسل اسے ہی دیکھتا رہا۔

''اچھا بھئی! تم لوگ بیٹھو، میں ذرا فریش ہو کر آتا ہوں''۔ عدنان جان بوجھ کر چلے گئے۔

''کیسی ہو؟'' عدنان کے جاتے ہی ساون نے بوند سے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟'' بوند نے کپکپاتے ہونٹوں سے جواب دیا، ساون نے جلدی سے موبائل اٹھا کر کچھ ٹائپ کیا اور بوند کے نمبر پر Send کر دیا، بوند کے فون پر Message کی ٹون بجی بوند نے پڑھا تو لکھا تھا۔

''رات بھر دید آئی تم آنکھ میں لہراتے رہے، سانس کی طرح سے آپ آتے رہے، جاتے رہے بس ایسا ہوں''۔ بوند کے سوال پر ساون نے یہ جواب لکھا اور وہ اٹھ کر تیزی سے اپنے کمرے میں چلی گئی، پھر سے کچھ ٹائپ کیا اور Send کر دیا، بوند نے پڑھا لکھا تھا۔

''شاید تم کو برا لگا پلیز سوری! سزا دے دینا، مگر ناراض مت ہونا''۔ ساون کا پیغام پڑھ کر وہ ہنس دی اور چپ رہی پھر میسج آ گیا۔

''بتاؤ ناراض ہو؟'' بوند نے کچھ توقف کے بعد ٹائپ کیا اور Send کر دیا، ساون نے پڑھا۔

''میں آپ سے ناراض نہیں ہوں''۔ بوند کا پیغام پڑھ کر وہ مسکرا دیا۔

☆.....☆.....☆

آج سنڈے تھا پنکی کی منگنی کی تمام تیاریاں مکمل تھیں، عدنان نے کوئی کمی نہیں رکھی تھی، ہر چیز پرول کھول کر خرچا کیا تھا، پنکی بوند کے سیلون میں تیار ہوئی تھی اور دونوں واپس آئیں تو سب تعریفیں کر رہے تھے، رشتے دار تو کوئی تھے نہیں، بس گھر والے اور لڑکے کا خاندان تھا، ابھی ان کا انتظار چل رہا تھا، ساون تیار ہو کر سیڑھیوں سے اترا تو بوند اپنے روم سے نکلتی دکھائی دی وہ اس کے پاس آ گیا۔

''کہاں کی تیاری ہے؟'' ساون نے آ کر کہا تو وہ پلٹی، ساون کا منہ کھلا کا کھلا ہی رہ گیا۔

''منہ تو بند کر لیں''۔ وہ مسکرا کے بولی۔

''ہاں!'' وہ سکتے سے نکلا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر جلدی سے اس کے کمرے میں لے گیا۔

''کیا ہوا؟'' وہ گھبرا گئی۔

''کچھ نہیں، بس تمہیں کچھ پل جی بھر کے دیکھنا چاہتا ہوں پلیز!'' وہ لمبے لمبے سانس لے رہی تھی اور ساون بنا پلک جھپکائے اسے دیکھ رہا تھا۔

''وہ سب ڈرائنگ روم میں ہیں، میں پنکی کے پاس اس کے روم میں جا رہی تھی، وہ میرا انتظار کر رہی ہوگی''۔ بوند خشک حلق سے کہہ رہی تھی۔

''تم میرے ساتھ چلو گی ناں؟'' ساون اس کے بہت قریب آ گیا تھا۔

''میرے پیچھے دیوار ہے''۔ وہ سرکتی سرکتی دیوار سے لگ کر بولی۔

''مجھے بتاؤ تم مجھ سے شادی....!'' ساون رک گیا، اسے خیال آ گیا کہ وہ بے حد جذباتی ہو گیا ہے، اور اگر ابھی یہاں

سے نہیں ہٹا تو کچھ نہ کچھ الٹا کر جائے گا، اس لیے وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر باہر آ گیا ابھی سنبھل کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ عدنان مل گئے۔

''ارے ساون! جاؤ جلدی بوند کو بلا لاؤ، وہ لوگ بس پہنچ چکے ہیں، ویل کم کرنا ہے یار!'' عدنان یہ کہہ کر باہر لان کی طرف چلے گئے، بوبی اور عائشہ بھی وہیں تھے، ساون پھر سے اس کے کمرے میں آیا، وہ بیڈ پر بیٹھی نجانے کس سوچ میں تھی، ساون کے اندر آتے ہی خیالوں سے نکلی۔

''میرے خیال میں.....میں کچھ زیادہ کر گیا ہوں، مجھے تمہارا تو نہیں معلوم لیکن میں سچ مچ اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا''۔ ساون کا اقرار نامہ سن کر بوند کا دل اتنا تیز دھڑکنے لگا کہ وہ خود بھی ایک پل کو ہل گئی تھی۔

''ارے لو....جو میں کہنے آیا تھا وہ تو کہا ہی نہیں، عدنان بھائی تمہیں بلا رہے ہیں جلدی چلو''۔ ساون نے مسکرا کے دیکھا تو وہ جلدی سے اٹھ کر دوپٹہ سیٹ کر کے آئینے کے سامنے آ گئی، وہ بھی اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

''ماشاءاللہ! بہت پیاری لگ رہی ہو دل چاہ رہا ہے کہ.....!'' ابھی وہ کہنے والا تھا کہ بوند نے کہا۔

''چلیں؟'' بوند کی بات پر مسکرا کر بولا۔

''چلو!'' اور دونوں نکل کر لان میں آ گئے، عدنان نے بوند کے چہرے پر خوشی کی چمک دیکھی تو وہ سمجھ گئے کہ ساون اور بوند میں انڈر اسٹینڈنگ ہو چکی ہے، مگر عائشہ کو بوند کا ساون کے ساتھ رہنا بالکل نہیں بھایا، کچھ ہی پل میں مہمان آ گئے، ڈرائنگ روم میں پروگرام رکھا تھا، لڑکے کا خاندان یعنی Family تھوڑی بڑی تھی، جبھی اتنا وسیع ڈرائنگ روم بھرا بھرا لگنے لگا، پہلے مہمانوں کے لیے کولڈ ڈرنک کا انتظام تھا اور پھر رسم کے لیے بوند پنکی کو لے آئی، دونوں کو ساتھ بٹھا کر رسم ادا کی گئی، پنکی نے اپنے منگیتر کو انگوٹھی پہنائی اور پھر لڑکے نے پہنائی، کمرے میں مبارک کا شور برپا ہو گیا، سب ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے، جبکہ ساون صرف اور صرف بوند کے خیال میں تھا، رسم کے بعد کھانے کا اہتمام باہر لان میں تھا، عدنان نے کئی ڈشز کا انتظام کروایا تھا، نہایت پرسکون ہو کر یہ پروگرام بھی نمٹ چکا تھا، رات سب لاؤنج میں بیٹھے چائے پی رہے تھے اور خوشی سے پروگرام کی باتیں کر رہے تھے۔

''ساون! تم واپس کب جاؤ گے؟'' عائشہ نے ایک دم بم پھوڑ دیا، جس سے سب ہی حیران ہو گئے۔

''آپ چاہتی ہیں میں چلا جاؤں، تو کل ہی چلا جاؤں گا''۔ ساون نے بھی جواب دے دیا۔

''ارے میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی، وہ تم اپنا بزنس بھی تو پارٹنر کے حوالے کر آئے ہو ناں اس لیے''۔ عائشہ نے اپنی بے وجہ کی حماقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔

''وہ پارٹنر ہے دشمن نہیں ہے اس کا، اور یہ تمہیں اچانک کیا سوجھی؟'' عدنان نے تیور چڑھا کر کہا۔

''کچھ نہیں میں تو یوں ہی بس''۔ عائشہ عدنان کی کرختگی سے کانپ اٹھیں۔

''عقل تو تمہارے پاس ہے نہیں کم از کم زبان کو ہی لگام دے لیا کرو''۔ عدنان غصے میں اٹھ کر چلے گئے۔

''آپی! پریشان مت ہوں، میں چلا جاؤں گا''۔ ساون نے افسردگی سے کہا۔ بوند بھی اٹھ کر چلی گئی۔

''یہ بوند آج کل کیوں تمہارے گلے کا ہار بنی ہوئی ہے؟'' عائشہ کی اس بات سے ساون سمجھ گیا کہ انہوں نے کیوں ماحول خراب کیا۔

''اچھا یہ بات ہے، وہ میرے گلے کا ہار نہیں بنی''۔ ساون نے کہا۔

''تو پھر آج کل تم اور وہ مجھے ساتھ ساتھ کیوں دکھائی دے رہے ہو؟'' عائشہ نے دانت پیس کر پوچھا۔

''میں بوند سے شادی کرنا چاہتا ہوں اس لیے''۔ ساون نے نہایت اطمینان سے کہہ دیا۔

''کیا....؟'' عائشہ غصے میں بپھر کر آگ بگولہ ہوگئیں۔

''ہوش میں تو ہو تم؟ کیا بکواس کر رہے ہو، یہی ملی تھی تمہیں شادی کرنے کے لیے؟'' عائشہ اور ساون کی باتیں پنکی اور بوبی کو پریشان کر رہی تھیں، مگر وہ خاموش بیٹھے رہے کس کی طرفداری کرتے؟

''میں اپنے مکمل ہوش وحواس میں ہوں''۔ ساون نے اٹل ہو کر کہا۔

''میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی''۔ عائشہ اڑ گئیں۔

''اگر آپ میری اور اس کی محبت کے درمیان دیوار بن گئیں تو یاد رکھیں میں ہر دیوار گرا دوں گا''۔ ساون بھی آنکھیں چڑا کر بولا۔

''ساون! کیا جادو کیا ہے اس نے تم پر؟'' عائشہ اس کے پاس آ کر کھڑی ہوگئیں۔

''محبت کرتا ہوں اس سے اور اسی سے شادی کروں گا''۔ ساون اپنا آخری فیصلہ سنا کر چلا گیا اور عائشہ سر پکڑے بیٹھ گئیں، پنکی اور بوبی بھی اٹھ کر چلے گئے۔

☆.....☆.....☆

بوند کے کمرے کا دروازہ بج رہا تھا اس نے آنکھیں ملتے ہوئے دروازہ کھولا۔

''میری نیندیں اڑا کر خود آرام سے سو رہی ہو؟'' عائشہ نے دروازہ کھلتے ہی زہر خند لہجے میں کہا۔

''بات کیا ہے؟'' بوند نے حیرت سے دیکھا۔

''معصوم مت بنو... تمہیں شادی کے لیے میرا ہی بھائی ملا تھا، دنیا کے تمام مرد ختم ہوگئے ہیں کیا؟'' عائشہ غرا کر بولیں۔

''آپ جو کہنا چاہتی ہیں کھل کر کہیں''۔ بوند کی نیند تو آنکھوں سے ایسے بھاگی جیسے کبھی آئی ہی نہ ہو۔

''یہ جو تم نے ساون کو محبت کا جھانسا دے رکھا ہے ناں وہ خواب تمہارا خواب ہی رہے گا میں اسے کبھی حقیقت نہیں بننے دوں گی''۔ عائشہ نے بوند کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھور کے کہا۔

''میں نے آپ کے بھائی کو کوئی جھانسا نہیں دیا اور نہ ہی کوئی خواب ہے میرا''۔ بوند سے برداشت نہ ہوا اور وہ بھی غصے میں غرا گئی۔

''تم جیسی باہر پھرنے والی لڑکیوں کو خوب جانتی ہوں میں''۔ عائشہ طنز پر اتر آئیں۔

''منہ سنبھال کر بات کریں''۔ بوند نے بپھر کر کہا۔

''ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری''۔ عائشہ بھڑک اٹھیں۔

''میں آپ کا لحاظ کر رہی ہوں اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ جو منہ میں آئے بکتی جائیں''۔ بوند نے تیز آواز میں کہا۔

''اگر تم لڑکی نہ ہوتیں تو پھر میں تمہیں نکال باہر کرتی''۔ عائشہ نے تیور چڑھا کر کہا۔

''تو اب نکال دیں، کیا فرق پڑتا ہے؟'' بوند نے بھی بھرپور جنگ کی۔

''دیکھو بوند! میں تمہارا بہت لحاظ کر رہی ہوں، تمہیں یہاں رہنا ہے تو رہو، مگر ساون کے ساتھ آئندہ نہ دیکھوں''۔ عائشہ نے وارن کیا اور چلی گئیں، زیادہ بات بڑھا بھی تو نہیں سکتی تھیں، عدنان جو یہاں موجود تھے، آج وہ صبح اپنے کام کے سلسلے میں ہی کہیں میٹنگ اٹینڈ کرنے گئے تھے، بس اسی پل میں عائشہ نے کارروائی کی تھی اور جا کر آرام سے اپنے کمرے میں لیٹ گئیں، ادھر بوند بے چاری جسے خوشیاں ابھی مکمل ملی بھی نہیں تھیں، پہلے ہی ماند پڑ گئی، وہ اپنے کمرے میں بیٹھی پھوٹ پڑی کہ ایک امید دکھائی دی تھی زندگی کی وہ بھی چھن گئی، آدھا دن گزر گیا ساون نے کافی انتظار کیا، جب بوند کا کمرہ نہیں کھلا تو وہ فون کر بیٹھا۔ وہ بستر پر لیٹی روئی ہوئی آنکھوں سے بجتے موبائل کو تک رہی تھی، موبائل مسلسل بج رہا تھا، اس نے تنگ ہو کر کاٹ دیا، ساون کے تو دل کے تمام پارٹس ہل گئے، وہ مسلسل ملانے لگا، پھر اس نے SMS ٹائپ کیا بوند نے اوپن کیا۔

''کیا بات ہے مجھے بتاؤ، یوں منہ نہ پھیرو، میں تمہاری بے رخی سہہ نہیں پاؤں گا، پلیز کال اٹینڈ کرو''۔ ساون کا درد بھرا میسج پڑھ کر وہ اٹھ بیٹھی، پھر اس کی کال آ گئی، ہمت کر کے کال اٹینڈ کی۔

''ہیلو! کیا بات ہے بوند! بتاؤ پلیز؟'' ساون کی آواز و لہجہ ایسا تھا جیسے ابھی رو پڑے گا۔

''کیا ضرورت تھی آپ کو اپنی بہن سے میرے بارے میں کچھ کہنے کی؟'' بوند نے غصے میں کہا تھا۔

''آپی نے کچھ کہا ہے تمہیں؟'' ساون نے پوچھا۔

''آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ کو کیا ضرورت تھی یہ کہنے کی کہ میں آپ سے شادی کر رہی ہوں؟'' بوند کا لہجہ کرخت ہو رہا تھا۔

''اگر میں نے کہہ بھی دیا تو کیا برا کیا؟'' ساون مدھم سا ہوگیا۔

''برا کیا ہے آپ نے؟'' بوند رو پڑی۔

''تم رو کیوں رہی ہو، اگر تمہیں برا لگا ہے تو کوئی بات نہیں ہے میں تم سے معافی مانگتا ہوں لیکن.... میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں، اور اگر میں نے گھر والوں کو کہہ بھی دیا تو اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے؟'' ساون کی آنکھیں بھر آئیں لہجہ تھم گیا، آواز لڑکھڑانے لگی۔

''آپ نے مجھ سے ایک بار بھی یہ پوچھا کہ میں کیا چاہتی ہوں، بس اپنی ہی سنائی ہے مجھے بھی اور دنیا کو بھی''۔ بوند رو رو کر کہنے لگی، ساون سن کر شرمندہ ہوگیا اور بوند نے فون بند کر دیا۔ ساون سوچ رہا تھا کہ اب کیا کرے کہہ تو وہ بالکل ٹھیک رہی تھی۔

''میں نے اس سے سوال تو کیا نہیں اور دنیا میں شادی کا اعلان کرتا پھر رہا ہوں''۔ پھر وہ اپنے کمرے سے نکل کر خاموشی سے ادھر ادھر جھانکتا نیچے آیا، بوند کا گیٹ ناک کیا، بوند نے کھولا تو وہ جھٹ سے اندر گھس گیا۔

''کیوں آئے ہیں؟ مجھے بدنام کر دیں گے''۔ بوند نے نم دیدہ آنکھوں سے دیکھ کر کہا۔

''تم ان سے کیوں ڈر رہی ہو وہ کیا کر لیں گی؟'' ساون نے کہا۔

''کہا تو ہے بدنام کر دیں گی''۔ بوند نے آنکھیں چرا کر کہا۔

''میں ابھی زندہ ہوں اور میری زندگی میں تو ایسا ہو نہیں سکتا''۔ ساون نے آنکھیں بوند کے چہرے پر مرکوز کر کے کہا

تھا، وہ جھینپ گئی۔

"چلو تیار ہو جاؤ، باہر چلتے ہیں، صبح سے بھوکی ہو، چلو باہر کھانا کھائیں گے"۔ ساون نے محبت بھری نگاہوں سے ایسے دیکھا کہ وہ کچھ کہہ ہی نہیں پا رہی تھی۔

"ادھر دیکھو! پلیز دیکھو نا ایک بار"۔ ساون کی گزارش پر اس نے پلکیں اٹھائیں، مگر ساون کی آنکھوں کی حدت اتنی تھی کہ پلکیں پھر سے جھک گئیں۔

"اب تم ادھر دیکھو گی تو میں کوئی سوال کروں گا نا، ایسے کیسے چلے گا؟" ساون تو آنکھیں اس پر منجمد کر کے گویا اس کی جان نکال رہا تھا، وہ لمبے لمبے سانس بھر رہی تھی، پلکیں اٹھانے کی ناکام کوشش میں سرگرداں تھی کہ اس کا فون بج گیا، ہوش میں آ کر اٹھایا۔

"کہاں ہو بیٹا؟" عدنان کی آواز سے خمار ٹوٹا۔

"جی چاچو! وہ میں اپنے کمرے میں"۔ بوندا ٹک ٹک کر کہہ رہی تھی ساون اسے دیکھنے میں ہی مصروف تھا، وہ دوسری طرف چہرہ کر کے بات کرتی تو وہ وہیں سامنے آ جاتا، وہ جس رخ پر ہوتی وہ وہیں آ کر گھورنا شروع کر دیتا۔

"تم تیار ہو جاؤ، ہمیں وکیل صاحب کے پاس جانا ہے، میں بس تھوڑی دیر میں آ رہا ہوں"۔ عدنان کی بات سن کر اس نے فون بند کیا اور گھبراہٹ میں الماری سے کپڑے نکالنے کے لیے بڑھی، دماغ تو بے کار ہو چکا تھا، کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا، وہ اب پھر اس کے قریب آ کھڑا ہوا، بوند کی جان نکل رہی تھی وہ اس کی پشت پر کھڑا تھا، وہ سامنے آئینے میں دیکھ کر نگاہیں جھکائے اپنے اندر اٹھنے والے طوفان کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی، ساون نے بالکل قریب آ کر اس کی گردن کی طرف اپنا چہرہ جھکا دیا کہ ساون کی آتی جاتی سانسوں سے بوند کے وجود میں لرزہ بپا ہو گیا، پھر اچانک ہی وہ اس کی گردن پر محبت سے پھونک مار کر جلدی سے کمرے سے نکل گیا اور بوند کا دل اچھل کر حلق میں آ اٹکا، سانس منتشر ہو گئی اپنے سیدھے کاندھے پر الٹا ہاتھ رکھے وہ لمبے لمبے سانس لیتی رہ گئی، اچانک خیال آیا تو بھاگ کر گیٹ لاک کر لیا، دروازے سے لگ کر سانسیں بحال کرنے لگی۔

☆.....☆.....☆

"ماشاء اللہ! دوسروں کا سکون برباد کر کے خود پرسکون نیند کے مزے لیے جا رہے ہیں"۔ ساون عائشہ کے کمرے میں کافی دستک دینے کے بعد داخل ہو کر بولا تھا۔

"کون ہے؟" عائشہ نیند میں آنکھیں مل کر بولیں۔

"میں ہوں آپی! یہ کون سا وقت ہے سونے کا؟" ساون سامنے چیئر پر بیٹھ گیا۔

"ارے لائٹ کیوں آن کر دی، میرے سر میں درد ہے"۔ عائشہ نے بازو آنکھ پر رکھ کر کہا۔

"جب دوسروں کو ٹینشن دیں گی تو یہی ہو گا"۔ ساون نے طنز کیا۔

"میں سمجھ رہی ہوں تم کیا کہنا چاہ رہے ہو، یقیناً محبوبہ سے ملاقات کی ہو گی اور اس نے الٹے سیدھے کان بھرے ہوں گے"۔ عائشہ نے منہ سے ہاتھ ہٹا کر کہا۔

"کبھی تو اچھا سوچا کریں کسی کے لیے"۔ ساون نے کہا۔

"تم بس تیاری کرو اور جاؤ واپس میں نے تمہیں اس لیے نہیں بلایا تھا جو تم کر رہے ہو"۔ عائشہ نے اٹھ کے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں چلا جاؤں گا مگر بوند کو لے کر جاؤں گا"۔ ساون نے گھور کے دیکھا۔

"تمہارے لیے کی نہیں ہے ساون! تم نہیں جانتے وہ لڑکی تمہارے قابل نہیں ہے، سارا دن گھر سے باہر گزارتی ہے نجانے کہاں جاتی ہے کیا کرتی ہے، مجھے تو اس کا کیریکٹر ٹھیک نہیں لگتا"۔ عائشہ نے پیار سے زہر بھرنے کی کوشش کی۔

"آپی! آپ اچھی طرح جانتی ہیں، وہ کہاں جاتی ہے، کیا کرتی ہے اور اس کا کیریکٹر کیسا ہے، مگر پھر بھی مجھے کیوں ورغلا رہی ہیں، کیا دشمنی ہے آپ کی اس سے؟ کیا بگاڑا ہے اس نے آپ کا وہ تو اپنے کمرے تک محدود ہے، اپنوں میں رہتے ہوئے بھی کتنی اکیلی ہے وہ، کبھی سوچا ہے آپ نے؟ نہ ماں باپ ہیں، نہ بہن بھائی، آپ کو تو چاہیے تھا اسے اتنا پیار دیں کہ وہ اپنے سارے دکھ درد بھول جائے، مگر نہیں آپ کو تو اچھا خیال چھو کر بھی نہیں گزرتا، اور وہ پنکی اور بوبی بھی آپ کی وجہ سے اس سے زیادہ بات نہیں کرتے، بلاوجہ ولن بننے کا شوق ہے آپ کو، لیکن یاد رکھیں آپ کی بھی بیٹی ہے، کسی کی بیٹی کا دل نہ دکھائیں کیونکہ وقت کسی کا رشتہ دار نہیں، ہم جو بوتے ہیں وہی کاٹتے ہیں، رہی بات میری تو میں بوند سے ہی شادی کروں گا، اس لیے کہ اسے ساون کی ضرورت ہے، آپ میری خوشی میں شامل ہوں یا نہ ہوں یہ آپ کا ذاتی مسئلہ ہے، میں نہیں مناؤں گا اور نہ ہی آپ کی مانوں گا"۔ ساون طویل لیکچر دے کر کمرے سے چلا گیا، عائشہ کی آنکھیں اور منہ مارے حیرت کے نیم کھلا ہی رہ گیا اور سر میں درد شدید ہونے لگا، وہ پھر سے بپھر کر چادر منہ پر ڈالے سوچ میں لیٹ گئیں۔ بوند عدنان کے ساتھ وکیل کے آفس سے نکلی، عدنان گاڑی ڈرائیو کر رہے تھے، بوند اپنی جائیداد کے پیپر بغور پڑھ رہی تھی، بوند کے Cell پر MSG ٹون بجی اس نے اٹھا کر پڑھا۔

"کہاں ہو، کب تک آؤ گی؟ پلیز ری پلائی"۔ ساون کا میسج پڑھ کر جلدی سے ڈیلیٹ کر دیا۔

"کیا ہوا بیٹا! کس کا میسج ہے؟" عدنان نے پوچھا تو وہ اور گھبرا گئی۔

"چاچو! وہ سیلون سے ہے، آج گئی نہیں ناں"۔

"میں ڈراپ کر دوں؟" عدنان نے پوچھا۔

"جی!" بوند نے ہاں میں گردن ہلا کر کہا۔

"او کے بیٹا! اور سنو..... میں خود پک کر لوں گا، یا تمہاری گاڑی بھیج دوں گا بوبی کے ہاتھ"۔ عدنان نے گاڑی سیلون کے لیے ٹرن کر کے کہا اور کچھ منٹ کی ڈرائیو کے بعد اسے سیلون ڈراپ کر دیا، ساون کے میسجز بار بار آ رہے تھے، مگر بوند نے کوئی جواب نہیں دیا، عدنان گھر پہنچے تو ساون خوشی سے دیکھنے لگا، مگر معلوم ہوا کہ بوند تو آئی ہی نہیں، ساون کا دل اداس ہو گیا، وہ سمجھ گیا کہ بوند اس سے ناراض ہے، تبھی میسج کا جواب بھی نہیں دیا۔

"عائشہ کہاں ہے؟" عدنان نے پنکی سے پوچھا۔

"پاپا! وہ اپنے کمرے میں ہیں، ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے"۔ پنکی نے پاپا کو چائے سرو کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا! صبح تک تو بالکل فٹ تھیں وہ"۔ عدنان تعجب سے بولے۔

"کچھ نہیں بھائی! سر میں درد ہے ہلکا سا، ٹیبلیٹ لے کر لیٹی ہیں، ٹھیک ہو جائیں گی"۔ ساون نے پرسکون ہو کر کہا تو عدنان کو تسلی ہو گئی۔

"یہ بوبی کہاں ہے، گھر میں تو نظر ہی نہیں آتا؟" عدنان ادھر ادھر دیکھ کر بولے تھے۔

''پاپا! وہ کرکٹ میچ ہے اس کا، وہیں گیا ہے''۔ پنکی نے بتایا۔

''اچھا! چلو.... ساون تم رات میں 9 بجے تک بوند کی گاڑی لے جانا سیلون''۔ عدنان نے کہا تو اسے ملاقات کی کرن دکھائی دی، جھٹ سے حامی بھر لی۔

''او کے عدنان بھائی!''

''پنکی! اپنی امی کو جگاؤ جا کر، صبح بتا کر بھی گیا تھا، کہو طاہر انکل کے بیٹے کا ولیمہ ہے آج لازمی چلنا ہے چاہے کچھ بھی ہو''۔ عدنان نے سگار سے دھواں ہوا میں پھینک دیا اور پنکی اٹھ کر چلی گئی۔

''اور بھئی! سب خیریت ہے؟'' عدنان ساون سے مخاطب ہوئے۔

''جی عدنان بھائی!'' ساون ہڑبڑا کر بولا۔

''میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے، میں چاہتا ہوں اگلے ٹور سے پہلے تمہارا اور بوند کا نکاح کر جاؤں، پھر میں 3 ماہ بعد ہی آؤں گا''۔ عدنان کی بات سن کر ساون ہونق سا ہو گیا۔

''3 ماہ بعد؟'' حیرت سے کہا۔

''ہاں! کیوں کہ 4 سے 5 کنٹریز کا ٹور ہے، آج صبح سے اسی سلسلے میں مصروف رہا، سوچا انکار کر دوں مگر اچھی بات نہیں ہے آتے ہوئے رزق کو ٹھکرانا نہیں چاہیے، تم بھی شادی کے بعد چلے جاؤ گے یقیناً؟'' عدنان نے بتایا اور پھر پوچھا تھا۔

''جی! ارادہ تو یہی ہے میں آج ہی بات کرتا ہوں بوند سے''۔ ساون سنجیدہ ہو گیا۔

''نیک کام میں دیر ہونی بھی نہیں چاہیے، میں بھی یہی چاہتا ہوں موت اور زندگی کا کیا بھروسہ، اس لیے اپنی ذمے داری پوری کر کے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں''۔ عدنان نے کہا وہ خاموشی سے سنتا رہا۔

رات کو وہ تیار ہو کر ایک گھنٹہ پہلے ہی نکل گیا، سیلون کے باہر سے بوند کو میسج کیا۔

''میں باہر کھڑا ویٹ کر رہا ہوں، اگر تم نہیں آؤ گی تو میں آ جاؤں گا''۔ ساون کا دھمکی آمیز میسج پڑھ کر وہ بیگ اٹھائے باہر نکلی، سامنے پارکنگ میں اپنی گاڑی دیکھی اور آ گئی، وہ اترا۔

''آپ کی سیٹ''۔ ساون نے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف اشارہ کیا، مگر وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی اور ساون نے گاڑی ڈرائیو کی۔

''میں نے کہا بھی تھا سزا دے دینا مگر پلیز ناراض کبھی مت ہونا، مگر لوگ کہاں توجہ کرتے ہیں اپنے سوا کسی پر''۔ ساون نے طنزیہ انداز سے کہا۔

''میں تم سے کہہ رہا ہوں''۔ ساون نے بوند کو خاموش پا کر کہا، مگر وہ خاموش باہر کی طرف دیکھتی رہی۔

''پلیز یار! معاف کر دو''۔ ساون نے کہتے کہتے زوردار بریک لگایا، وہ گھبرا کر دیکھنے لگی۔

''کیسے معاف کرو گی؟ جیسے تم کہو گی ویسے معافی مانگنے کو تیار ہوں، پلیز یار! آئی لو یو! مجھے معاف کر دو، آئی لو یو! آئندہ تنگ نہیں کروں گا، آئی لو یو!'' ساون کی بات سن کر تو وہ اور کنفیوژ ہو گئی۔

''گھر چلیں''۔ بوند نے جلدی سے یہی کہا۔

''مجھے بھوک لگی ہے ڈنر کرنا ہے''۔ ساون نے پھر اسے تکنا شروع کر دیا۔

''گاڑی اسٹارٹ کریں پلیز''۔ بوند نے کہا۔

''نہیں''۔ ساون نے کہا۔

''دیکھیں مجھے گھر جانا ہے، پلیز مجھے گھر لے چلیں''۔ بوند نے رونے جیسی شکل بنالی تھی، وہ تو ڈر ہی گیا جلدی سے گاڑی اسٹارٹ کی اور غصے میں منہ بنا کر گھر کی طرف چل پڑا، جیسے ہی گاڑی گھر میں داخل ہوئی، وہ بھاگ کر اپنے روم میں چلی گئی، وہ بھی غصے میں اپنے کمرے میں چلا گیا، دونوں اپنے اپنے کمروں میں بند ہو گئے، عدنان اور عائشہ ولیمے سے واپسی پر گاڑی میں باتیں کر رہے تھے۔

''مجھے آپ سے بات کرنی ہے''۔ عائشہ کا لہجہ نرم تھا۔

''ہاں کہو کیا بات ہے؟'' عدنان حیرت سے پوچھنے لگے۔

''ساون کے سلسلے میں''۔ عائشہ نے کہا۔

''ہاں، ہاں کہو''۔ عدنان بولے۔

''وہ بوند سے شادی کرنا چاہتا ہے''۔ عائشہ سنجیدہ تھیں۔

''کیا؟'' عدنان انجان بن گئے۔

''ہاں وہ دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں''۔ عائشہ اس لہجے میں عدنان کو بہت بھا رہی تھیں۔

''بوند اور ساون؟'' عدنان حیران ہو گئے۔

''جی مجھے بھی نہیں معلوم تھا، مگر ساون کا کہنا ہے کہ میں بوند سے ہی شادی کروں گا اور وہ بھی جلد''۔ عائشہ نے عدنان کو دھیمے لہجے میں بتایا تھا۔

''تم نے کیا کہا؟'' عدنان اندر سے ہنس رہے تھے اوپر سے بھولے بن گئے۔

''میری کون سی مان لے گا وہ، اگر دونوں راضی ہیں تو ہم کیا کریں گے ناراض ہو کر، اچھا ہے بوند کا بھی گھر بس جائے اور ساون کی طرف سے بھی مجھے بے فکری ہو جائے گی، آپ بھی تو بہت پریشان رہتے ہیں نا بوند کے لیے''۔ عائشہ کی باتیں سن کر وہ سمجھ گئے تھے کہ سر کا درد ساون کی وجہ سے ہو رہا تھا، یقیناً ساون نے خوب توپیں چلائی ہیں عائشہ پر۔

''اللہ مالک ہے، دیکھتے ہیں''۔ عدنان نے یہی کہا تھا بس اور مسکرا دیے، عائشہ بھی مسکرا دیں۔

☆.....☆.....☆

گھر میں سناٹا تھا، وہ تو پہلے بھی رہتا تھا مگر آج کاٹنے کو دوڑ رہا تھا، ساون نیچے آیا، بوند کے دروازے کی طرف بڑھا، مگر پھر کچھ سوچ کر کچن میں جا کر فریج سے پانی نکال کر پینے لگا، نگاہیں محبوب کے دروازے ہی پر تھیں، مگر محبوب لاپتہ تھا وہ چائے بنانے لگا اور بوند کے نمبر پر میسج بھیج دیا۔

''میں کچن میں چائے بنا رہا ہوں''۔ ساون کا معصوم سا میسج بوند نے پڑھا تو سوچا کہ دروازہ کھولے، مگر عائشہ کا خیال آتے ہی وہ رک گئی اور بے چین ہو کر بستر پر لیٹی رہی، ساون کے میسج کا جواب نہ آیا تو وہ تلملا اٹھا اور چائے لے کر اپنے کمرے میں چلا آیا، پھر غصے میں ٹہلتا رہا بالآخر تنگ آ کر اس نے کال ملائی، بوند نے کافی بجنے کے بعد اٹینڈ کی۔

''میں جانتا ہوں تم جاگ رہی ہو اور جان بوجھ کر میرے ساتھ ایسا سلوک کر رہی ہو، اچانک اتنی نفرت ہو گئی ہے

مجھ سے کہ میرے میسج کو بھی اگنور کردیتی ہو، اگر ایسا ہی کرنا تھا تو مجھے اپنے اتنے قریب کیوں آنے دیا، کیوں نہیں روکا مجھے پہلے ہی؟ صرف اس بات کو ایشو بنالیا کہ میں نے تم سے نہیں پوچھا کہ تم مجھے چاہتی ہو یا نہیں، اگر نہیں پوچھا تو کیا ہوا، میں تو جتاتا رہا تمہیں بتاتا رہا کہ میں تم سے پیار کرتا ہوں، ایک بار نہیں بار بار اظہار کرتا رہا ہوں، میں تو سمجھا تمہاری خاموشی ہی اقرار ہے، میں تو سمجھا کہ تم بھی مجھے چاہنے لگی ہو، مگر میں یہ نہیں جانتا تھا کہ تم یوں.... اس موڑ پر جب میں سب کو کہہ چکا ہوں کہ میں صرف تم سے شادی کروں گا، تم میرا مذاق بنادوگی، میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں، جو تمہاری خوشی ہو وہی کرنا میں کسی زبردستی کا قائل نہیں ہوں"۔ ساون نے اپنے دل کی ساری بھڑاس اسے سنادی وہ سنتی رہی اور ایک گہرا سانس بھر کے بولی۔

"آپ صرف اپنی ہی سناتے ہیں ہمیشہ"۔ بوند کا مردہ لہجہ سن کر وہ پریشان ہوگیا۔

"تو پھر تم بھی کہا کرو کیوں چپ رہتی ہو؟" ساون کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"آپ کسی کو کہنے دیتے ہیں؟ بس لفظوں کی مشین ہے آپ کے پاس جو بنا سوچے سمجھے چلتی رہتی ہے"۔ بوند کی بات سن کر وہ زور سے ہنس دیا۔

"تھینک یُو یار! تم نے ہنسایا تو سہی، ورنہ میں بہت اپ سیٹ تھا"۔ ساون مسکرا کے بولا۔

"اکیلے اکیلے چائے پی لی؟" بوند نے شوخی سے کہا۔

"نہیں پی اگر اجازت ہو تو آپ کو چائے پہنچادوں؟" ساون نے شرارت بھرے انداز میں پوچھا۔

"اس وقت؟" بوند نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں تو کیا ہوا؟" ساون نے کہا۔

"نہیں، نہیں"۔ بوند گھبرا گئی۔

"ایک بات پوچھوں تم سے؟" ساون نے محبت آمیز ہو کر کہا تھا۔

"جی؟" وہ بولی۔

"تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو ناں؟" ساون نے سنجیدہ ہو کر کہا، بوند کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

"مجھے معلوم ہے میں جانتا ہوں کہ تم بھی مجھے اتنا ہی چاہتی ہو، جتنا میں چاہتا ہوں، مگر کہتی نہیں ہو"۔ ساون نے تو اس کی دھڑکنوں کو بھڑکا دیا، وہ لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے فون دور ہٹانے لگی۔

"مجھے سننے دو نا یہ سانسیں، تمہاری یہ گہری گہری سانسیں ہی میری محبت کی گواہی دیتی ہیں، یہی مجھے بتاتی ہیں کہ بوند صرف ساون سے پیار کرتی ہے"۔ ساون کی بات سن کر بوند کی آنکھ نم ہوگئی۔

"ہاں!" وہ دھیمے سے بولی اور فون بند کردیا۔

"کیا....؟" ساون خوشی سے چلایا مگر فون بند ہو چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

ساون ساری رات کروٹیں بدلتا رہا اور صبح کا انتظار کرنے لگا، بوند بھی اپنے کمرے میں سوچتی رہی اور سویرے ہی ساون نے عدنان کو خوش خبری دی، اب عائشہ بھی راضی تھیں اس لیے عدنان نے آج ہی نکاح رکھ لیا، شام کو نکاح تھا، ساون کی بوند

سے بات نہیں ہوئی تھی، بوند دلہن بن کر بے حد حسین لگ رہی تھی، پنکی اور بوبی بھی اس رشتے پر بہت خوش تھے، نکاح ساتھ خیریت سے نمٹ گیا، آج عدنان خود کو پرسکون محسوس کررہے تھے، عائشہ بھی بس قسمت کے آگے بے بس ہوگئی تھیں، اور کرتیں بھی کیا ورنہ ساون کو کھو دیتیں، اس لیے خاموشی سے زہر کا گھونٹ پی لیا، رات کو ساون چپکے چپکے سیڑھیاں اتر کر بوند کے دروازے پر دستک دینے لگا، بوند نے کھولا تو سٹپٹا گئی، وہ جلدی سے اندر آ گیا۔

"آپ کیوں آئے، چاچو نے منع کیا تھا ناں؟" بوند گھبرا کر بولی۔

"یار! اب تو ایسا مت کرو، نکاح ہو چکا ہے"۔ ساون معصومیت سے بولا۔

"لیکن ہماری رخصتی نہیں ہوئی"۔ بوند نے کہا۔

"میں تو یہ گفٹ دینے آیا تھا"۔ ساون نے چین کا ڈبہ دکھایا۔

"تھینک یُو!" بوند نے لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"ایسے نہیں، میں خود پہناؤں گا"۔ ساون نے چین ڈبے سے نکال کر کہا، وہ چپ ہوگئی سر جھکائے کپکپانے لگی، وہ آگے بڑھا بوند کے بالکل قریب ہوگیا، بوند کی سانس اس کے سینے پر محسوس ہونے لگی۔

"آئی لَو یُو!" چین پہنانے کے لیے دونوں بازو اس کے کاندھے پر رکھے اور کانوں میں کہا تھا، وہ جھینپ گئی، ساون اس کی اٹھتی جھکتی پلکیں دیکھتا رہا اور چین پہنادی، مگر بازو ہٹانے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"وہ.....کوئی آجائے گا"۔ بوند کی جان نکل رہی تھی۔

"آنے دو"۔ ساون ڈھٹائی سے بولا۔

"اچھی بات نہیں ہے"۔ بوند نے اٹک کر کہا۔

"بری بات بھی نہیں ہے"۔ ساون نے ذرا جھک کر اس کا ماتھا چومنا چاہا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوگئی، دونوں ہڑبڑا گئے، ساون ہونق ہوگیا اور واش روم میں گھس گیا بوند نے دروازہ کھولا۔

"بیٹا! یہ تمہاری فائل اس دن میرے پاس رہ گئی تھی، سارے کاغذات اسی میں ہیں، میں نے کل کی سیٹیں بک کروادی ہیں تم دونوں کی، اپنا بہت خیال رکھنا اور ہمیشہ خوش رہنا"۔ عدنان گیٹ پر ہی آبدیدہ ہو کر چلے گئے، وہ فائل لے کر اندر آئی اور بیڈ پر بیٹھ گئی، کچھ اداس سی ہوگئی تھی۔ اس نے واش روم سے جھانکا اور اطمینان کر کے باہر آ گیا۔

"تھینک گاڈ! میری تو جان ہی نکل گئی تھی"۔ سکون کا گہرا سانس لے کر وہ اس کے پاس ہی آ بیٹھا۔

"اب جائیں بہت دیر ہوگئی ہے، کل کی سیٹیں بک کروادی ہیں چاچو نے، تیاری بھی کرنی ہے"۔ بوند نے آہستہ سے مدھم لہجے میں کہا۔

"مجھے معلوم ہے تم دکھی ہو رہی ہو، لیکن ہر لڑکی کی زندگی میں ایک لڑکا ضرور آتا ہے"۔ وہ سنجیدہ کہتے کہتے تیزی سے شرارت میں کہہ گیا، بوند اسے دیکھ کر مسکرادی ساون اس کے بہت قریب بیٹھا تھا، ساون نے اپنے شانے پر اس کا سر رکھ لیا، اور بوند کی آنکھوں سے خوشی کی بوندیں ٹپکنے لگیں، جنہیں ساون نے اپنی ہتھیلی سے صاف کر کے اس کے سر پر محبت سے اپنا سر رکھ دیا۔

☆.....☆.....☆

ناولٹ

گلاب ساعتوں کا غنچہ

"تاثیر! سو رہی ہو؟" اس کے کمرے کا دروازہ نہایت آہستگی سے دستک دیتے ہوئے رانیہ بھابی نے استفسار کیا تھا، وہ جو کچھ دیر قبل ہی ٹیسٹ کی تیاری کر سونے لیٹی تھی بھابی کے استفسار پر اس نے شرارتاً مضبو

نوٹ: رِدا کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی ردا کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

سے آنکھیں میچ لی تھیں۔

"تاثیر!" بھابی نے اس کا کاندھا ہلایا تھا، اس نے کسلمندی سے آنکھیں کھولی تھیں۔

"جی بھابی!" چادر سے سر نکالتے اس نے کہا تھا۔

"سو رہی تھیں؟"

"سو رہی ہوں"۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے تم سے ایک کام تھا"۔ بھابی نے اسے لسٹ دکھاتے ہوئے کہا۔

"کیا کام بھابی! وہ بھی رات کے اس پہر؟" اس نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا، گھڑی رات کے ڈیڑھ بجا رہی تھی۔

"چندہ میری اور ملیحہ کی کالج فیلوز آ رہی ہیں، یہ چند

چیزیں تم قریبی سپر اسٹور سے یونیورسٹی سے واپسی میں لیتی آنا"۔ وہ اسے لسٹ تھماتے گویا ہوئیں۔

"بھابی! میں بھول جاؤں گی"۔ اس نے دوبارہ چادر تانتے ہوئے کہا۔

"تم اگر بھولو تو میں گھر میں تمہارا داخلہ بند کردوں گی، بلکہ دروازے میں تالے ڈال دوں گی"۔ بھابی نے پیار بھری دھونس جمائی تھی۔

"نو پرابلم بھابی! میں کھڑکی سے آجاؤں گی"۔ اس نے چادر ہٹاتے قدرے شوخی سے کہا۔

"ہوں.... آجانا کھڑکی سے اور خدانخواستہ تم ٹوٹ پھوٹ گئیں تو تمہارے بھائی میرا داخلہ ہی بند کروادیں گے"۔ بھابی نے اس کے سر پر چپت رسید کرتے ہوئے کہا۔

"بھائی ایسا کبھی نہیں کریں گے، آخر کو آپ ان کی پہلی اور آخری محبت جو ٹھہریں"۔ وہ شرارت سے باز نہیں آتی تھی بھابی نے اسے خفگی سے دیکھا تھا۔

"ویسے کب آئیں گی آپ کی فرینڈز؟"

"شام تک آئیں گی، تمام چیزیں میں گھر پر ہی تیار کروں گی"۔ بھابی نے صوفے پر براجمان ہوتے ہوئے کہا۔

"اور اگر میں بھول گئی تو؟" اس نے بھابی کو بغور دیکھتے چڑایا تھا۔

"تو میں خفا ہوجاؤں گی"۔ بھابی نے مصنوعی ناراضی دکھائی تھی۔

"میری پیاری بھابی! خفا تو نہ ہوں"۔ وہ بیڈ سے اٹھ کر اس کی گردن میں اپنے بازو حمائل کرچکی تھی۔

"ویسے آپ کی مدد کرنے سے بھلا میرا کیا فائدہ ہوگا؟" اس نے شوخی سے لاڈ اٹھواتے ہوئے استفسار کیا۔

"جو تم کہو، تمہارے پسند کے برموده رائس ودیلا اینڈ کیروٹ بنانا شیک بنادوں گی کیسا؟" بھابی نے اس کے پسندیدہ کھانوں کے نام لیے۔

"آئے لو یو بھابی! صائم سو گیا؟"

"ہاں سو گیا اسے ہی تو سلا کر تمہارے پاس آکر تمہاری نیند ڈسٹرب کردی ہے"۔ بھابی نے وضاحت کی۔

"میں سو نہیں رہی تھی بھابی! کل ٹیسٹ ہے اسی کی ٹینشن میں ہوں"۔ اس نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

"ٹینشن لینے کا کوئی فائدہ نہیں، بس خود پر بھروسہ رکھو، تمام امتحانوں میں کامیاب رہوگی، خواہ وہ کوئی بھی امتحان ہو، اب سو جاؤ، گڈ نائٹ سوئیٹ ہارٹ!" بھابی اس کے بال سنوار کر جاچکی تھیں اور وہ ان کی محبت پر بے اختیار مسکرادی۔

☆..........☆..........☆

"اوف ہو.... آج دانیہ بھابی نے پھنسادیا ہے مجھے، ایک تو میم امروزیہ نے نیٹ کا کہہ کر کلاس نہیں لی، سمارا صاحبہ تو اپنے بھائی کی آؤ بھگت میں لگی ہوئی ہیں اور محترمہ اروئی بھی بنا بتائے غائب ہوگئیں"۔ وہ خود کلامی کرتے سڑک پر کار دوڑا رہی تھی، گھڑی پر نظر ڈالتی وہ بیزار ہوئی جارہی تھی، گھڑی صبح 11:50 بجارہی تھی۔

"ایک تو کراچی کے مالز 12 بجے سے پہلے پتا نہیں کیوں نہیں کھل جاتے"۔ وہ تپی بیٹھی تھی کار پارک کرتے بیگ دائیں شولڈر پر ڈالے، بلیک سن گلاسز آنکھوں میں چڑھاتے اس نے کار لاک کی تھی، چند قدم چل کر وہ مال میں داخل ہوئی، 12 بج کر 5 منٹ ہورہے تھے، سوائے گیٹ کیپر کے مال میں کوئی نفوس نظر نہ آیا، وہ اردگرد طائرانہ نگاہ ڈال کر لفٹ کی جانب بڑھی، وہ لفٹ کی مدد سے اوپر پورشن میں پہنچ چکی تھی اسے اتنی جلدی مال پہنچ جانے پر سخت خفت محسوس ہورہی تھی، اس نے فوڈ آئٹمز کی جانب قدم بڑھائے تھے، اوپر بھی کوئی اسٹاف نظر نہ آیا، فوڈ آئٹمز کے عین سامنے کاسمیٹکس کارنر تھا، بلیو جینز، سوفٹ گرین شرٹ میں ملبوس ایک شخص کی پشت اسے نظر آئی تھی، جبکہ 4 لڑکے سر جھکائے اسے سن رہے تھے، وہ کوکو پاؤڈر کا پیکٹ پکڑے ادھر ہی دیکھنے لگی۔

"یہ کیا ہے؟ تم لوگ صفائی پر کیوں توجہ نہیں دیتے، دیکھو کس طرح دھول مٹی سے اٹا ہوا ہے پورا فلور"۔ وہ ایک ایک چیز اٹھائے انہیں گرد دکھا رہا تھا، مسلسل ڈانٹنے کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھی، 6 فٹ ہائٹ، سڈول جسامت وہ کافی خوبرو لگ رہا تھا، وہ ان لوگوں کو نظر انداز کیے کروکیٹس کا پیکٹ اٹھانے لگی سامنے اسے باسکٹ بھی نظر نہیں آرہی تھی، وہ اسی کشش و پنج میں مبتلا سامان ہاتھوں میں تھامے ہوئے تھی، وہ دوسری جانب مڑ کر باسکٹ کی متلاشی تھی اب ڈانٹنے کی آوازیں آنا بند ہوچکی تھیں۔

"میم! آئے ہیلپ یو؟" اس سے ذرا فاصلے سے آواز ابھری تھی وہ آواز پر بے ساختہ پلٹی تھی، یہ وہی شخص تھا جو اسٹاف کو ڈانٹ رہا تھا تاثیر حسان نے بے ساختہ اسے دیکھا تھا، بلیک بال خوبصورتی سے بنائے، سرخ و سپید رنگت، ذہانت سے بھرپور کالی بھنورا آنکھیں، ستواں ناک، گلابی لب وہ بے ساختہ اسے دیکھے گئی۔

"میم! ٹیک دا باسکٹ"۔ وہ اس کی محویت بھانپ کر پنک باسکٹ اسے تھمانے لگا، اس کی محویت ٹوٹی تھی۔

"تھینک یو سو مچ"۔ وہ باسکٹ تھام چکی تھی، اس کے چہرے پر رمی سی مسکان رقصاں تھی وہ پلٹ چکا تھا، جبکہ تاثیر اب بھی ٹرانس کی کیفیت میں تھی، وہ جیسے تیسے اپنی مطلوبہ چیزیں خرید کر بل پے کر کے مال سے باہر نکلی تھی، اس بات سے قطعی بے خبر کہ دو کالی بھنورا آنکھوں نے اس پرپل ڈریس میں ملبوس نرم و نازک لڑکی کو دیر تک دیکھا تھا۔

☆..........☆..........☆

تاثیر حسان 2 بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی، کارگل کی جنگ میں لڑتے لڑتے ڈیڈی کے شہید ہوجانے کے بعد اسامہ بھائی نے ہی حارث بھائی، ممی اور اس کی ذمے داری اٹھائی تھی، وہ اسے بالکل اپنی بیٹی کی طرح عزیز رکھتے تھے، جبکہ شوہر کے شہید ہوجانے کے بعد رخشندہ بیگم نے اسے بھرپور توجہ دی تھی، دونوں بھائی اس پر جان چھڑکتے تھے جبکہ دونوں بھابیاں بھی بے حد اچھی تھیں، ممی بھی روایتی ساس نہ تھیں اور وہ بھی کبھی نند بنی ہی نہیں تھی دونوں بھابیاں آزادی سے رہتی تھیں اور بے حد خوش مزاج بھی تھیں ان کے گھر میں کبھی معمولی جھگڑے بھی نہیں ہوئے تھے۔ دانیہ اور ملیحہ بھابی آپس میں کزنز اور بیسٹ فرینڈز تھیں، ممی نے اسامہ بھائی کے لیے دانیہ بھابی کا انتخاب کیا تو ملیحہ بھابی بھی انہیں ایک سال چھوٹے حارث کے لیے بے طرح پسند آئیں یوں دونوں دوستیں "حسان کاٹیج" میں رونق بکھیرنے لگیں۔ ممی بے حد مطمئن تھیں، دونوں بیٹے بے حد لائق اور تابع دار تھے اور دونوں بہویں بالکل بیٹیوں جیسی ہی تھیں، وہ اپنی زندگی سے بے حد مطمئن اور خوش تھی، ڈیڈی کی کمی اسے اکثر محسوس ہوا کرتی تھی مگر ممی ہمیشہ اسے کہا کرتی تھیں۔

"بیٹا! تمہیں تو فخر ہونا چاہیے تم ایک شہیدانِ وطن کی اولاد ہو"۔ وطن کے لیے ڈیڈی کو قربان کردینے کے بعد وہ کسی کو بھی کھونے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی، وہ بے حد کم ہمت اور قدرے سنجیدہ تھی اور دونوں سہیلیاں اس کے برعکس بے حد ہنس مکھ اور زندہ دل تھیں مگر پھر بھی ان کی دوستی بے حد گہری تھی۔

☆..........☆..........☆

آج مستقل مال میں آتے ہوئے اسے تیسرا دن تھا، وہ فقط اسے دیکھنے ہی آئی تھی پتہ نہیں اس شخص میں اسے کیا دکھا تھا جو وہ خود کو لعنت ملامت کیے یونیورسٹی سے واپسی میں مال آ گئی تھی، اسے کچھ بھی خریدنا نہیں تھا پھر بھی وہ اوپر پورشن میں بظاہر چیزیں دیکھنے میں مگن تھی، مگر اس کی نگاہیں مسلسل اس اجنبی کی متلاشی تھیں مگر وہ اسے ابھی تک نظر نہیں آیا تھا۔

''السلام علیکم سر!'' وہ جو بظاہر لپ اسٹکس کے شیڈز چیک کر رہی تھی بے ساختہ آواز کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

''وعلیکم السلام!'' وہ سلام کا جواب دیتا عجلت میں اوپر آ رہا تھا، کیمل ڈریس پینٹ، چاکلیٹ کلر کی شرٹ، براؤن گلاسز آنکھوں پر چڑھائے، تازہ تازہ شیو کی نیلاہٹیں لیے، خوبصورتی سے بال بنائے وہ بے حد اچھا لگ رہا تھا، تاثیر حسان نے بے ساختہ نظریں چرائی تھیں، اور لپ اسٹکس پسند کر چکنے کے بعد انہیں باسکٹ میں رکھنے لگی، آج وہ تھوڑی دیر سے آیا تھا اس کی نگاہ تاثیر حسان پر پڑ چکی تھی، مگر وہ اس پر بے حد سرسری سی نظر ڈالے آگے بڑھ چکا تھا جبکہ تاثیر اسے جاتا ہوا دیکھنے لگی، اس کا اسے یوں نظر انداز کرنا بے حد کھلا تھا، اسے خود پر بے تحاشہ غصہ آیا تھا، وہ اپنی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھی، وہ یونہی بے دلی سے پے منٹ کیے باہر آ گئی تھی اسے بے حد رونا آ رہا تھا، اس نے دوبارہ مال نہ آنے کا تہیہ کر لیا تھا، آنکھوں میں آئی نمی کو چھپانے کے لیے اس نے جلدی سے سن گلاسز آنکھوں پر چڑھا لیا تھا جبکہ فرسٹ فلور پر کھڑے شخص نے متحیر نگاہوں سے اس روتی ہوئی لڑکی کو دیکھا تھا، اس کے دروازہ عبور کر کے مال سے نکل جانے کے بعد وہ تادیر اسے سوچتے رہنے کے بعد اسٹاف کو ہدایات دینے لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

نجانے اس اجنبی میں اسے کیا دکھا تھا جو وہ مستقل اسے ہی سوچے جا رہی تھی کسی کام میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا، وہ پچھلے ایک ہفتے سے مال بھی نہیں گئی تھی اس نے خود کو سرزنش کی تھی، تاثیر حسان جسے صرف اپنے ہمسفر سے ہی محبت تھی، جو صرف اس کے لیے ہی بنایا گیا ہے، وہ دل و جان سے اس کی ہی منتظر تھی، مگر نجانے اس شخص کی شخصیت میں کیسا طلسم تھا، جو اس کا دل بے اختیار ہو کر اس کی جانب ہمکنے لگا تھا، پاگل دل صرف اس کی ہی خواہش کرنے لگا تھا، آج یونیورسٹی میں بھی اس کا موڈ بے حد آف تھا، یہ اس کے BS کا لاسٹ ایئر تھا، وہ لیٹیکل سائنس میں BS کر رہی تھی، کلاس ختم ہو چکی تھی، اس نے اروئی اور سارا کے ساتھ کینٹین کا رخ کیا تھا، سارا سے اس کی دوستی دو سال پرانی تھی اس نے گریجویشن کے بعد یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا جبکہ اروئی سے دوستی اسکول کے زمانے سے تھی، سارا کا گھر بے حد Opposite Side پر تھا، اس نے بے شمار مرتبہ ان دونوں کو اپنے گھر بلایا تھا، مگر وہ دونوں ہی کسی نہ کسی وجہ سے اس کے گھر نہیں جا سکی تھیں، جبکہ سارا متعدد مرتبہ ان کے گھر آ چکی تھی۔

''کس کے خیالوں میں کھوئی ہوئی ہو؟'' وہ اسنیکس کھاتے ہوئے کسی اور ہی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی جب سارا نے اسے پکارا۔

''کس کے خیالوں میں کھونا ہے مجھے، بس سیمسٹرز کی تھوڑی ٹینشن ہے''۔ وہ کولڈ ڈرنک لبوں سے لگاتے ہوئے کہنے لگی۔

''ٹینشن اور تمہیں..... وہ بھی پیپرز کے حوالے سے؟ دونوں متضاد باتیں ہیں محترمہ! تمہاری تیاری تو کلاس میں سب سے زیادہ اچھی ہے، پوزیشن تو تمہاری ہی آئے گی''۔ اروئی نے فرنچ فرائز کھاتے ہوئے کہا تھا۔

''اتنی بھی جینئس نہیں ہوں کہ پوزیشن آ جائے، کلاس میں ذہین اسٹوڈنٹس کی بھرمار ہے''۔ تاثیر نے

ناک سکوڑتے ہوئے کہا۔

''اچھا میں گھر جا رہی ہوں، بھائی لینے آ گئے ہیں، آج انہیں چکوال واپس جانا ہے اور وہ مجھ سے ملے بنا نہیں جائیں گے، کل ملاقات ہوتی ہے سویٹ ہارٹس!'' وہ ان دونوں سے گلے ملتی واپسی کے راستے پر محو سفر ہو چکی تھی۔

''تاثیر! مجھے گرمیوں کے لیے لان کا ڈریس لینا ہے، تم میرے ساتھ ''اسٹائل ان شاپنگ مال'' چل رہی ہو؟'' اروئی نے اسے اس مال میں ساتھ چلنے کی آفر کی تھی۔

''ہم کسی اور شاپنگ مال بھی جا سکتے ہیں''۔ تاثیر نے قدرے ناگواری سے کہا تھا۔

''جا تو ہم کراچی کے کسی بھی مال میں سکتے ہیں ڈیئر! مگر اسٹائل ان میں لان کے بے حد زبردست کلیکشن آئے ہوئے ہیں، ارفعہ بتا رہی تھی''۔ اس نے اپنی کزن کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔

''اوکے''۔ وہ یہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اوہ.... تم سچ میں مان گئیں؟ تم کسی بات سے انکاری ہو جاؤ اور پھر ہامی بھر دو، یہ تو سورج مغرب سے نکلنے والا معاملہ لگتا ہے میڈم!'' وہ مسکرائے جا رہی تھی۔

''زیادہ ہنسومت، میں تو اس لیے راضی ہو گئی کہ کہیں تمہارے پاس روزمرہ کے پہننے کے لیے کپڑے نہ ختم ہو جائیں، اور تم یونیورسٹی ان پرانے اور گھسے ہوئے ایک سال پرانے کپڑوں میں آؤ، کیا تمہیں ان بدرنگ اور پرانے کپڑوں میں ملبوس دیکھ کر مجھے اچھا لگے گا؟'' وہ مسلسل اسے چڑا رہی تھی جبکہ اروئی نے اس کی زبردست چٹکی لی تھی۔

''کاش...! وہ آج بھی نظر آ جائے''۔ دل نے خواہش کی تھی، وہ یہ خواہش دل میں لیے مال میں جانے کے لیے کار اسٹارٹ کرنے لگی۔

☆.....☆.....☆

وہ دونوں مال میں داخل ہوئیں تو اردگرد تمام نفوس روبوٹ کی مانند ادھر ادھر اپنے معمول کے کام کرتے نظر آئے، وہ ان 3 دنوں میں مال کھلتے ہی آ رہی تھی مگر وہ آج 2 بجے مال آئی تھی، تمام لوگ کام میں مشغول تھے جبکہ اروئی گراؤنڈ فلور میں انٹرنس پر ڈمی میں لگے لان کے ڈیزائنر ڈریسز دیکھنے لگی، جبکہ تاثیر حسان کی نظریں شاپنگ مال کے چاروں اطراف تھیں، ڈمی پر ایک سوٹ سلیکٹ کیے اروئی نے اسے اوپر چلنے کا کہا تھا، وہ بھی اروئی کے ہمراہ لفٹ پر چڑھ چکی تھی، دل سے دعا کرتی کہ وہ اجنبی آج بھی نظر آ جائے مگر وہ کہیں بھی نہیں تھا، وہ آج ایک ہفتے کے بعد آئی تھی، آج اسے مال میں نہ دیکھ کر اسے پتہ نہیں اتنا دکھ کیوں ہو رہا تھا۔

''تاثیر! تم بھی ایک ڈریس لے لو ناں''۔ کپڑے کی کوالٹی چیک کرتے ہوئے اروئی نے اس کا کاندھا ہلایا تھا۔

''نہیں بھابی پچھلے ہفتے میرے لیے کافی سارے لان کے ڈریس لے آئی ہیں''۔ وہ چاروں طرف نظر دوڑاتی بے دلی سے گویا ہوئی، کراکری پورشن، فوڈز کارنر، کاسمیٹکس کارنر، لیڈیز ڈریس پوائنٹ، جینٹس کلاتھ کارنر وہ ہر ایک جگہ دیکھ چکی تھی، مگر وہ کہیں بھی نہیں تھا۔

''تاثیر! تم تو شاپنگ میں انٹرسٹ ہی نہیں لے رہی ہو''۔ وہ ڈریس پسند کرتی گویا ہوئی۔

''میرا شاپنگ کا ذرا بھی موڈ نہیں ہے یار! بس تمہارے لیے ہی آئی ہوں ڈیئر!'' وہ کہنے لگی۔

''اچھا بس 5 منٹ میں چلتے ہیں''۔ اروئی ڈریس کی سلیپ بنواتے ہوئے کہنے لگی، اسے نہ پا کر اسے بے اختیار رونا آنے لگا، تمام اسٹاف اپنا کام بخوبی انجام دے رہا تھا، جنہیں وہ صلواتیں سنایا کرتا تھا۔

''پتا نہیں مجھے ہو کیا گیا ہے، میں یہ کیسی فضول حرکت کر رہی ہوں، ایسے تو میں نے کبھی نہیں کیا''۔ اسے خود پر بے حد غصہ آ رہا تھا۔

''چلو چلیں''۔ اروئی تمام ڈریسز پیک کروا چکی تھی، الوداعی نگاہ مال پر ڈالتے وہ لفٹ سے نیچے آنے لگی۔

''شاید میں آج لیٹ آئی ہوں''۔ وہ خود کو بہلائے اروئی کے ہمراہ فرسٹ فلور پر آ کر کاؤنٹر کی جانب بڑھی، بل پے کرنے کے بعد ڈریسز ڈلیورڈ کاؤنٹر سے لیے اس نے اروئی کو گھر ڈراپ کرنے کے بعد اپنے گھر کا رخ کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

گھر آ کر بھی اس کا موڈ بے حد آف رہا تھا، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی آخر اسے کیا ہوتا جا رہا ہے، اس نے دنیا میں بہت سے اچھے لڑکے دیکھے تھے، مگر نجانے اس اجنبی کی شخصیت میں کیسی کشش تھی وہ سمجھنے سے قاصر تھی، اس کا دل بہت سارا رونے کو چاہ رہا تھا، جب ہی دروازے پر ہلکی سی دستک دیئے بھابی کمرے میں داخل ہوئیں۔

''تاثیر! لنچ کر لو، سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں''۔ ملیحہ بھابی نے اس کا کاندھا ہلایا تھا، اس کا پورا چہرہ گولڈن براؤن بالوں سے ڈھکا ہوا تھا اور وہ تکیے پر چہرہ رکھے تمام لائٹس آف کیے لیٹی ہوئی تھی، آنسو آہستگی سے صاف کرتے اس نے سر اٹھایا تھا۔

''تم ٹھیک تو ہو تاثیر؟'' بھابی اس کا سرخ چہرہ دیکھتے ہوئے پریشان ہو گئی تھیں، سائیڈ لیمپ آن کرتے بھابی نے اس کے بیڈ پر براجمان ہوتے ہوئے اس کے آنسوؤں سے تر چہرے سے بال ہٹائے تھے۔

''بھابی! سر میں بے حد درد ہو رہا ہے''۔ وہ رونی صورت بنائے گویا ہوئی۔

''ارے میری چندا! پہلے بتانا تھا ناں، میں ابھی تمہارا کھانا یہاں لے آتی ہوں، پھر میڈیسن لے کر سو جانا''۔ بھابی اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''بھابی! ممی کو نہ بتائیے گا، وہ خوامخواہ پریشان ہو جائیں گی، بس آپ مجھے میڈیسن دے دیں''۔ اس نے جاتے ہوئے بھابی کے ہاتھ تھامے تھے، بھابی بے ساختہ مسکرا اٹھیں۔

''تم آرام کرو، میں ابھی آتی ہوں''۔ اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے وہ جا چکی تھیں اور وہ ان کی محبت پر مسکرانے لگی، کچھ وقت بعد میڈیسن لیے وہ نیند کی وادیوں میں گم ہو چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

یونیورسٹی سے میم امروزیہ کی کلاس بنک کر کے آج وہ دوبارہ پورے 12 بجے شاپنگ مال میں موجود تھی، مال میں بالکل ویسا ہی سناٹا تھا جیسا ان 3 دنوں میں تھا، اس کے انگ انگ میں سرشاری کی لہر دوڑ گئی، وہ پرمسرت انداز میں لفٹ کی مدد سے اوپر جانے لگی، اسٹاف کے چند ایک ورکر کام میں مشغول تھے، جبکہ باقی کے اسٹاف ایک ساتھ کھڑے ہو کر کوئی کرنٹ افیئر ڈسکس کر رہے تھے، کام میں ان کی دلچسپی نہ ہونے کے برابر تھی۔

''اوہ.....تو اس لیے ان لوگوں کو ڈانٹ پڑتی ہے''۔ انہیں لاپرواہی سے قہقہے لگاتے دیکھ کر وہ یہ سوچے بنا نہ رہ سکی، مال میں کسٹمرز نہ ہونے کے برابر تھے وہ یوں ہی مال میں پھرتی چیزیں دیکھنے لگی، وہ فوڈز پورشن میں کھڑے ہو کر اس جگہ کو بغور دیکھنے لگی جہاں وہ اجنبی کھڑا اسے باسکٹ تھما رہا تھا۔

''کاش.....آج وہ نظر آ جائے''۔ اس کے دل نے بارہا یہ خواہش کی تھی، یونہی مال میں پھرتے اس کا انتظار کرتے کرتے 12:50 ہو چکے تھے اسے مایوسی ہونے لگی وہ چند ایک سامان لے چکی تھی، کاسمیٹکس کارنر پر ایک ٹین

ایج لڑکا کھڑا تھا۔

''ایکسکیوزمی!'' وہ بے اختیار اسے پکار بیٹھی۔

''جی میم!'' اس نے کاسمیٹکس کی سیٹنگ تبدیل کرتے مودبانہ لہجے میں کہا۔

''وہ جو سر ہیں، جو ہر وقت سب کو سرزنش کرتے رہتے ہیں وہ کون ہیں؟'' وہ جیسے تیسے پوچھ بیٹھی۔

''اوہ.....جی وہ تو ہمارے مال کے اونر کے چھوٹے بیٹے ہیں، چھٹیوں پر آتے ہیں اور جب بھی آتے ہیں تمام اسٹاف کی جان نکل جاتی ہے''۔ اس نے اس کے ذکر پر منہ بناتے قدرے ناگواری سے کہا تھا، جس پر تاثیر حسان نے اچھنبے سے اسے دیکھا تھا، اس کی بات مکمل بھی نہ ہوئی تھی جب ہی منیجر نے اسے بلایا تھا وہ ایکسکیوز کرتا منیجر کی جانب بڑھا تھا، جبکہ منیجر تاثیر کو بغور دیکھ رہا تھا اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ کچھ نروس ہوئی تھی، زینہ طے کر کے اس نے کاؤنٹر کا رخ کیا تھا، پھر اس کا روز کا یہی معمول تھا، نا چاہتے ہوئے بھی خود کو لاکھ سرزنش کیے وہ مال جانے لگی تھی، کبھی کبھی Sunday اور Saturday بھی چلی جایا کرتی تھی، مگر ہر بار اسے مایوسی ہوتی تھی، متعدد مہینے ہو چکے تھے، مگر وہ پھر دوبارہ نظر نہیں آیا تھا وہاں۔ تمام ورکرز اسے باقاعدگی سے مال آتا دیکھتے بے حد حیران ہوا کرتے تھے، وہ وہاں کی ریگولر کسٹمر بن چکی تھی، وہ باقاعدگی سے مال آتی اور چند ایک سامان خرید کر مایوس لوٹ جاتی۔

''پتا نہیں میں اس کے لیے اس قدر خوار کیونکر ہو رہی ہوں''۔ وہ اپنے پاگل پن پر بے طرح حیران ہوا کرتی۔

''اتنا بے اختیار تو میں کبھی کسی کے لیے نہیں ہوئی، پھر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟'' وہ سوچنے لگی، پہلے بھی وہ کون سا بے حد زیادہ بولنے کی عادی تھی اب تو اس نے بولنا ہی چھوڑ دیا تھا، گھر والوں کے ساتھ ساتھ اروئی اور سمارا نے بھی یہ بات نوٹ کی تھی اس کی خاموشی کی بابت بارہا استفسار کیا تھا، مگر اس کے پاس ان کے کسی بھی سوال کا جواب نہ تھا حتیٰ کہ اس کے پاس اپنے سوالوں کا بھی جواب نہ تھا۔

☆.....☆.....☆

اس کا معمول اب بھی وہی تھا، میم امروزیہ اپنی کلاسز آف کر چکی تھیں، ایگزامز میں چند دن ہی رہ گئے تھے، پھر بھی اروئی اپنی نانی کے گھر ملتان گئی ہوئی تھی، اس کے میم امروزیہ کے بے شمار لیکچرز چھوٹ گئے تھے وہ تمام لیکچر سمارا سے اس وعدے کے ساتھ لے آئی تھی کہ 2 دنوں میں پورٹ فولیو بنا کر وہ لیکچرز اسے بھجوا دے گی، وہ یونیورسٹی سے 11:40 پر نکل گئی تھی، یونیورسٹی سے مال تک کا فاصلہ پینتیس منٹس پر محیط تھا، آج ان کی آخری کلاس تھی، اب پیپرز کے دوران ہی ملاقات ہونا تھی، سمارا نے اسے اپنے گھر چلنے کے لیے کافی اصرار کیا تھا، مگر اس نے 2 دنوں بعد آنے کا وعدہ کر لیا تھا، وہ 12:13 پر مال میں تھی، گاڑی پارک کیے بلیک دوپٹہ مضبوطی سے سر پر جمائے، پرس اور سن گلاسز لیے مال میں انٹر ہوئی، گیٹ کیپر نے ایک مسکراتی نگاہ اس پر ڈال کر دروازہ وا کر دیا تھا، انہیں سلام کرتی وہ آگے بڑھی تھی وہ گراؤنڈ فلور پر سرسری نظروں سے سامان دیکھتی لفٹ کی جانب بڑھی تھی۔ مال میں موجود ہر ایک چیز اور مال کا ہر ایک گوشہ اسے ازبر ہو چکا تھا، وہ آنکھیں بند کیے وہاں کی ہر ایک چیز بتا سکتی تھی وہ اوپر آ چکی تھی، منیجر کے ساتھ اس اجنبی کو کھڑا دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی تھی، اس کی ایک ہارٹ بیٹ مس ہوئی تھی، اس کے چہرے پر بے اختیار جان دار مسکراہٹ بکھر گئی تھی، وہ بلیک جینز اور اسموک گرے شرٹ میں ملبوس تھا، جبکہ تاثیر حسان بلیک لان کے پرنٹڈ ڈریس میں ملبوس کسی بت کی مانند کھڑی تھی، اس

اجنبی کی نگاہ اس پر جا چکی تھی، جب ہی پاس کھڑے منیجر نے بے حد آہستگی سے اسے کچھ کہا تھا، جس سے اس اجنبی کے جاذب چہرے پر حیرت کا تاثر ابھرا تھا اور بے ساختہ اس نے تاثیر کو دیکھا تھا۔

''یقیناً اس منیجر نے بتادیا ہے کہ میں روزانہ یہاں آتی رہی ہوں''۔ اس کی خوشی یک دم رفع ہو چکی تھی، منیجر اس کے تاثرات کو ملاحظہ کر رہا تھا جبکہ اجنبی نے اپنی نگاہوں کا زاویہ بدل لیا تھا اسے بے اختیار رونا آیا تھا وہ جس طرح آئی تھی ویسے ہی پلٹ گئی، اس کا دل بالکل اچاٹ ہو گیا تھا، اس منیجر نے اسے بری طرح شرمندہ کر دیا تھا، تیزی سے زینے طے کرتی لڑکی کو اجنبی نے بغور دیکھا تھا، اسے بے حد افسوس ہوا تھا، اس پری پیکر کے چہرے پر شرمندگی کا تاثر دیکھ کر، یہ وہی پری چہرہ تھا جس نے پچھلے 7 ماہ سے اس کی نیندیں چرالی تھیں۔

☆.....☆.....☆

گھر آ کر بھی اس کا موڈ بے حد آف رہا تھا۔ 7 مہینے بعد اسے دیکھ کر دلی مسرت ملی تھی، مگر منیجر نے اسے اس کی بابت بتا کر اسے بری طرح شرمندہ کر دیا تھا۔ اس کا دل بہت سارا رونے کو چاہ رہا تھا وہ اپنے کمرے میں بند ہو کر تادیر بے آواز روتی رہی۔

''اگر میں مر بھی جاؤں تو دوبارہ اس مال میں قدم نہیں رکھوں گی''۔ اس نے خود کو سرزنش کیے آنکھوں کو بے ساختہ رگڑ ڈالا، دل میں درد کی ٹیسیں سی اٹھ رہی تھیں، اس کی ایک جھلک دیکھنے کو وہ باقاعدگی سے وہاں جاتی رہی تھی، اپنا تماشا بنتا دیکھ کر اسے خود پر بہت غصہ آیا تھا، چہرے پر پانی کے چھپکے مار کر اس نے کچن کا رخ کیا تھا، ملیحہ اور دانیہ بھابی کچن کے کاموں میں مصروف تھیں۔

''السلام علیکم بھابی!'' وہ فریج سے پانی کی بوتل نکالتی ان پر سلامتی بھیجنے لگی۔

''وعلیکم السلام!'' دونوں نے مسکرا کر کورس میں جواب دیا، وہ وہیں کچن سے منسلک ڈائننگ کی کرسی پر بیٹھ کر پانی پینے لگی۔

''آج تم جلدی آ گئیں؟'' دانیہ بھابی چائے کا پانی چولہے پر چڑھاتے ہوئے استفسار کرنے لگیں۔

''جی بھابی! آج ہماری لاسٹ کلاس تھی ناں اسی لیے، کلاس جلدی آف ہو گئی تھی''۔ وہ پانی پیتے ہوئے گویا ہوئی۔

''مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی ہے؟'' اس کے ستائے چہرے کو بغور دیکھتے ملیحہ بھابی نے بے ساختہ اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا، محبت کے اس اظہار پر وہ مسکرانے لگی۔

''بھئی! مسکرایا کیوں جا رہا ہے؟'' اسپرنگ رول اور اسٹرابری جوس کا گلاس اس کے سامنے رکھتے دانیہ بھابی نے معنی خیز لہجے میں استفسار کیا تھا۔

''آپ دونوں کی بے پناہ محبت پر مسکرا رہی ہوں بھئی! اور کس لیے، میری زیادہ تر کلاس میٹس کی بھابیاں تو نندوں کو فری ہی نہیں کرواتی ہیں، آئے دن ان کے گھر میں معرکے ہوتے ہیں''۔ وہ جوس کا گلاس لبوں سے لگاتی گویا ہوئی۔

''ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا اگر محبت اور عزت دو گے تو بدلے میں ملے گی بھی، ممی اور تم سے ہم دونوں کو کوئی شکایت ہے ہی نہیں، تم لوگ ہم پر بے جا تنقید کرتے ہی نہیں ہو، میری اور ملیحہ کی تو بے حد گہری دوستی ہے، ہم باتوں کے دوران جھٹ تمام کام نمٹا لیتے ہیں اور کام ہیں ہی کیا گھر میں، اسامہ اور حارث کی بھی ایسی عادت نہیں ہے، جب کوئی وجہ ہے ہی نہیں تو ہم خواہ مخواہ معرکے کیوں کریں؟'' دانیہ بھابی نے اس کے بال سنوارتے وضاحت کی تھی، وہ بھی مسکرانے لگی۔

''آپ دونوں دنیا کی بیسٹ بھابیاں ہیں''۔ جوس کا گلاس خالی کرتی وہ فریج سے سیلیڈ بنانے کے لیے سبزیاں نکالنے لگی۔

''اور تم ہماری پیاری سی گڑیا ہو''۔ اس کے گالوں کو نرمی سے چھوتے سیلیڈ کا سامان اس کے ہاتھوں سے لیتے ہوئے ملیحہ بھابی نے کہا تھا۔

''بھابی! مجھے بھی تو کچھ کرنے دیں''۔ وہ کہنے لگی۔

''میری چندا! تم تھک گئی ہو گی، جا کر آرام کرو، یہ تمام کام کرنے کے لیے زندگی پڑی ہے''۔ دانیہ بھابی نے اسے روم میں بھیجا تھا، پاس سے گزرتی ممی نے ان تینوں کو بے حد محبت سے دیکھا تھا وہ خود کو بے انتہا خوش قسمت سمجھتی تھیں، ان کا گھر خوشیوں کا گہوارہ تھا، پورا خاندان حیران ہوا کرتا تھا، گھر میں دو بہوئیں، ساس اور نند ہونے کے باوجود اس گھر میں کبھی معمولی بحث و تکرار کیوں کر نہیں ہوتی؟

☆.....☆.....☆

ان دو دنوں میں اس نے متعدد مرتبہ خود کو سرزنش کی تھی، پورٹ فولیو مکمل کرنے کے بعد اس کا ارادہ سارا کے گھر جانے کا تھا، اس نے دونوں بھابیوں کو ساتھ چلنے کے لیے کہا تھا مگر ان دونوں کو میکے جانا تھا اس نے سارا کو اپنے آنے کی اطلاع دے دی تھی پہلی بار وہ سارا کے گھر جا رہی تھی، اسے بے حد عجیب محسوس ہو رہا تھا اور اردی پر بے حد غصہ بھی آ رہا تھا اس کا پورٹ فولیو بھی تاثیر نے ہی بنایا تھا، سارا نے اپنے اور اپنی فیملی کے متعلق بہت کچھ بتا رکھا تھا، اس کے بڑے بھائی فائز ان کی وائف اور بھتیجا ساتھ رہتے ہیں، جبکہ ان سے چھوٹی بہن شارجہ میں مقیم ہیں، ان سے چھوٹا بھائی نیوی میں تھا اور وہ خود اس کے ساتھ ماسٹر کر رہی تھی، اس کی بات اس کی پھپھو کے بیٹے سے طے تھی، وہ Higher Studies کے لیے لندن گیا ہوا تھا اس کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد وہ پیا دیس سدھار جائے گی، اسے اس کے متعلق بہت کچھ پتا تھا پھر بھی اسے ہچکچاہٹ محسوس ہو رہی تھی، مقررہ وقت سے 10 منٹ کی تاخیر سے وہ اس کے گھر پہنچی تھی اس کا گھر بے حد وسیع تھا، اسے دیکھتے ہی گیٹ کیپر نے دروازہ وا کر دیا تھا، دیو ہیکل دروازے کو پار کرتے اس نے پورچ میں گاڑی پارک کی تھی گارڈن ایریا میں چلتے ہوئے گھر کی پنک اینڈ گرے دیدہ زیب عمارت تھی تین فلورز پر مشتمل وہ گھر کافی آرٹسٹک اسٹائل کا تھا اس کے ماتھے پر ''زبید ولا'' درج تھا، سارا وہیں کھڑی تھی، تاثیر کو دیکھ کر اس کے لبوں پر جاندار مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

''السلام علیکم محترمہ! مجھے اپنی بصارت پر ہرگز بھی یقین نہیں آ رہا، واقعی تم میرے گھر آئی ہو؟'' اسے گلے لگاتے سارا نے بے اختیار کہا تھا، وہ بھی مسکرانے لگی وہ اسے ڈرائنگ روم میں لے آئی اس کا گھر نہایت خوبصورتی سے آراستہ تھا، انٹیریئر ڈیزائننگ بے حد شاندار تھی وہ روم میں طائرانہ نگاہ ڈال کر ڈارک پرپل صوفے پر براجمان ہو چکی تھی، ملازم نے ویلکم ڈرنک سرو کیا تھا وہ ڈرنک تھامے سپ لینے لگی، جب ہی روم میں ایک پروقار خاتون داخل ہوئیں، وہ بے ساختہ انہیں سلام کرتے ہوئے صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''وعلیکم السلام بیٹا! خوش رہو''۔ اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے وہ اس کے عین سامنے لائٹ پرپل صوفے پر براجمان ہو گئیں جبکہ سارا اس کے عین سامنے براجمان تھی۔

''بیٹا! سارا تو تمہارا ذکر کرتے نہیں تھکتی ہے، مجھے تو تمہارے متعلق بتا بتا کر اس نے اشتیاق میں مبتلا کر دیا تھا، تم واقعی بے حد پیاری ہو''۔ وہ ان کے انداز تخاطب پر جھینپ گئی۔

''اور کیا کیا مصروفیات ہیں آپ کی بیٹا؟'' انہوں نے بغور اسے دیکھتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

''کچھ نہیں آنٹی! اسٹڈی کے بعد اپنا تمام تر وقت فیملی کو دیتی ہوں، اکثر کوکنگ اور بیکنگ میں ہیلپ کرتی ہوں بھابیوں کی''۔ وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

''ہوں.... ویری گڈ بیٹا!'' کہہ کر وہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں۔

''تم سے مل کر مجھے واقعی بے حد اچھا لگا، اب تم ہمیشہ آتی رہنا ٹھیک ہے؟'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''جی آنٹی! آپ بھی ہمارے گھر آئیں ناں''۔ وہ کہنے لگی۔

''انشاء اللہ بیٹا! جلد آؤں گی''۔ وہ کہنے لگیں۔

''سارا! تاثیر کو اپنے بیڈ روم میں لے جاؤ، میں کمرے میں جارہی ہوں، بیٹا! تم سے ڈنر میں ملاقات ہوگی''۔ آخری جملہ انہوں نے اس سے کہا تھا، ڈنر تک رکنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا، وہ اس کے رخسار کو نرمی سے چھوتے ہوئے باہر نکل گئیں، اس نے کھل کر سانس لیا تھا وہ خاتون بے حد اچھی تھیں مگر ان کی آنکھوں کی چمک نے اسے کنفیوژ کر ڈالا تھا۔

''کس دنیا کی سیر کر رہی ہیں محترمہ! اسی دنیا میں واپس آجائیں''۔ سارا نے اس کے بازو کو جھنجھوڑا تھا۔

''انسان نہیں بن سکتیں تم؟'' تاثیر نے گھورا تھا۔

''نہیں ڈیئر!'' وہ کھلکھلا رہی تھی۔

''بائی داوے ڈیئر! ممی کو تم جیسی سلجھی ہوئی اور سنجیدہ لڑکیاں بے حد پسند ہیں، مجھ پر تو خوب خفا ہوتی ہیں، تم سے ملنے کا انہیں شوق تھا میں نے انہیں بتادیا تھا کہ میری ایک دوست تاثیر حسان انسانوں کی کیٹیگری سے بی لانگ کرتی ہے، آپ کو اس سے مل کر اچھا لگے گا''۔ اس کی گھوریوں کی پرواہ کیے بنا وہ اسے چڑا رہی تھی۔

''تم بھی انسانوں کی کیٹیگری میں شمولیت اختیار کرلو، پھر تمہاری پھپھو تم سے بھی خوش ہوں گی''۔ وہ کہنے لگی۔

''سوچوں گی، چلو تمہیں اپنا روم دکھاؤں''۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے صوفے سے اٹھانے لگی اور زینے کی جانب بڑھی، تاثیر اس کے ساتھ چل رہی تھی۔

وہ سارا کے ہمراہ اس کے بیڈ روم میں آئی تھی، اس کا بیڈ روم گولڈن اینڈ مہندی گرین کنٹراس کا تھا پورے روم میں مہندی گرین پردے، فرنیچر، گولڈن کارپٹ لگے تھے کمرہ کافی کشادہ تھا، کلر کنٹراس اسے کافی پسند آیا تھا وہ سراہے بنا نہ رہ سکی۔ دیواروں پر پوری فیملی کی تصویریں آویزاں تھیں، وہ روم میں چلتی ہوئی تصویریں دیکھنے لگی، سارا اس کے پیچھے ہی تھی، دیوار گیر فریم کی پہلی رو میں تاثیر کی ممی، پپا کی تصویر تھی، وہ دونوں ساتھ کھڑے مسکرا رہے تھے۔

''یہ تصویر اپیا کی شادی کی ہے''۔ سارا بتاتی جارہی تھی، دوسری تصویر میں ایک خوبصورت سی خاتون بلیو ساڑھی پہنے ہوئی تھیں ان کے ساتھ 4 سالہ بچہ کھڑا تھا جبکہ بچے کا ہاتھ تھامے ایک ہینڈسم سے مرد کی تصویر تھی۔

''بے حد پیاری جوڑی ہے''۔ وہ مسکراتی گویا ہوئی۔

''ہوں.... بھائی، بھابی کی جوڑی بے حد اچھی ہے اور ارقم تو ہے ہی پیارا نا بھائی، بھابی اور ارقم اسلام آباد گئے ہوئے ہیں ان کی سسٹر کی شادی ہے، بھابی بھی بے حد اچھی ہیں تمہیں ان سے مل کر بہت اچھا لگے گا''۔ وہ کہنے لگی وہ ذرا اور آگے بڑھی تھی، مگر اس کی سانسیں رک چکی تھیں، وہ آنکھیں پھاڑے تصویر کو بغور دیکھ رہی تھی، پاکستان نیوی کی وائٹ یونیفارم، وائٹ کیپ کو سیدھے ہاتھ کی دو انگلیوں سے پکڑے لبوں پر دلکش مسکان سجائے بلاشبہ وہ نال والا ہی شخص تھا، سیکنڈ تصویر پاک بحریہ کے کیچوئل

ڈریس میں تھی، نیوی بلیو ڈریس پینٹ اور اسکائی بلیو شرٹ میں ملبوس وہ بوٹ کے بل گھاس پر بیٹھا تھا، اس تصویر میں بھی وہ مسکرا رہا تھا، تصویروں سے تو یہی تاثر مل رہا تھا کہ موصوف بے حد ہنس مکھ ہیں، مگر اس نے اسے مسکراتے نہیں دیکھا تھا، وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی، اس کے دل میں درد کے تار چھڑ گئے تھے، اس نیلے جل کے باسی سے اسے بے ساختہ چڑ ہوئی تھی۔

''یہ میرے بھائی ہیں حاجز زبید، MBA ڈگری ہولڈر ہیں، 5 سال سے پاک بحریہ سے منسلک ہیں، فی الحال ایک کمانڈر کی حیثیت سے پاک بحریہ میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں، انشاء اللہ جلد Captain بننے والے ہیں''۔ اس کی دگرگوں حالت اور اڑتی رنگت سے بے خبر سارا جانے اور کیا کیا کہے جارہی تھی۔

''بھائی اپنے فرینڈ کے گھر گئے ہوئے ہیں، 4 روز قبل ہی چھٹیوں پر آئے ہیں، تمہیں ان سے ملواؤں گی''۔ وہ کہنے لگی جبکہ تاثیر حسان سانس لینا بھول چکی تھی، اس سے ذرا آگے سارا اور اس کی میرڈ سسٹر کی تصویر تھی، پورے روم میں فیملی فوٹوز آرٹسٹک اسٹائل میں لگائی گئی تھیں، تاثیر حسان کے لیے کھڑا ہونا دوبھر ہوگیا تھا وہ تصویروں کو نظرانداز کیے بیڈ پر آبیٹھی، سارا نے اس کی خاموشی کو نوٹ کیا تھا۔

''تاثیر! کیا ہوا تم ٹھیک تو ہو؟'' اس نے اس کے برابر بیڈ پر بیٹھتے استفسار کیا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں، مجھے گھر جانا ہے''۔ اس نے تذبذب میں کہا، آنکھیں چھلکنے کو بے تاب تھیں، اس نے بمشکل آنسوؤں کو پیچھے دھکیلا تھا۔

''مگر ابھی تو آئی ہو تم''۔

''میں زیادہ دیر رک نہیں سکتی، ممی کو جلدی آنے کا بتا کر آئی ہوں''۔ اس نے غائب دماغی سے جواب دیا۔

''اسٹائل ان شاپنگ مال تمہارے فادر کا ہے؟'' (کاش وہ ناں کردے، کاش یہ کوئی اور شخص ہو) اس کے دل نے شدت سے کہا تھا۔

''ہاں!''

''مگر تم نے کبھی بتایا نہیں''۔ اس نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ کر استفسار کیا تھا۔

''موقع ہی نہیں ملا، تم نے کبھی پوچھا بھی نہیں، تمہیں وہ شاپنگ مال پسند ہے؟'' سارا نے پوچھا تھا۔

''کبھی کبھی جانا ہوتا ہے''۔

''ہوں.... پپا اور بھیا ہی مال کو وقت دیتے ہیں، ڈفرنٹ شہروں میں بھی اس کی برانچز ہیں، پپا، بھیا وہاں بھی اکثر وزٹ کرتے رہتے ہیں، جبکہ حاجز بھیا جب بھی کراچی آتے ہیں اپنا وقت مال میں اسپینڈ کرتے ہیں، ورکرز کی تو ان سے جان جاتی ہے''۔ وہ مزے سے بتائے جارہی تھی۔

''ہاں پتا ہے''۔ اس نے سن ہوتے دماغ سے آہستگی سے کہا۔

''تم نے بھائی کو کبھی دیکھا ہے؟''

''ہاں.... نہیں''۔

''یا تو ہاں کہہ لو یا نہیں''۔ وہ برا مان گئی۔

''مجھے اتنا یاد نہیں، شاید دیکھا ہو''۔ اس نے نظریں چرائیں۔

''ہائے.... اتنے ہینڈسم ہیں میرے بھیا اگر تم انہیں دیکھتیں تو وہ لازمی تمہیں یاد رہتے، تم نے نہیں دیکھا ہوگا انہیں''۔ اس نے وثوق سے کہا تھا (اسے تو میں کبھی بھولی ہی نہیں) اس نے دل میں سوچا تھا۔ چند ایک لوازمات بے دلی سے کھاتے وہ گھر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''یار! مما خفا ہوں گی، تم ڈنر کیے بنا ہی چلی جاؤ گی تو،

تھوڑی دیر تو رک جاؤ"۔ سارا نے اس کے فق چہرے کو بغور دیکھتے اصرار کیا تھا۔

"سارا! نیکسٹ ٹائم پلیز، میں آنٹی سے معذرت کرلوں گی، فی الحال مجھے جانے دو"۔ اس نے التجا کی تھی۔

"ٹھیک ہے"۔ اس نے احسان جتانے والے انداز میں کہا۔

"مگر نیکسٹ ٹائم تم آؤ گی میری مرضی سے اور جاؤ گی بھی میری مرضی سے"۔ اس نے دھونس سے کہا۔

"او کے میم!" اس کے گلے لگتے وہ مسکرا اٹھی۔

"چلو آنٹی کو اللہ حافظ کہہ دوں"۔ وہ سارا کی ہمراہی میں زینہ طے کرنے لگی، وہ مزید رکنے پر اصرار کرنے لگیں، اس نے نیکسٹ ٹائم آنے کا وعدہ کرلیا تھا اور پورچ کی جانب قدم بڑھائے تھے، وہ زیادہ دیر تک رکنے کی نیت سے ہی آئی تھی، مگر حاجز زبید کو ایک فوجی کی حیثیت سے دیکھ کر اس کے دل کے ارمانوں کا خون ہو چکا تھا، دل میں درد کا نہ تھمنے والا طوفان اٹھ رہا تھا، آنکھیں برسنے کو بے تاب تھیں، سارا اور آنٹی پورچ تک آئی تھیں، وہ اپنی گاڑی کی جانب بڑھی ہی تھی کہ مین گیٹ وا ہوا تھا، بلیک سوک پورچ میں داخل ہوئی تھی، سمپل ڈیلائٹ رنگ کی شرٹ، بلیو جینز میں ملبوس آنکھوں سے سن گلاسز اتارتے وہ متحیر نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا، اس کا دل چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے، وہ یقیناً سوچ رہا ہوگا کہ میں اس کے تعاقب میں مال کے بعد اس کے گھر تک پہنچ گئی ہوں، وہ کسی مجرم کی طرح سر جھکائے ہوئے تھی، چہرہ خفت سے سرخ ہو رہا تھا۔

"السلام علیکم!" کہتا وہ مما اور سارا کی جانب بڑھا تھا۔

"بھیا! یہ میری بیسٹ فرینڈ تاثیر حسان ہے، میں آپ کو skype پہ اکثر یونیورسٹی کے متعلق بتاتی ہوں اور فرینڈز کے متعلق بھی"۔ وہ پرجوش ہو کر کہنے لگی۔

"Nice too meet you, miss Taseer!"۔ وہ کہنے لگا۔

"تاثیر! یہ میرے بہت ہی زیادہ اچھے بھائی ہیں حاجز زبید"۔ وہ متعارف کروانے لگی۔

"او کے آنٹی! میں چلتی ہوں"۔ وہ اسے دیکھے بنا گاڑی میں بیٹھ چکی تھی اور فراٹے سے گاڑی پورچ سے نکالنے لگی، حاجز زبید نے اس کے ناسمجھ آنے والے انداز کو بغور ملاحظہ کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ پیپرز کی تیاریوں میں مگن تھی، اروئی بھی گھر آ چکی تھی، سارا کے گھر سے آئے اسے ایک ہفتے کا عرصہ ہو چلا تھا وہ شام کی چائے کے ساتھ پوٹیٹو موزریلا پیزا، نگٹس، چکن کٹلس بنانے میں منہمک تھی، جب ہی سیل فون گنگنا اٹھا، نمبر سارا کا تھا، بیکنگ گلوز ہاتھ سے نکال کر اس نے کال پک کی تھی، ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اس نے ممی سے بات کروانے کا کہا تھا۔

"کیوں؟" اس نے بے ساختہ پوچھا۔

"پتا نہیں ممانے کہا ہے وہ آنٹی سے بات کریں گی کروادو"۔ سارا نے کہا تھا اس نے سیل فون ممی کو تھما دیا اور کچن میں آ گئی، کچھ دیر بعد دانیہ اور ملیحہ بھابی بھی کچن میں آ چکی تھیں، سیل فون اسے تھمائے ڈنر کا مینو ڈیسائڈ کرنے لگیں، وہ خاموشی سے ان دونوں کو دیکھنے لگی، اس کا ذہن عجیب ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا، نجانے سارا کی ممانے ممی سے کیا بات کی، اس کے اردگرد خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔

"بھابی! آنٹی نے ممی سے کیا بات کی؟" بالآخر وہ پوچھ بیٹھی۔

"وہ لوگ ہمارے گھر آ رہے ہیں، جب آ جائیں گے تو پتہ چل جائے گا جناب! فی الحال جا کر تیار ہو جاؤ، ڈریس نکال دیا ہے، اسامہ بھائی اور حارث بھی آتے ہی ہوں گے"۔ ملیحہ بھابی صوفیانی بریانی کا مسالا تیار کرتے گویا ہوئیں، جبکہ دانیہ بھابی پڈنگ بنانے کا سامان شیلف پر رکھتی مسلسل مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھیں، وہ ان کے آنے کی وجہ جان چکی تھی۔

"یقیناً سارا کی مما کو میں پسند آ گئی ہوں، وہ مغرور شخص تو منع کر دیتا وہ شاید اپنی مما کی وجہ سے راضی ہوا ہوگا، خیر اگر وہ منع نہیں کر رہا تو میں منع کر دوں گی، مجھے کسی سپاہی سے شادی نہیں کرنی"۔ وہ یہ سب سوچ کر بے دلی سے تیار ہونے لگی، بھابی نے لائٹ پنک اینڈ پیرٹ گرین چکن کا ڈریس نکال دیا تھا، یہ ڈریس گرمیوں کی مناسبت سے بے حد اچھا لگ رہا تھا، سارا کی بمع فیملی تشریف آوری ہو چکی تھی، انکل، آنٹی اور سارا کے ساتھ "محترم" بھی تشریف لائے ہیں، یہ ملیحہ بھابی سے سن کر اسے اچھی خاصی حیرت ہو رہی تھی، دونوں بھابیاں، بھیا اور ممی بھی وہیں براجمان تھیں اور وہ بیڈروم میں بیٹھی شش و پنج میں مبتلا تھی جب سارا گلا کھنکھارتی کمرے میں داخل ہوئی اور بے ساختہ اسے گلے لگا لیا۔

"مبارک ہو بھئی! میرے بھیا نے ایک بہترین شریک حیات کے لیے تمہیں منتخب کیا ہے"۔ وہ اسے ساتھ لگائے گویا تھی وہ بے حس و حرکت اسے یک ٹک دیکھ رہی تھی۔

"مما کو بھی تم ہی پسند تھیں، ممانے کئی بار شادی کے لیے اصرار کیا تھا، مگر وہ نہایت خوبصورتی سے ٹال جایا کرتے تھے، مگر اس بار ممانے کہا تو بھیا نے اثبات میں سر ہلا دیا، ممانے ان سے ان کی پسند پوچھی تو انہوں نے تمہارا نام لیا، مما تو خوشی سے بے حال ہو گئیں"۔ وہ بیڈ پر بے تکلفی سے براجمان تمام روداد اس کے گوش گزار کرنے لگی۔

"تم اتنی چپ کیوں ہو؟" اپنی ایکسائٹمنٹ کو بھلائے وہ بغور اسے دیکھنے لگی، اس کی خاموشی اسے ڈرا رہی تھی۔

"تاثیر! تم خوش نہیں ہو؟" اس نے بے اختیار پوچھا تھا۔

"سارا! میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتی"۔ وہ بلا تمہید گویا ہوئی۔

"کیوں؟" اس نے تحیر سے پوچھا۔

"ایسے ہی"۔

"مگر کوئی وجہ تو ہوگی؟"

"کوئی وجہ نہیں ہے"۔

"آخر کیا کمی ہے میرے بھائی میں جو تم انکاری ہو؟" وہ ناراضی سے گویا ہوئی۔

"میں نے کب کہا تمہارے بھائی میں کمی ہے؟" اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"پھر تم وجہ بتانا پسند کرو گی؟" اس نے نروٹھے پن سے کہا۔

"میں کسی سے بھی شادی کرلوں گی مگر کسی سپاہی سے نہیں کروں گی"۔ اس نے اپنے آنسوؤں کو بے دردی سے صاف کیے بے رحمی سے کہا تھا۔

"تاثیر.....!" وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

"سارا پلیز! اور کچھ مت کہنا تم پلیز انکل آنٹی کو میری طرف سے نہ کہہ دینا، میں معذرت خواہ ہوں، مگر میں کسی سپاہی سے شادی کرنے کا خود میں حوصلہ نہیں پاتی"۔ وہ رو رہی تھی۔ سارا کو علم تھا اس نے کارگل کی جنگ میں اپنے جان سے عزیز ڈیڈی کو کھو دیا ہے، وہ آرمی میں تھے اور جنگ میں شہید ہو گئے تھے، سارا نے بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔

"میں کچھ نہیں کر سکتی تاثیر! بھیا کی پسندیدگی کی وجہ

سے ہم یہاں آئے ہیں، میں بھیا کو بتادوں گی، مگر مما پپا سے نہیں کہہ سکتی"۔ وہ یہ کہہ کر رکی نہیں تھی جبکہ تاثیر بے بسی سے اسے جاتا ہوا دیکھنے لگی، کچھ وقت کے بعد فریدہ آنٹی، ممی کے ہمراہ اس کے روم میں آئی تھیں اسے پیار کرنے کے بعد اس کے ہاتھوں میں متعدد نوٹ تھما کر اس کے ہاتھوں کو نرمی سے دبایا تھا۔

"اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے"۔ اس کے ماتھے پر پیار کرتے وہ گویا ہوئیں، وہ بے اختیار رونے لگی، ممی اور آنٹی نے متحیر نگاہوں سے اسے دیکھا تھا، شادی کی وجہ سے رو رہی ہے، دونوں کا یہی خیال تھا، مگر انہیں اس کے نظریات کی بابت علم کہاں تھا۔

☆.....☆.....☆

اروئی کو بھی حاجز زبید کے پرپوزل کے متعلق پتا لگ گیا تھا، اس نے بھی بارہا اسے سمجھانے کی سعی کی تھی ممی، اسامہ اور حارث بھیا کو رشتہ بے حد موزوں لگا تھا، حاجز زبید ان کے معیار پر پورا اترا تھا، دونوں بھابیوں کو بھی حاجز زبید اور اس کی فیملی بے حد پسند آئی تھی، رخشندہ بیگم کو تاثیر سے نہ کی توقع ہرگز بھی نہیں تھی، ان کی بیٹی بے حد صابر تھی اس نے کبھی بھی ممی کو نہ نہیں کہا تھا۔

"ممی! میں کسی سپاہی سے شادی نہیں کروں گی، کسی سے بھی آپ میری شادی کردیں، مگر کسی سپاہی سے نہیں، میں نہیں جانتی وہ کب میرا ساتھ چھوڑ جائے گا، جس طرح ڈیڈی ہمیں چھوڑ گئے"۔ وہ روئے جارہی تھی اس کے لیے اپنے دل میں بے انتہا پوشیدہ محبت کو اس نے نظر انداز کردیا تھا، خوف محبت پر غالب آچکا تھا، وہ اپنی محبت کو قربان کر رہی تھی، یہ وہی محبت تھی جس کی ایک جھلک دیکھنے کو وہ 7 ماہ خوار ہوئی تھی، رخشندہ بیگم نے قدرے تاسف سے اسے دیکھا تھا اور اسے سوچنے کی مہلت دی تھی، فریدہ بیگم نے رخشندہ بیگم کو حاجز کی تاثیر کے لیے پسندیدگی کے متعلق بتادیا تھا، اسی لیے وہ کشمکش و پیچ میں مبتلا تھی، تاثیر بھی حاجز میں دلچسپی رکھتی ہے، یہ بات ان سے مخفی نہ تھی، رخشندہ بیگم نے فریدہ بیگم کو اس کے امتحانوں تک انتظار کے لیے کہا تھا، وہ مان تو گئی تھیں مگر وہ جلدی شادی کرنا چاہتی تھیں جبکہ سارا سے تاثیر حسان کا انکار اس تک پہنچ گیا تھا، وہ اس سے بات کرنے کے لیے موقع کا متلاشی تھا، اس کی اس قدر بچکانہ سوچ نے اسے حیران کردیا تھا اپنے متعلق اس کی پسندیدگی سے وہ بخوبی واقف تھا اور یہ جاننے کے بعد کے وہ پاکستان نیوی میں ایک کمانڈر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہا ہے، وہ پاگل لڑکی اپنی محبت سے دستبردار ہورہی تھی۔

اپنوں کو کھودینے کا دکھ وہ محسوس کرسکتا تھا اس کا ڈر بجا تھا مگر اس کے ڈر کو وہ ختم کردینے کا حتمی فیصلہ کرچکا تھا۔

☆.....☆.....☆

آج اس کا سیکنڈ لاسٹ پیپر تھا اروئی اور سارا اس سے کچھ وقت قبل ہی پیپرز دے کر جاچکی تھیں، وہ بھی اپنی چیزیں سمیٹ کر کلاس سے نکلی تھی، ڈیپارٹمنٹ سے نکلنے کے لیے وہ زینے کی جانب بڑھی وائٹ اینڈ اسکائی بلیو ڈریس زیب تن کیے، اسکائی بلیو دوپٹہ مضبوطی سے سر پر جمائے وائٹ پرس ہاتھوں میں تھامے پورٹ فولیو سینے سے لگائے وائٹ جوگرز پہنے وہ بے حد مگن انداز میں سیڑھیاں اتر رہی تھی، وہ اچانک ہی سامنے آگیا تھا، وہ لاسٹ اسٹیئرز پر تھی، وہ اسے دیکھ کر گرنے ہی لگی تھی۔

"آرام سے بھئی!" وہ بے ساختہ کہہ اٹھا، اس نے اسے نظر انداز کیا اور سائیڈ سے نکلنے لگی۔

"میم! مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں"۔ وہ اس کے عین سامنے آکھڑا ہوا۔

"مگر مجھے آپ سے بات نہیں کرنی"۔

"کیوں؟"

"بس یونہی"۔

"مگر مجھے آپ سے بات کرنی ہے اور یہ ضروری ہے"۔ وہ دوٹوک لہجے میں گویا ہوا۔

"فرمائیں!" اس نے ادھر ادھر دیکھتے جھنجھلا کر کہا۔

"واک کرتے ہوئے باتیں کرتے ہیں، یوں اسٹیئرز میں کھڑے ہوکر باتیں کرنا مناسب نہیں لگ رہا"۔ وہ بنا کچھ کہے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ہمراہ چلنے لگی۔

"کہیے جو کہنا ہے"۔ وہ اس کے ہمراہ بے حد مگن انداز میں چل رہا تھا، وہ وائٹ ڈریس پینٹ، اسکائی بلیو شرٹ میں ملبوس آنکھوں پر بلیک سن گلاسز چڑھائے بے انتہا خوبرو لگ رہا تھا، اس نے پہلے خود کو پھر تاثیر حسان کو بغور دیکھا تھا، اپنی میچنگ ڈریسنگ کے ساتھ اسے دیکھ کر اس کے لبوں پر بے ساختہ مسکان بکھر گئی تھی۔

"کہیے!" وہ اس کی مسکراہٹ پر جل بھن گئی۔

"آپ نے میرے پرپوزل پر انکار کیوں کیا؟"

"میری مرضی"۔

"دوسروں کی ذرا پرواہ نہیں ہے آپ کو؟ آپ کے نزدیک آپ کی مرضی اہم ہے؟" اس نے یونیورسٹی کے کوریڈور میں چلتے ہوئے پوچھا تھا۔

"وہ میرا مسئلہ ہے"۔

"یہ صرف آپ کا مسئلہ نہیں ہے"۔

"پھر؟" اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"میں تمہیں پسند کرتا ہوں، اس لیے تمہیں پرپوز کرنے کے بجائے ایک مشرقی لڑکے کی طرح تمہارے گھر رشتہ بھیجا ہے"۔

"مگر مجھے یہ رشتہ منظور نہیں، مجھے انکار کا حق حاصل ہے"۔

"محبت کے اس سفر میں آپ تنہا مسافر نہیں ہیں جو آپ اپنا حق استعمال کررہی ہیں"۔

"آپ فضول بحث میں الجھ رہے ہیں، میری طرف سے نہ ہے"۔

"وجہ؟"

"میں آپ کے ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتی"۔

"مگر میں جواب لینے آیا ہوں"۔

"میں نے تو نہیں کہا تھا کہ آپ جواب طلبی کرنے کے لیے میرے پاس آئیں"۔

"دیکھو میں بحث کرنے کا ہرگز بھی ارادہ نہیں رکھتا، مجھے تم سے محبت ہے اور میرے لیے تمہاری پسندیدگی بھی مجھ سے مخفی نہیں ہے، مجھے فلرٹ کرنے کا کوئی شوق ہے نہ ہی تجربہ ہے، میں اس معاملے میں بالکل کورا ہوں، میں دوبارہ مما کو بھیجوں گا، اب تم انکار مت کرنا، اگر پھر بھی تم انکار کرنے کا ارادہ رکھتی ہو تو انکار کی وجہ بتانا ضروری ہے، مجھے جواز چاہیے"۔ وہ ایک پل کو رکا تھا، اس کے عین سامنے کھڑے ہوکر اس نے اس کے چہرے کے تاثرات کو ملاحظہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"میں کسی سے بھی شادی کرلوں گی مگر کسی فوجی سے نہیں"۔ وہ اس کے عین سامنے کھڑا تھا، وہ اس کی محبت کے متعلق جان چکا تھا، وہ گڑبڑا گئی تھی، دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔

"آخر کیوں؟" شاید وہ صرف سوالات کرنے ہی آیا تھا وہ اس کے دلکش چہرے پر نظریں جمائے استفسار کررہا تھا۔

"میں نے کارگل کی جنگ میں اپنے ڈیڈی کو کھودیا تھا، اور میں دوبارہ یہ رسک نہیں لے سکتی"۔ وہ آنکھوں میں آئی نمی کو چھپانے کے لیے آنکھوں پر سن گلاسز چڑھا چکی تھی، حاجز زبید سے اس کے آنسو پوشیدہ نہیں رہے تھے۔

"اگر ہر ماں، ہر بیٹی، ہر بیوی، ہر بہن تمہاری طرح سوچ رکھنے لگے تو پاکستان کا کیا بنے گا؟ یہ ایک خود غرضانہ سوچ ہے تاثیر! اگر تمہارے دل میں ڈر ہے تو نکال دو اس ڈر کو، کیونکہ کسی انسان کی اگلی سانس آئے گی یا نہیں یہ تو کوئی نہیں جانتا"۔ اس کے ساتھ چلتے وہ کہہ رہا تھا۔

"مگر سپاہیوں کی اپنی زندگی نہیں ہوتی، وہ کب ساتھ چھوڑ جائیں علم نہیں ہوتا"۔ اس نے ہار مانتے ہوئے کہا تھا۔

"زندگی تو اللہ کی امانت ہے، مرنا تو ہے ہی اگر اپنے وطن کے لیے جان قربان کردی جائے تو کیا یہ غلط ہے؟ کیا تمہیں اپنے وطن سے محبت نہیں ہے؟" اس نے استفسار کیا تھا۔

"مجھے اپنے وطن سے اپنی جان سے بھی زیادہ محبت ہے"۔ وہ تڑپ اٹھی۔

"پھر تم نے یہ کیوں کہا کہ سپاہیوں کی اپنی زندگی نہیں ہوتی، وہ کب ساتھ چھوڑ جائیں علم نہیں ہوتا؟" وہ اس کی بات دہرا رہا تھا۔

"کیونکہ یہ حقیقت ہے"۔ اس نے کمزور سا احتجاج کیا۔

"اگر میں اک سپاہی نہ بھی ہوتا تو مرنا تو مجھے تب بھی تھا، یہ حقیقت ہے تم اس کی نفی نہیں کرسکتیں، بلکہ تم کیا کوئی بھی نہیں کرسکتا، تم نے خواہ مخواہ وہم پال رکھے ہیں، مگر ان وہموں میں گھر کر تم اپنی محبت کو تو قربان نہ کرو"۔ وہ منت کررہا تھا، وہ خاموش رہی۔ وہ دونوں واک کرتے ہوئے پارکنگ ایریا میں آچکے تھے۔

"میں مما کو کل بھیجوں گا، تم ہاں میں جواب دے دینا، اگر پھر بھی تم نے ناں میں جواب دیا تو میں کبھی کسی کو تمہاری جگہ نہ دے سکوں گا"۔ یہ کہہ کر کار کا لاک کھولنے لگا جبکہ تاثیر بغور اسے دیکھنے لگی۔

"میری باتوں پر غور کرنا"۔

"اوکے"۔ وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

"زندگی نے مہلت دی تو ملاقات ہوگی اللہ حافظ!" وہ گاڑی میں بیٹھنے لگا، جبکہ تاثیر بھی ناسمجھی کے انداز میں اپنی چیزیں فرنٹ سیٹ پر رکھ کر گاڑی میں بیٹھی تھی، بلیک سوک میں بیٹھے شخص کو بغور دیکھتے اس نے وائٹ لیانا پارکنگ سے نکالی تھی۔

☆.....☆.....☆

گھر آکر اس کی عجیب سی کیفیت تھی، برائے نام لنچ کرکے روم میں بند ہوچکی تھی۔

"حاجز زبید ٹھیک کہہ رہے تھے، ڈیڈی کو کھو دینے کے بعد میں بے حد حساس ہوگئی ہوں، اسی لیے اپنی محبت قربان کرنے چلی تھی، میں ممی کو ہاں میں جواب دے دوں گی"۔ وہ مسلسل سوچے جارہی تھی، حاجز زبید کے ساتھ بتائے گئے 15 منٹ اسے کسی خواب کی مانند لگ رہے تھے، اس کا دل اس کی رفاقت کے لیے ہمکنے لگا تھا، اس کے گلابی لب آپ ہی آپ مسکرا رہے تھے، اس کے دل سے بڑا بوجھ اترا تھا، اسی وقت دروازہ ناک کرکے ممی کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

"بیٹا! سو رہی ہو؟" اسے بے سدھ لیٹے دیکھ کر ممی نے استفسار کیا تھا۔

"نہیں ممی!" وہ اس کے پاس بیڈ پر براجمان ہوچکی تھیں، اس نے بے حد آہستگی سے اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا۔

"بیٹا! فریدہ بھابی نے دوبارہ آج فون کیا ہے وہ جواب مانگ رہی ہیں"۔ اس کے ہنی براؤن بالوں میں شفقت سے ہاتھ پھیرتے وہ اسے بتا رہی تھیں۔

"تو دے دیجئے جواب"۔ وہ آنکھیں موندے گویا تھی، چھن سے حاجز زبید اس کی بند آنکھوں میں آسمایا

تھا، اس کے لبوں پر شرگیں مسکان بکھر گئی تھی، ممی نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

"تو انکار کردوں؟" اس کی حالت سے حظ اٹھاتے وہ پوچھنے لگیں۔

"نو ممی!" اس نے پٹ سے آنکھیں کھول کر بے ساختہ اپنا سر اٹھا کر بغور انہیں دیکھا، وہ ہنس رہی تھیں، وہ اپنی بے ساختگی پر جی بھر کے شرمندہ ہوئی تھی، ممی مسلسل مسکرا رہی تھیں۔

"میں انہیں ہاں میں جواب دے دوں گی"۔ وہ اس کے ماتھے پر پیار کرتے گویا ہوئیں۔

"آئی لو یو ممی!" وہ ان کے گلے لگ گئی۔

"بیٹا! وہ لوگ 15 دنوں کے اندر شادی کریں گے، تم چاہو تو بعد میں بھی تعلیم جاری رکھ سکتی ہو، انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا"۔ وہ اس کے بالوں میں نرمی سے ہاتھ پھیرتے بتا رہی تھیں اور وہ آنکھیں بند کیے حاجز زبید کو سوچنے لگی، آج دل سے ڈر، خوف ختم ہوجانے کے بعد دل کسی قدر مطمئن تھا وہ سرشار ہوکر ایک بار پھر مسکرادی۔

☆.....☆.....☆

15 دنوں کا عرصہ پر لگا کر اڑ گیا تھا، اس ملاقات کے بعد حاجز زبید نے اس سے دوبارہ رابطہ نہیں کیا تھا، اور نہ ہی شادی طے ہوجانے پر مبارکباد دی تھی، وہ اس کے فون کالز کا انتظار ہی کرتی رہ گئی اور اسی انتظار میں بارات کا دن آپہنچا تھا۔

"نجانے کیسا شخص ہے"۔ وہ یہ سوچنے لگی، بارات کا فنکشن شیرٹن ہوٹل میں منعقد کیا گیا تھا، نہایت خوبصورت سے اسٹیج پر اسے نکاح کے بعد حاجز زبید کے پہلو میں بٹھایا گیا تھا، جو وائٹ شیروانی سوٹ، وائٹ پگڑ اور پگڑ پر ریڈ بروچ لگائے وہ بے طرح ہینڈسم لگ رہا تھا، تاثیر حسان نے دل میں بے اختیار اسے سراہا تھا، وہ بے شمار شادیوں میں جاچکی تھی، مگر اس قدر خوبرو دولہا اس نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا، وہ چہرے پر بے حد سنجیدہ تاثر سجائے بیٹھا ہوا تھا، وہ اس کے پہلو میں بیٹھی اسے چوری چوری دیکھ رہی تھی، حاجز زبید نے اس پر بظاہر سرسری مگر بھرپور نگاہ ڈال کر نظروں کا زاویہ بدل لیا تھا، وہ بلڈ ریڈ وائٹ اسٹونز سے مزین شرارے، جیولری، مہندی، چوڑیوں اور میک اپ کے ہمراہ بے انتہا حسین لگ رہی تھی، ہر ایک نے ان کی جوڑی کو سراہنے کے بعد اسے سراہا تھا، مگر حاجز زبید کا یوں اسے نظرانداز کرنا بے حد کھلا تھا، وہ اس قدر حسین لگ رہی تھی کہ اسے اس طرح نظرانداز کرنا آسان نہیں تھا، بے اختیار اس کے دلکش نینوں کے گوشے بھیگے تھے (شاید یہ مجھ سے بدلہ لے رہا ہے) اس کا یہ قیاس تھا، پورے فنکشن میں اس کا موڈ بے حد آف رہا اس نے کوئی بھی رسم انجوائے نہیں کی تھی، حاجز زبید نے پورے فنکشن میں بمشکل اس پر 3 بار ہی مختصراً نظر ڈالی تھی، آخری نگاہ ڈالنے پر بے حد مدھم مسکان اس کے لبوں پر رقصاں تھی، تاثیر جل بھن گئی، اپنا اس قدر اہم دن یوں اس طرح برباد ہوجانے پر اس کا غصے سے برا حال تھا، ڈنر سرو کیا جاچکا تھا، اسٹیج پر نہ ہونے کے برابر لوگ موجود تھے، حاجز زبید نے بے ساختہ سرتاپا اس پری پیکر کو دیکھا تھا، مگر کہا کچھ بھی نہیں تھا (یہ کچھ کہتا کیوں نہیں؟) وہ مختلف سوچوں کے گرداب میں پھنسی ہوئی تھی، اس کے دل میں عجیب وغریب ڈھیروں وہم آسمائے تھے، یوں ہی فضول اور بودے اندازے لگاتے لگاتے رخصتی کا مرحلہ آن پہنچا تھا، ڈیڈی اس لمحے بے حد یاد آئے تھے، ان کی کمی شدت سے محسوس ہورہی تھی۔

"بابا کی رانی ہوں
آنکھوں کا پانی ہوں"

میوزک پلیئر پر بجتے سانگ نے اسے پھوٹ پھوٹ کر رونے پر مجبور کردیا تھا، اسامہ بھیا کے گلے لگی وہ

تادیر روتی رہی تھی، ڈھیروں آنسو بہا کر بھیا، ممی، بھابیوں سے مل کر وہ حاجز زبید کی ہمراہی میں ''زبید ولا'' آچکی تھی۔

☆.........☆.........☆

سب کمرہ خالی کر کے جا چکے تھے وہ ٹشو سے آنسو صاف کرتی حاجز زبید کے کمرے میں بیٹھی محو انتظار تھی، دل میں ڈر سا تھا اس نے اس مختصر ملاقات کے بعد کوئی رابطہ نہیں کیا تھا، وہ قدرے حیران تھی، حاجز زبید کا کمرہ نہایت کشادہ اور خوبصورت تھا، کمرے کے سفید در و دیوار اور کھڑکی، دروازوں کو بلڈ ریڈ دبیز پردوں سے آراستہ کیا گیا تھا، کمرے کے وسط میں وائٹ جہازی سائز بیڈ تھا، کمرے میں سرخ رنگ کی مخملی قالین بچھی تھی، کمرے کے دائیں جانب وائٹ صوفہ سیٹ رکھا تھا جس میں جابجا ریڈ اینڈ وائٹ ہارٹ شیپ کشنز رکھے ہوئے تھے، صوفے کے ساتھ رکھی گئی میز پر وائٹ گلاس کے باؤلز میں گلاب کی ڈھیروں پنکھڑیاں بکھری پڑی تھیں، میز کے چاروں اطراف سرخ و سفید قندیلیں روشن تھیں، جہازی سائز بیڈ کے چاروں اطراف سرخ گلاب اور وائٹ پرل کی فل سائز کی موتیوں کو لڑیوں کی صورت میں سجایا گیا تھا، سرخ بیڈ شیٹ پر براجمان تاثیر حسان ماحول کی فسوں خیزی میں کھو سی گئی تھی، وہ ہر سوچ فراموش کر چکی تھی، ماحول کی دلکشی نے اسے اپنے حصار میں لیے رکھا تھا، دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی، اس کا انہماک ٹوٹا تھا، سرخ دبیز پردے ہٹائے وہ کمرے میں داخل ہوا تھا، تاثیر نے نظریں جھکالی تھیں، دل کی دھڑکنیں منتشر ہوئی جا رہی تھیں۔

''السلام علیکم!'' وہ یہ کہہ کر سرخ پردے ہٹا کر اسٹڈی روم میں غائب ہو چکا تھا، وہ دل میں سوال کا جواب دیتی متحیر نگاہوں سے اسے جاتا دیکھنے لگی، بھلا یہ کیسی شادی تھی، اس نے پورے فنکشن میں اس سے بات نہ کی تھی اور آج جب وہ اس کی سیج سجائے اس کے دو بولوں کی منتظر تھی، وہ اندر گم ہو چکا تھا اپنی ایسی تذلیل پر اس کا بے طرح رونے کا دل چاہ رہا تھا۔

''آخر میں آ کیوں گئی اس کی باتوں میں، کیا ملے گا اسے میرے ساتھ ایسا کر کے؟'' وہ رو دینے کو تھی اس کا حوصلہ جواب دینے لگا تھا، دل چاہ رہا تھا حاجز زبید سمیت ہر شے تہس نہس کر دے، ماحول کی خوبصورتی زہر لگنے لگی تھی۔

''تاثیر! اسٹڈی روم میں آ جاؤ''۔ محبت سے پر بے حد مدھم آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

''کیوں آؤں؟ اور کتنی بے عزتی کرواؤں؟'' وہ سوچنے لگی۔

''تاثیر! اسٹڈی میں آ جاؤ، میں تمہارا منتظر ہوں''۔ نہایت محبت سے پکارا گیا تھا، وہ بیڈ سے اٹھ گئی، بھاری بھر کم شرارے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے باربی ڈول کی مانند چلتی پردے ہٹائے اسٹڈی روم کی متلاشی تھی، وہ دروازے کے بیچ ایستادہ تھی، مگر وہاں گھپ اندھیرے کا راج تھا، اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، یوں بھی اسے اندھیرے سے بے حد خوف آتا تھا۔

''محبت کرنے کی یہ سزا ہے، کیا یہ مجھے کوئی ہارر فلم دکھانا چاہتے ہیں؟'' وہ یہی سوچ رہی تھی۔

''اندر تو آؤ''۔

''مجھے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا''۔ اس نے بے بسی سے کہا۔

''بس دو قدم آگے آ جاؤ''۔ گھمبیر آواز میں منت کی گئی تھی، اس نے دو قدموں کا فاصلہ طے کیا ہی تھا کہ چھن چھن کرتی تمام کلرفل لائٹیں روشن ہو گئی تھیں، وہ اسٹڈی روم کے وسط میں راؤنڈ میز کی ایک کرسی پر براجمان تھا،

سات رنگوں کی لائٹیں اس کے جاذب چہرے کو چھو رہی تھیں، وہ شیروانی اور پگڑ میں ہی ملبوس تھا، اسے بت کی مانند کھڑا دیکھ کر وہ اس تک آیا تھا اس کا ہاتھ گرمجوشی سے تھامے اسے اپنے سامنے کرسی پر بٹھا کر اس کے عین سامنے رکھی کرسی پر براجمان ہو گیا تھا، وہ شاک کی کیفیت میں تھی، اسٹڈی کو ملٹی روز یز اور ملٹی برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا، اسٹڈی کے در و دیوار پر ملٹی پردے لگے تھے، گلاس کی گول میز کے وسط میں چھوٹا سا ہارٹ شیپڈ کیک رکھا ہوا تھا، اس کے ارد گرد ملٹی قندیلیں روشن کی گئی تھیں۔

''کیا ہوا اچھا نہیں لگا؟'' موم بتیوں کو جلاتے ہوئے اسے بغور دیکھتے استفسار کر رہا تھا، قندیلوں کی لو سے اس کا دلکش چہرہ دمک رہا تھا، حاجز زبید بغور اسے دیکھتا رہا جبکہ وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''آج تمہاری سالگرہ ہے، کیا میں اسے فراموش کر سکتا ہوں؟'' وہ اٹھ کر اس تک آیا تھا، چوڑیوں اور مہندی سے مزین نرمی سے اس کی کلائی تھامے وہ کیک کٹوا رہا تھا، کیک کا چھوٹا سا پیس اٹھائے وہ اسے کھلانے لگا، وہ بس اسے دیکھے گئی۔

''تمہارا برتھ ڈے گفٹ!'' وہ برانڈ نیو سیل فون اسے تھماتے گویا تھا، وہ تھام چکی تھی، وہ دوبارہ اپنی نشست پر براجمان ہو چکا تھا۔

''تاثیر! تم نہیں جانتیں تم کس قدر حسین لگ رہی ہو، جی کر رہا ہے تا عمر تمہیں یونہی دیکھتا رہوں''۔ اس کے ہاتھوں کو اپنے ایک ہاتھ سے تھامے اپنا دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھے وہ محویت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''مگر آپ نے پورے فنکشن مجھے اگنور کیا''۔ شکوہ آخر زبان پر آ ہی گیا تھا، وہ بے اختیار ہنسنے لگا۔

''یقین جانو تمہیں دیکھ کر دل اس قدر بے ایمان ہو رہا تھا، اگر میں خود پر اختیار نہ رکھتا تو یقیناً ریکارڈ لگ جاتا اسی لیے تمہیں دیکھنے سے گریز کر رہا تھا''۔ وہ کہہ رہا تھا اور وہ خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔

''یقیناً تم یہی سوچ رہی ہو گی کہ میں جان بوجھ کر ایسا کر رہا ہوں''۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے کہہ رہا تھا اور وہ بغور اسے دیکھ رہی تھی، آج پہلی بار وہ اسے اس قدر قریب سے دیکھ رہی تھی، کالی بھنورا جھیل جیسی گہری آنکھیں، ستواں ناک، گلابی لب، بائیں گال پر پڑتا ڈمپل وہ بے اختیار اسے دیکھے گئی۔

''کچھ کہو گی نہیں؟''

''آپ کو میری سالگرہ کا کس نے بتایا؟''

''اپنی بیوی کے متعلق پتا تو رکھنا ہی ہوتا ہے''۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے اٹھ کھڑا ہوا وہ اس کی تقلید کرنے لگی، وہ پرل اور سرخ گلاب کی لڑیوں کو نرمی سے ہٹائے اسے بیڈ پر بٹھائے سائیڈ دراز سے کچھ نکال رہا تھا، وہ اس کی کارروائی بغور ملاحظہ کر رہی تھی اس کے ہاتھوں میں کاہی گرین مخملی کیس تھا وہ اسے تھامے اس کے برابر براجمان ہو گیا۔

''تمہاری رونمائی، یہ تمہارے آگے بے طرح معمولی لگ رہا ہے، تم اس قدر حسین لگ رہی ہو، دل چاہ رہا ہے دنیا جہاں کی ہر انمول شے تمہارے آگے ڈھیر کر دوں''۔ مخملی کیس کھولتے ہوئے وہ گویا تھا، کیس میں گرین ڈائمنڈ کا دیدہ زیب جیولری سیٹ تھا، گرین ڈائمنڈ کی چمک آنکھوں کو خیرہ کیے دے رہی تھی، وہ اس کا بریسلیٹ نکال کر اس کے ہاتھوں میں پہنانے لگا۔

''پسند آیا؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''بہت...!''

''رونمائی یا میں؟'' اس نے دایاں ہاتھ دل پر رکھتے شرارت سے استفسار کیا تھا۔

(جاری ہے......)

افسانہ

منفرد

الی جبہ کو منفرد بننے کا خبط تھا، منفرد بننے کے چکر میں اس نے شادی نہیں کی، وہ شادی کے نام سے کوسوں دور بھاگتی تھی، بی جان الی جبہ کی شادی کا ارمان لیے ابدی نیند سوگئی تھیں، افشاں اس کی بچپن کی

دوست تھی، وقتاً فوقتاً اسے شادی کے فوائد بتاتی رہتی، جوان لڑکی اور وہ بھی وہ جس کا آگے پیچھے، دور و نزدیک کوئی رشتہ دار نہ ہو، اسے پیش آنے والے مسائل سے آگاہ کرتی، لیکن الی جبہ کی ناں، ہاں میں نہ بدلی اور افشاں اسے سمجھاتے سمجھاتے خود پیا دیس سدھار گئی، خود الی جبہ کی پوسٹنگ مری کے برف زاروں میں ہوگئی وہ گورنمنٹ جاب کرتی تھی، شاید اس لیے وہ جیون ساتھی کی کمی محسوس نہ کرسکی، لاہور شہر کی رونقیں اور گہما گہمی اپنی جگہ لیکن مری میں آکر اسے قلبی سکون حاصل ہوا تھا، دلکش نظاروں کا حسن آنکھوں کو تراوٹ بخشتا تھا، مری میں پوسٹنگ ہوئے دس برس کا عرصہ گزر چکا تھا، اس کی عمر 30 کا ہندسہ کراس کر چکی تھی لیکن آج بھی وہ 25 برس کی دوشیزہ جیسا ترو تازہ حسن رکھتی تھی، اس کے دلفریب حسن کے ہاتھوں کئی گھائل ہوئے مگر اس نے کوئی توجہ نہ دی، وہ مقابل کو ایک حد سے آگے بڑھنے کی اجازت نہ دیتی تھی، کسی سے غیر ضروری بے تکلف ہونا اسے پسند نہ تھا، اسی عادت کی بنا پر ساتھی ورکرز اسے ”مغرور“

کہتے تھے لیکن اسے کسی کی پرواہ نہ تھی، الی جبہ کا کولیگ طاؤس رضا واحد شخص تھا جس نے اظہار محبت کرنے کے بعد پرپوزل بھی آفر کیا تھا، لیکن الی جبہ نے پرپوزل تندخوئی سے ریجیکٹ کردیا تھا۔ طاؤس سیدھا سادھا اور شریف سا نوجوان تھا، ریجیکٹ ہونے کے بعد دوبارہ اس نے کبھی اس موضوع پر گفتگو نہ کی اگرچہ اس کی ذہین آنکھوں میں الی جبہ کی محبت شدومد سے عیاں تھی، الی جبہ، طاؤس کی خاموشی اور اداسی کا باعث تھی لیکن وہ طاؤس رضا کا پرپوزل قبول کرکے اپنی انفرادیت کے حسن پہ دھبہ نہیں لگانا چاہتی تھی، کسی مرد کے زیر اثر ہوجانا ہرگز اسے گوارا نہ تھا، وہ خود پہ کسی کی پہچان کا ٹیگ لگانا پسند نہیں کرتی تھی، وہ تو اپنے منفرد نام پہ بھی اتراتی تھی، اپنی پہچان اور شناخت خود بننا الی جبہ کا شوق ہی نہیں جنون تھا، وہ افشاں سے کہا کرتی۔

''مجھے لگی بندھی روٹین لائف نہیں گزارنی، پہلے پڑھو، پھر شادی کرو، بچے پیدا کرو، مستقبل بناؤ اور پھر ان کی شادیاں کرو، نو.... مجھ سے تو اس قید میں نہیں رہا جاتا''۔ ابھی کل ہی افشاں کا فون آیا تھا۔

''دیکھو الی جبہ! ہتھیار پھینک دو، فضول ضد مت کرو، انسان کو آخری عمر میں سہارے کی ضرورت ہوتی ہے''۔ وہ ہنس کر بولی تھی۔

''میں آنے والے وقت کے بارے میں سوچ کر خواہ مخواہ کیوں پریشان ہوتی پھروں، پھر یہ بھی تو ممکن ہے وہ سہارا ساتھ چھوڑ جائے''۔

''تم نہیں سدھروگی، اچھا ایک بات بتاؤ، مری میں دسمبر گزارنا اور وہ بھی تن تنہا کیسا لگتا ہے؟''

''کیا مطلب....؟'' وہ الجھی تھی۔

''سیدھی سی بات ہے، تنہائی زہر قاتل ہے اور پھر مری جیسی جگہ پر تنہا دسمبر گزارنا ظلم ہے، کیا تمہیں تنہائی کبھی ظالم نہیں لگتی، کبھی تمہارا دل نہیں چاہا کہ کوئی تمہارے ساتھ ہو، تم اس سے اپنی باتیں شیئر کرو، وہ تمہارا خیال رکھے؟''

''مجھے تو کبھی ان دس سالوں میں ایسا کچھ محسوس نہیں ہوا اور نہ ہی تنہائی دسمبر میں ظالم لگی''۔

''اس لیے کہ تم جذبات سے عاری ہو، مشینی انداز میں زندگی گزارتے ہوئے فطرت سے دور ہوچکی ہو، شادی فطری عمل ہے جس کا اسلام نے حکم دیا ہے، لیکن انا اور انفرادیت کے خول میں بند تم اپنا قیمتی وقت ضائع کررہی ہو اور رشتوں کی اہمیت وضرورت کو سمجھ نہیں پارہی ہو، ابھی تم جوان ہو، کچھ اور وقت گزر جانے دو، پھر تمہیں اپنی غلطی کا اندازہ ہوگا''۔ نیٹ ورک کی خرابی کے باعث رابطہ منقطع ہوگیا تھا۔ الی جبہ نے لاپرواہی سے شانے جھٹک کر سیل آف کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

آفس سے الی جبہ نے چند ہفتوں کی چھٹیاں لی تھیں، وہ گھر کے لان میں کچھ ردوبدل کرنا چاہتی تھی، یکسانیت سے وہ اکتاہٹ کا شکار ہورہی تھی، چھٹیاں منظور ہوگئیں تھیں، اس نے لان کے وسط میں لگے فوارے کے دائیں بائیں گھوڑوں کا سنگی مجسمہ نصب کرانے کا سوچا تھا، یہ کام وہ اپنی نگرانی میں کروانا چاہتی تھی، اس نے عمر رسیدہ ملازم کو کسی مزدور مجسمہ ساز کو لانے کا کہہ دیا تھا، ہمایوں نے آج اپنا کام شروع کردیا تھا، الی جبہ اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھی کام کا جائزہ لے رہی تھی، اخروٹی بالوں اور شہد رنگ آنکھوں والا، سرخ وسپید ہمایوں بہت محنت سے اپنا کام کررہا تھا، اچانک ہی الی جبہ کے احساسات نے کروٹ لی تھی، اس نے گھبرا کر گود میں رکھی کتاب پر نظریں مرکوز کردیں، وہ خود پر حیران تھی، دوسری طرف ہمایوں بھی

اس سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکا، آرام دہ کرسی پر جھولتی، ملائم بالوں کا اونچا جوڑا بنائے موی شہزادی کی مانند لگتی، الی جبہ اس کے کام میں خلل ڈال کر نظروں کی چوری کا باعث بن رہی تھی، سبز رنگ کی ساڑھی میں اس کا پروقار سراپا بے حد نمایاں ہورہا تھا، دلکش خدوخال میں الوہی چمک تھی، خصوصاً نیلی آنکھوں کی جھیل پر سایہ فگن لانبی پلکیں، اس کا دل دھڑکائے جارہی تھیں، ستواں ناک میں چمکتی لونگ اور صراحی دار گردن پر مسکراتا سیاہ تل بے حد پرلطف نظارہ دے رہا تھا، وہ بلاشبہ بلا کی حسین کوئی ''بیوٹی کوئن'' لگ رہی تھی، ہمایوں کی نظروں کی تپش الی جبہ پر جادو کررہی تھی، کھل کر بات کہہ دینے کے معاملے میں وہ خاصا بے باک واقع ہوا تھا، اسی لیے اگلے روز ہمایوں نے اسے اپنا مجسمہ بنوانے کا مشورہ دیا تھا، الی جبہ کو اس کا دلیرانہ انداز بھا گیا اور وہ خلاف عادت مان بھی گئی، یوں وہ اس کے سامنے بیٹھی رہتی اور ہمایوں کی انگلیاں مہارت سے مجسمہ تیار کرتی رہتیں، دونوں کے جذبات میں نظروں کے تبادلے سے زبردست ہیجان پیدا ہوا تھا اور اپنے کام کے آخری دن دونوں شدت جذبات سے مغلوب ہوکر ''گناہ'' کی پاتال میں اتر گئے، الی جبہ کو ہوش آیا تو برسوں سے سیپ میں موتی کی طرح بند عزت کا نگینہ لٹ چکا تھا، مگر اسے احساس تھا، اس کے لیے یہ سب منفرد تھا، وہ قربت کے احساس سے سرشار تھی، اس نے فیصلہ کرلیا کہ ہمایوں سے شادی کرلے گی، لیکن وہ پنچھی لوٹ کر کبھی اس شاخ پر نہ آیا، وہ ہر رات تنہائی میں سلگتی، اسے تنہائی ظالم لگنے لگی تھی، وہ ہمایوں کے بازوؤں کا حلقہ تلاشتی تھی، اس کی قربت کی حرارت ڈھونڈتی تھی، پھر یہ خبر اس کے اعصاب پر بجلی کی طرح گری تھی کہ وہ ماں بننے والی ہے، الی جبہ کسی نہ کسی طرح اس مجسمہ ساز کو یہ خبر سنانا چاہتی تھی، لیکن وہ اپنا ٹھکانہ بدل چکا تھا، الی جبہ کو ندامت نے آن لیا، اگر وہ اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتی تو آج پچھتاوا مقدر نہ بنتا، اس نے لمبے عرصے کی چھٹی لے لی، اس نے فون پر رو رو کر افشاں کو اپنی بربادی کی داستان سنائی تھی، افشاں سناٹے میں آگئی، اسے ملامت کرنے لگی، بہرحال وہ اس کی دوست تھی موم ہوگئی، اس کے غم پر روتی رہی، افشاں نے اسے ''ابارشن'' کا مشورہ دیا تھا، لیکن وہ تلخی سے ہنسی تھی۔

''ایک گناہ کے بعد دوسرا گناہ میں نہیں کرسکتی، ویسے بھی یہ میری انفرادیت سہی اب اس آنے والے کو میری زندگی کا سہارا سمجھ لو، میں اسے ضرور جنم دوں گی، بس تم دعا کرنا کہ اللہ مجھے معاف کردے''۔

☆.....☆.....☆

اسپتال میں اس نے اپنے وجود سے نئی زندگی کو جنم دیا، وہ اس کا خون، اس کی اولاد تھا، سرخ وسپید رنگ کا مالک، اخروٹی بالوں، شہد رنگ آنکھوں والا صحتمند بچہ، اسے بے وفا ہمایوں کی یاد دلا رہا تھا، اس نے ہمایوں کی نشانی کو اپنے ساتھ لگا کر چوم لیا، آخر وہ اس کا سہارا بن کر آیا تھا، الی جبہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرادی۔

چھٹیاں گزار کر اس نے آفس دوبارہ جوائن کرلیا اور یہ خبر مشہور کردی کہ اس نے بچہ ایڈاپٹ کرلیا ہے، سبھی نے اس کے مستحسن قدم کو سراہا تھا اور ایک دن خلاف توقع جب وہ بینائی سے محروم چڑیا کو ہاتھوں میں لیے اسے پانی پلا کر پیار کررہی تھی طاؤس رضا چلا آیا، وہ متحیر رہ گئی۔

''السلام علیکم!'' الی جبہ نے سلام کا جواب دیتے

ہوئے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، لیکن وہ کاٹ میں لیٹے ہوئے ٹھکیلیاں کرتے ''حلاج'' کی طرف بڑھا۔

''یقیناً یہ آپ کا بچہ.... اوہ آئی مین وہ بچہ ہے، جو آپ نے ایڈاپٹ کیا تھا''۔

''جی ہاں! لیکن آپ اسے میرا بچہ کہتے ہوئے ہچکچائیں نہیں، جب میں نے اسے گود لیا ہے تو یقیناً اب میں ہی اس کی ماں ہوں''۔

''بہت خوبصورت بے بی ہے، اس کی گردن پر تِل بالکل آپ کے تِل جیسا ہے''۔ الی جبہ گھبرا سی گئی، اس نے چور نظروں سے طاؤس کو دیکھا تھا جو اتنا باریک بین تھا، لیکن وہ متوجہ نہیں تھا۔

''ہاں یہ اتفاق ہے لیکن یہ ایسی بڑی بات نہیں، بہت سے انسان ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں، یہ تو پھر معمولی مسائل ہیں''۔ وہ خجل سی ہو کر وضاحت دینے لگی۔

''میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا، میں نے تو عام سی بات کہی ہے''۔

''میں نے بھی ایسے ہی کہہ دیا ہے، آپ پریشان نہ ہوں''۔ وہ ہلکا سا مسکرائی، الی جبہ نے بابا کرم دین کی لائی ہوئی چائے اسے سرو کی، بینائی سے محروم چڑیا ہنوز اس کی گود میں تھی۔

''یہ چڑیا کچھ بیمار لگتی ہے''۔ وہ بولا۔

''جی ہاں آج مجھے لان کی صفائی کرواتے ہوئے نظر آئی تھی، مجھے اندازہ ہوا اس کی آنکھوں میں بینائی نہیں ہے، میں نے دانہ پانی دیا، میرا ارادہ ہے اسے اپنے پاس رکھ لوں، کہیں بے چاری بھوکی نہ مر جائے''۔

''آپ بہت رحم دل ہیں، ایک پرندے کے بھوکے مر جانے کی فکر ہے، لیکن کسی انسان کے تنہا مر جانے کا احساس نہیں''۔ طاؤس کی بات کا مفہوم وہ خوب اچھی طرح سمجھ چکی تھی، لیکن اب بھی اس نے کوئی امید نہیں دلائی، اس کی بات کو مسکرا کر ٹال دیا، آج طاؤس حتمی بات کرنے آیا تھا، لیکن الی جبہ نے اسے دل پر پتھر رکھ کر مایوس لوٹا دیا تھا، وہ تھکے تھکے قدموں سے لوٹ گیا تھا، الی جبہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، بے اختیار اس کی نظریں لان میں بنے اپنے سنگی مجسمے کی طرف اٹھ گئیں، جس کی کچھ دیر پہلے طاؤس رضا تعریفیں کر رہا تھا، وہ ہمایوں کی جدائی میں پہروں یہاں بیٹھ کر رویا کرتی تھی، مگر اب اس نے اس سنگی مجسمے کو گرانے کا فیصلہ کر لیا تھا، اس مجسمے کی موجودگی کا نشان گویا گناہ کی یاد تھی، وہ مجسمہ ساز کو بھول کر جینا چاہتی تھی، حلاج کے سہارے پر، اسے اپنی شناخت بنا کر زندہ رہنا چاہتی تھی، کچھ لمحوں پہلے کی اسے طاؤس کی شکستگی یاد آئی، الی جبہ نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے چڑیا کو سیاہ تیتر کے پنجرے میں ڈالا اور تیتر سے مخاطب ہو کر بولی۔

''تمہیں تو پتہ ہے ناں ڈیئر سومو! اب میں منفرد نہیں رہوں گی، حالانکہ مجھے انفرادیت کا شوق تھا، اب تم سوچتے ہو گے کہ میں نے طاؤس کو خالی ہاتھ کیوں جانے دیا، تو سنو! سومو....! میں اگر منفرد نہیں رہی تو طاؤس جیسے پاکباز مرد کے قابل بھی نہیں رہی اور پھر میری انفرادیت تو میرے پاس ہے، اگر میرا منفرد بننے کا جنون ختم ہو گیا تو سمجھ لینا الی جبہ کی بھی موت واقع ہو جائے گی''۔ سومو نے سر جھکا کر مالکن کی بات سنی اور دکھی سی آواز نکال کر اظہار افسوس کیا، آخر وہ اپنی مالکن کا واحد غمگسار ساتھی جو تھا۔

☆.....☆.....☆

مریم مغل

افسانہ

جناح کا ملک

وہ لیٹے ہوئے مسلسل بس یہی سوچے جا رہی تھی کہ اس کی کتنی سانسیں باقی ہیں، اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری تھی، اسے اپنی ماں کی یاد آ رہی تھی، کہیں ساعتوں میں اسے اپنی سہیلیوں کی آوازیں گونجتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں تو کہیں اپنا گھر یاد آ رہا تھا، اپنے بابا کا پرشفقت چہرہ نظروں میں گھوم رہا تھا، وہ آج بھی اس 13 سالہ بچی کی طرح اپنے گھر جانے کے لیے تڑپ رہی تھی اور اس کا دل بس مسلسل لفظ ''کاش!'' کے گرد گھوم رہا تھا کہ کاش وہ اپنے ماں، بابا سے دور نہ ہوتی اور انہی یادوں سے پیچھا چھڑانے کے لیے اس نے آنکھیں موند لیں اور پھر اس کی آنکھوں میں اپنے ہم وطنوں کی لاشیں گھوم گئیں انہی کی کوششوں اور جناح کی محنت و کڑی جدوجہد سے ہی تو یہ ملک حاصل ہوا۔ ہاں! میرا ملک، ہم سب کا ملک، اور اس کے لب اس ملک کی کامیابی اور امن کے لیے اپنے رب کے حضور دعا گو ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

بدلتے ہوئے حالات کو دیکھتے ہوئے میرے تایا نے میرے بابا کو مشورہ دیا کہ وہ مجھے یعنی اپنی اکلوتی و لاڈلی بیٹی کو 13 برس کی ہی عمر میں بیاہ دیں اور انہیں بھی یہی ٹھیک لگا، پھر انہوں نے میری شادی اپنے عزیز رشتہ داروں میں کر دی یوں میں اپنے اماں، بابا کا گھر اور سہیلیوں سے رخصت ہو کر اپنے سسرال چلی آئی، جہاں میری نندیں میری ہم عمر تھیں یوں سہیلیوں سے دوری کا غم جلد ہی دور ہو گیا، سب مجھ سے بے تحاشا محبت کرتے لیکن اپنی ماں اور بابا کی یاد سے پیچھا چھڑانا میرے لیے ممکن نہ تھا، دن بھر کے تھکے ہارے پرندے شام جب اپنے آشیاں کو لوٹتے تو مجھے بھی اپنے بابا کا گھر اور ماں کی گود بہت یاد آتی اور پھر رو رو کر میرا حال ان کی دوری سے نڈھال ہو جاتا۔

☆.....☆.....☆

میرا سسرال جس علاقے میں تھا وہاں ہندوؤں کی اکثریت زیادہ تھی، چند مسلمانوں کے گھرانے تھے، ملک کے حالات روز بروز بگڑ رہے تھے، ہمارے ہمسائے جو کہ ہندو تھے اچھی خاصی دوستی کے باوجود ہمارے جانی دشمن بن گئے۔ 14 اگست سے کچھ روز پہلے جب ہمیں ہجرت کر کے پاکستان آنا تھا ضروری سامان لیے ہم گھر سے نکل رہے تھے کہ ہندوؤں نے ہمارا تمام سامان چھین لیا اور باوجود کوشش کے ہم کچھ نہ بچا پائے اور بے سروسامان اپنی منزل کی طرف چل پڑے، مگر راستے میں سکھوں نے

حملہ کر کے مسلمان لڑکیاں اپنے قبضے میں کر لیں، مسلمانوں نے حملہ بھی کیا مگر تعداد میں کمی کے سبب بے سود رہا اس حادثے میں مسلمان شہید ہوئے اور کچھ زخمی، بہت سی عورتیں ماتم کناں تھیں، بچے بلک رہے تھے، مجھے نہیں لگتا میں اپنے ہوش وحواس میں تھی، میں تو بس اپنی اور تمام لوگوں کی عزت وعظمت کی سلامتی کے لیے دعا گو تھی۔

☆.....☆.....☆

میری آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں میں کئی دنوں سے سوئی نہ تھی، سوتی بھی کیسے میں تو اپنی اور اپنے ہم وطنوں کی سلامتی کے لیے دعا کرتی تھی، مجھے اپنی ماں سے دوری کا غم بڑی شدت سے ستا رہا تھا، میرے دماغ میں یہ خیال بڑی شدت سے آ رہا تھا کہ مجھے میرے ماں بابا مل پائیں گے یا پھر میں ان سے شادی کے دن ہی رخصت ہو گئی تھی اور نہ میں جانتی تھی کہ اب وہ زندہ ہیں یا نہیں، میں ان خیالات میں گھری تھی کہ میرا کئی دنوں کا سفر تمام ہوا، ہاں ہم اپنے ملک میں پہنچ چکے تھے ہم آزاد ہو گئے تھے یہ خیال بڑا خوش کن تھا۔ جیسے ہی میں نے اس پاک دھرتی پر قدم رکھا میں خدا کے حضور سجدہ ریز ہو گئی، یہ خوشی تمام غموں پر حاوی ہو گئی اور میں خدا کی شکر گزاری میں سچے دل سے محو ہو گئی، میری کیا کیفیت تھی لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے اور نہ ہی آپ سمجھ پائیں گے۔

☆.....☆.....☆

اپنے ملک میں پہنچتے ہی جہاں ہمیں تحفظ کا یقین ہو گیا وہیں دیگر مسائل کا سامنا کرنا پڑا، لیکن خدا کا شکر ہے کہ جناح نے ایک سال کے مختصر عرصے میں ہی اس ملک کی تمام پریشانیاں ختم کر دیں اور اسے ترقی کی طرف گامزن کر دیا۔

اور آج 11 ستمبر ہے اس ملک کا جناح سے بچھڑنے کا دن، ان کی کوششوں کو سراہنے کا دن، ان کی کامیاب جدوجہد کا دن، ان لوگوں کا دن جن کی قربانیوں کے نتیجے میں ہمیں یہ ملک حاصل ہوا۔ ہم ہندوستان سے علیحدہ ہوئے تاکہ ارکان اسلام کی آزادانہ پابندی کر سکیں لیکن افسوس ایسا بہت کم ہی ہوتا ہے اگر ہر صاحب استطاعت زکوٰۃ دے تو غربت ومفلسی کو کافی حد تک کم کیا جا سکتا ہے، اگر سب ہی ایمانداری کو اپنائیں تو پھر یہ ملک ترقی کی شاہراہوں پر رواں دواں ہو سکتا ہے لیکن ہم آزادی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اے کاش! کے یہ ملک جناح کا ملک بن جائے، امن کا ملک، اسلام کا ملک.....ہمارا ملک!

☆.....☆.....☆

ادارہ ردّا ڈائجسٹ

کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

تم میرے ہو کے رہو

صالحہ محمود

قیمت -/500 روپے

ملنے کا پتہ:

ویل کم بک پورٹ اُردو بازار کراچی

شازیہ مصطفیٰ عمران

قسط نمبر 1

سلسلے وار ناول

تجھ سے مانگوں میں تجھ کو

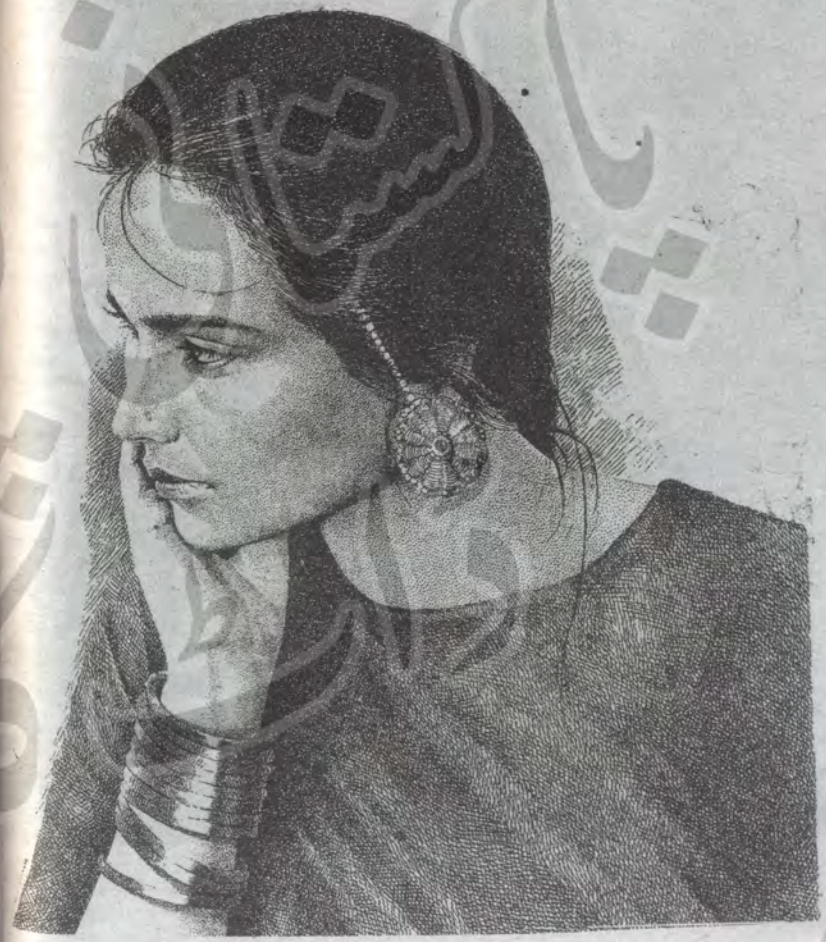

''میں ہما کی طرف جارہی ہوں، تمہارا جو دل چاہے دوپہر میں بنالینا''۔ بینا نے اپنے شولڈر کٹ بالوں کو برش سے سنوار کے کیچر میں مقید کیا، سفید بالوں کو انہوں نے پورا کالا کیا ہوا تھا، بالکل بھی کہیں سے سفید بالوں کی جھلک تک

نوٹ: رِدا کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی رِدا کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

نظر نہیں آتی تھی۔

حباب نے منہ بنا کے ان کی تیاری کو تنقیدی نگاہوں سے دیکھا، وہ کتنا جلتی کڑھتی تھی اس کا اندازہ شاید بینا کو نہیں تھا، یا پھر وہ اپنے آپ میں مگن ہی بہت تھیں، انہیں اپنی دونوں بیٹیاں نظر نہیں آتی تھیں۔

''امی! کبھی تو آپ ٹک کر گھر میں بھی بیٹھ جایا کریں''۔ ارومہ تو تھی ہی منہ پھٹ، اپنی ماں تک کو نہیں چھوڑتی تھی۔

''تم چپ کرو، زیادہ میری ماں بن کے نصیحت نہیں کیا کرو''۔ بینا نے اپنا پرس اٹھایا اور بغل میں دبالیا، دوپٹہ ہمیشہ پٹے کی طرح گلے میں اٹکا ہوتا تھا۔

''آپ کی ماں بھی آپ کو نصیحت کریں تو آپ جب بھی نہیں مانیں''۔ ارومہ کی زبان جب بھی چلتی نان اسٹ ہی چلتی تھی، اسے حباب بھی اتنا ڈانٹتی مگر اس پر اثر نہیں ہوتا تھا۔

''ارومہ! بدتمیزی کی حد ہوتی ہے''۔ بینا تو تنک ہی گئیں۔

''میں جو بات کہتی ہوں آپ کو ایسی ہی کڑوی لگتی ہے آپ آخر کیسی ماں ہیں جو صرف اپنے متعلق سوچتی ہیں، کچھ تو خیال کریں آپ کی بیٹیاں جوان ہیں''۔

''ارومہ.....!'' بینا نے اس کے رخسار پر طمانچہ جڑ دیا۔

''سچ بات تو آپ کو کڑوی ہی لگتی ہے، سامنا تو ہمیں کرنا ہوتا ہے، ہما آنٹی اپنے بچوں تک کو ہم سے بچاتی ہیں ہماری صحبت میں خراب نہ ہو جائیں''۔

''تمہارا مطلب ہے میری صحبت خراب ہے؟''

''امی! پورا خاندان کیا کیا باتیں بناتا ہے، آپ کے اور نانی جان کے متعلق، نانی جان جب سے حج کر کے آئی ہیں ہر کوئی یہ کہتا ہے نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی''۔

''بکواس بند کرو''۔ وہ تو لاجواب ہی ہو جاتی تھیں۔

''میں جا رہی ہوں دروازہ بند کر لینا، دوپہر تک آؤں گی''۔ انہوں نے دوپٹہ شانوں پر برابر کیا، حباب پر نگاہ ڈالی جو چپ بیٹھی ہوئی تھی۔

''اور ہاں نانی کی طرف نہیں جانا، گھر اکیلا چھوڑ کے''۔

''ہم گھر اکیلا چھوڑ کے کہیں نہیں جائیں، آپ ہر جگہ گھومتی پھریں؟'' ارومہ کی زبان ابھی بھی نہیں رکی تھی۔

''تمہیں تو آ کے درست کروں گی''۔ وہ اپنا بیگ اٹھا کر چلی گئیں۔

ارومہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا کے رہ گئی، حباب بینا سے کم ہی بحث کرتی تھی، مگر ارومہ بالکل کسی سے نہیں دبتی تھی۔

''ہر وقت کیوں زبان جلاتی ہو؟'' حباب نے ٹوکا۔

''تمہیں نظر نہیں آتا، ہر وقت گھومنے نکل جاتی ہیں، ذرا احساس نہیں ہوتا لڑکیاں گھر میں اکیلی ہیں''۔

''اب انہیں احساس نہیں ہوتا تو کیا کریں، چپ بھی رہ لیا کرو''۔

''مجھ سے چپ نہیں رہا جاتا، ہر جگہ اتنے فیشن کر کے نکلتی ہیں، اپنی عمر بھی نہیں دیکھتی ہیں، یاد ہے تمہیں نا ہبہ آنٹی کی شادی پر اپنی ساڑھیوں کے ہمارے سوٹ بنا دیئے تھے اور خود کیسے بھڑکیلا کام کا سوٹ پہنے ہوئے تھیں''۔ ارومہ اپنی ماں کی بے حسی پر بہت افسوس اور رونا آتا تھا۔

''دل جلانے کا کوئی فائدہ نہیں''۔ وہ کچن میں چلی گئی۔

''اس سے تو اچھا تھا ہمیں ہمارے باپ کے پاس چھوڑ دیتیں''۔ ارومہ کو اپنے باپ کا بھی بہت خیال آتا تھا جنہیں آج تک اس نے دیکھا بھی نہیں تھا، جب وہ ہونے والی تھی بینا محسن کو چھوڑ کے میکے کی دہلیز پر آ کر بیٹھ گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

''ضمران! بجلی اور گیس کے بل جمع کروانے ہیں''۔ رضوانہ نے اپنے خوبرو بیٹے کو بغور دیکھا، جو گرے پینٹ پر نیوی شرٹ میں نہایت وجیہہ اور اسمارٹ لگ رہا تھا۔

''امی! آپ کل جمع کروا دیجئے گا''۔ وہ جلدی میں تھا۔

''بیٹا! تم جانتے ہی ہو آدم اسٹور سے ہی دیر سے آتا ہے''۔ وہ پریشان سی ہو رہی تھیں۔

''اچھا لائیے!'' اس نے بل اور پیسے لیے اور پاکٹ میں رکھ لیے۔

''امی! میں آپ کو آج پھر کہہ رہا ہوں ابو کو بالکل بھی پیسے نہیں دیجئے گا''۔ وہ جاتے جاتے پلٹا۔

''بیٹا! وہ جب مانگتے ہیں تو کیا کروں؟''

''آپ ان سے بولیئے ادھر ہی آ کر رہیں، آپ کا سارا خرچہ ہم اٹھائیں گے''۔ ضمران خاصا نرم طبیعت کا تھا، اس کے باپ نے جو کچھ بھی اس کی ماں کے ساتھ کیا اور ان کی پرورش میں ذرا بھی اس کی ماں کا ساتھ نہیں دیا، پھر بھی وہ اپنے باپ کا بہت خیال رکھتا تھا۔

''تمہاری پھپھو انہیں آنے ہی کب دیتی ہیں''۔

''کچھ بھی ہے آپ انہیں کہیے گا، مگر پیسے نہیں دیجئے گا''۔ وہ اپنا موبائل اور بائیک کی چابی اٹھائے تیزی سے نکل گیا، ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی اس کی اچھی جگہ جاب لگی تھی، تنخواہ بھی چالیس ہزار تھی، دیگر سہولیات بھی تھیں، وہ بہت مطمئن تھا، گھر کا خرچ وغیرہ بہت اچھا چل رہا تھا، اس سے چھوٹا آدم.... اس کا میڈیکل اسٹور تھا، اس کی بھی آمدنی ٹھیک تھی اور باقی کے دو چھوٹے طٰہٰ اور مزمل پڑھ رہے تھے، رضوانہ نے ان بچوں کو پالنے میں بہت مشکلات اٹھائی تھیں، سسرال والوں نے بھی ساتھ نہیں دیا تھا، شوہر تو شروع سے ہی کام کے معاملے میں سست تھے، پھر وہ اپنی بہن کے گھر رہنے لگے تھے، رضوانہ نے لوگوں کے گھروں کا کام کر کے اپنے بیٹوں کو پڑھایا لکھایا تھا، اور آج وہ اس قابل ہو گئے، تو وہ سکھ سے تھیں، مگر بیماریوں نے انہیں بہت کمزور کر دیا تھا، ڈاکٹروں کے چکر اور دوائیاں ان کی چلتی رہتی تھیں، رضوانہ کو اس بات کا بہت سکون تھا ان کے چاروں بیٹے ان کے بہت فرمانبردار تھے، انہوں نے فاقوں میں بھی اپنے بچوں کا بہت خیال رکھا تھا، مگر شوہر کو ذرا بھی پرواہ نہیں تھی، جہاں رضوانہ نے پیسے مانگے یہی جواب دیتا۔

''جا طلاق لے لے، بچوں کو میں پال لوں گا''۔ عتیق احمد ہمیشہ انہیں ایسا ہی جواب دیتے تھے۔

''مزمل کو دیکھو کتنا بیمار ہے''۔

''چھوڑ کے چلی جا سب دیکھ لوں گا''۔ وہ پھنکار کے بولتے، رضوانہ ان کی شکل دیکھتی رہ جاتی تھیں، بچپن میں مزمل کھیل کھیل میں باہر کہیں گر گیا تھا، اس کی کمر میں ایسا خم ہوا کہ آپریشن تک کی نوبت آ گئی، یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ چار سال کا تھا، رضوانہ نے لوگوں کے گھروں کے کام کر کے اور لوگ جو خدا ترسی کو پیسے دے دیتے تھے، ان سے مزمل کا آپریشن کروایا تھا، وہ بھی سرکاری اسپتال میں، کھانے تک کو گھر میں دال آٹا تک نہیں ہوتا تھا، دودھ تک نصیب نہیں تھا جو مزمل کو پلایا جاتا، مگر عتیق احمد کو ذرا بھی کچھ جیسے دکھائی دیتا ہی نہیں تھا اکثر طٰہٰ یہی کہتا۔

''امی! ہم کب تک اکیلے رہیں گے، کھانے تک کو تو ہوتا نہیں ہے''۔ وہ معصومیت سے بولتا تھا۔

''نہیں طٰہٰ! ہم ایک دن دیکھنا بہت امیر ہو جائیں گے''۔ بارہ سالہ ضمران اسے تسلی دیتا تھا۔

رضوانہ کی آنکھوں میں اپنے بچوں کو دیکھ کر ہر وقت ہی نمی رہتی تھی، ضمران چھوٹا تھا پڑھ بھی رہا تھا اور کی
میں کام بھی کرتا تھا، کسی طرح تو گزارہ ہو یہ ننھے معصوم بچوں کو فکر تھی، مگر ان کا باپ ان لوگوں سے بالکل بے خبر
تھا، رضوانہ کے بڑے بھائی نے ان کی شادی کتنی دھوم دھام سے کی تھی، عتیق احمد نے ان کے جہیز تک کا سامان
دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

بائیک کو بریک نہیں لگا تا تو وہ ضرور ٹکرلگ کے دور گر سکتی تھی۔

''آپ کو لگی تو نہیں؟'' ضمران گھبرا گیا تھا۔ حباب نے خونخوار غصیلی نگاہ اٹھائی جبکہ اروما تو تن کے ہی
آ گئی۔

''آنکھیں بند کر کے بائیک چلاتے ہیں جو نظر نہیں آئے ہم؟''

''سوری، میں بھی جلدی میں تھا'' ضمران اس بھڑکتے شعلے کو دیکھ کر کچھ خفیف سا ہو گیا۔

''آپ نے سوچا کسی ایک کو لڑھکا کے آگے بڑھ جاؤں''۔

''اروما! چپ کرو''۔ حباب نے اس کا بازو دبا کے چپ کرایا۔

ضمران نے گلابی کپڑوں میں ملبوس اس پری پیکر کو دیکھا، جس کے ماتھے پر اتنے جال تھے جیسے وہ کسی گہری
کا شکار ہے۔

''کیا گھور گھور کے دیکھ رہے ہیں؟'' اروما نے اس کی یہ حرکت نوٹ کر لی تھی، جو حباب کو دیکھ رہا تھا۔

''مجھے معاف کر دیں غلطی ہو گئی''۔ ضمران نے نجل ہو کے ہاتھ جوڑ دیئے، وہ لڑائی بحث میں تو پڑنا ہی نہیں
تھا، جلدی سے بائیک پر کک لگائی اور آگے بڑھ گیا، مگر ذہن اس کا الجھ گیا تھا۔

''حباب! اس بندے کو میں نے کہیں دیکھا ہے''۔

''دفع کرو کہیں بھی دیکھا ہو، چلو جلدی جلدی رات کا کھانا بھی بنانا ہے''۔ اس نے اروما کو ڈانٹ دیا وہ ویسے
لوگوں پر زیادہ تذکرہ کرنا پسند نہیں کرتی تھی، ماں کی عدم توجہی کی وجہ سے وہ ویسے ہی چڑی ہوئی الجھی ہوئی رہتی تھی۔

''تم تو بس منہ پر چپ کی مہر لگائے رہتی ہو، تمہارے منہ میں درد نہیں ہوتا؟'' وہ دونوں ایک دوسرے کو
ہوئیں اندر گیٹ کراس کرنے لگیں۔

''بول کے لڑ جھگڑ کے کوئی فائدہ ہو تو بتا دو، تم امی سے کتنی زبان چلاتی ہو، انہیں اثر ہوتا ہے، نہ تمہیں اثر ہوتا ہے
دونوں سیڑھیاں چڑھ رہی تھیں۔

''وہ اپنی عادت سے باز نہیں آئیں گی، میں بولنے سے باز نہیں آؤں گی''۔ اروما ویسے ہی مزاج کی کچھ
سے تیکھی ہی تھی، بینا نے جب سے زاہد سے طلاق لی تھی، دونوں ہی ماں سے بدظن ہو گئی تھیں، پھر جب اروما دس
کی تھی، جانے بینا نے کس آدمی سے شادی کی، کوئی بھی خوش نہیں تھا، یہ شادی بھی ایک سال چلی اور شوہر کسی بیماری
مبتلا ہو کر انتقال کر گیا، کافی بینک بیلنس بینا کو ملا وہ شروع سے ہی پیسے کے پیچھے بھاگتی آئی تھیں، بیٹیوں پر بھی وہ
توجہ نہیں دیتی تھیں، پھر جب اروما میٹرک میں آئی اور حباب انٹر میں، بینا نے کسی گھر کے قریب سیاسی بندے

شادی کر لی، جس کے پہلے ہی بیوی بچے تھے، وہ شخص بینا سے عمر میں کافی چھوٹا تھا، جانے کیسے دونوں کا چکر ہوا اور
شادی کر کے الگ فلیٹ میں رہنے لگیں، اروما اور حباب اور زیادہ ہی ان کے خلاف سی ہو گئیں، کیونکہ بینا نے شروع
سے ہی اپنا ہی سوچا تھا۔

اروما کی زبان اس دوران بہت چلنے لگی تھی، حباب کو کچھ چپ لگ گئی تھی، اوپر سے ننھیال والے بھی دونوں کو زیادہ
اپنے ساتھ نہیں لگاتے تھے، اسی وجہ سے حباب بہت حساس ہو گئی تھی۔

دو سال پہلے ہی بینا کے نئے شوہر کی بھی موت ہو گئی اور وہ اس کے فرنشڈ فلیٹ میں اروما اور حباب کو بھی لے کے
رہنے لگی تھیں، حباب تو آ ہی نہیں رہی تھی وہ تو ماموؤں کے اتنا بولنے پر اسے آنا پڑا، سامنے ہی اس کی بینا سے چھوٹی
خالہ رہتی تھیں، ان کی دونوں بیٹیاں اتنی تمیز کی تھیں حباب دیکھ کر اور احساس کمتری میں مبتلا ہوتی تھی، پیار سے انہیں
سب بے بی کہتے تھے وہ بے بی خالہ کہتی تھی، بے بی خالہ کی جیبہ سے اس کی کچھ بنی ہوئی تھی، اور ان کے گھر وہ چلی بھی
جاتی تھی۔

☆.....☆.....☆

سب سوئے ہوئے تھے اور کچن میں کھٹر پٹر کی آوازیں ضمران کو آئی تھیں، اسے خبر تھی ضرور مزمل پاستہ بنانے میں
لگا ہو گا۔

''یہ تم رات کے دو بجے ہی کیوں بناتے ہو؟'' ضمران نے اسے فرائی پین میں پاستہ بناتے ہوئے دیکھا۔

''وہ رات میں اس لیے بناتا ہوں کہ امی اور باقی سو جاتے ہیں، آرام سے سکون سے بناتا ہوں''۔ وہ ماہرانہ انداز
میں بنانے میں مصروف تھا۔

''یہ برتن بھی دھو کے رکھنا''۔

''بڑے بھیا! پلیز برتن آپ دھو لیجئے گا آپ کو بھی کھلاؤں گا''۔ مزمل نے اسے لالچ دی۔

''مجھے نیند آ رہی ہے مجھے نہ کھانا ہے نہ دھونا ہے''۔ وہ مڑ گیا، برا ہو ار ضوانہ کی آنکھ کھل گئی، مزمل کی شامت تو آنی
ہی تھی۔

''یہ تم پھر بنانے لگے مزمل! کیوں اتنا کھانے لگا ہے؟''

''امی! وہ....!'' مزمل اچھل گیا۔

''یہ تو تھوڑا سا بنا رہا ہوں''۔

''یہ تھوڑا ہے، پورا دس آدمیوں کا ہے''۔ رضوانہ نے کچن کا حشر دیکھا، پورا کاؤنٹر اس نے پھیلا کے رکھا ہوا تھا۔

''میں تم لوگوں کو کچھ نہیں کہتی ہوں تو تم سب تو بالکل ہی بے لگام ہو جاتے ہو''۔ رضوانہ نے کچن سمیٹنا شروع کیا۔

''رات کے دو بجے پکانے کی کیا تک ہے؟''

''امی! بھوک لگی تھی''۔ وہ منمنایا۔

''اچھا، اچھا جلدی سے کھاؤ پھر جا کے سو جاؤ، صبح پھر اسکول کے لیے دیر کرتے ہو''۔ انہوں نے ساتھ ہی تنبیہہ بھی
کی۔ مزمل اپنے بچ جانے پر شکر ادا کرنے لگا، ضمران اپنے کمرے سے نکل آیا۔

''چلو مجھے بھی دو کچھ کھانے کو، خوشبو سے بھوک چمک اٹھی ہے''۔

''آ گئے بڑے بھیا! لائن پر، برتن آپ کو ہی دھونے ہوں گے''۔

''یہ تو تم بھول جاؤ میں دھوؤں گا''۔ اس نے فرائی پین سے خود ہی پاستہ باؤل میں نکالا اور کھانا شروع ہو گیا۔ مزمل نے خجل ہو کر اسے دیکھا، بڑا بھائی تھا زیادہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا، رتبے کا بھی لحاظ تھا۔

''گھورو کم اور کھاؤ، پھر جا کر سونا صبح پھر اٹھنے میں تمہیں ہی مصیبت پڑتی ہے''۔ ضمران نے جلدی جلدی خ اور باؤل سنک میں ڈال کے چلا گیا۔ مین گیٹ دوبارہ سے چیک کیا، آخر میں اسٹور سے آدم ہی آتا تھا، اکثر لاک رہ جاتا تھا۔ اپنے بیڈ پر آ کر لیٹا اور پھر سے اس پری پیکر کا چہرہ نگاہوں میں گھوم گیا، اس نے اکثر اپنے علاقے میں دونوں کو دیکھا تھا کبھی کسی دکان پر تو کبھی کہیں آتے جاتے۔ مگر وہ بڑی بہن کتنی دبی دبی پیچھے کھڑی تھی، چہرے پر کے تفکر کی واضح لکیریں تھیں جیسے وہ کسی الجھن کا شکار ہو۔

''زندگی میں کبھی کسی لڑکی نے مجھے یوں چونکایا نہیں ہے، مگر اس لڑکی میں ایسی کیا بات ہے کہ میری نگاہ بھٹ ہے''۔ وہ چھت پر لگے پنکھے کو دیکھے جا رہا تھا۔

صنف نازک پر اس نے کبھی توجہ ایسے تو نہیں دی تھی، اور اس کی چھوٹی بہن کتنی چنک منک بول رہی تھی۔ کر بدل بدل کے جانے کسی پہر اس کی آنکھ لگی اسے بھی خبر نہیں ہوئی، وہ تو برابر میں آ کر ٹھہ لیٹا تو آنکھوں کو بمشکل کھ کے اسے دیکھا۔

''تم ادھر کیوں لیٹ گئے؟''

''یار! بڑے بھیا! اس وقت سونے دیں، صبح بتاؤں گا کیوں لیٹا''۔ وہ سر سے چادر تان کے لیٹ گیا، ضمران بھی اسے زیادہ کچھ نہیں کہا اور وہ بھی کروٹ لے کر سو گیا۔

☆.....☆.....☆

سرخ و سپید رنگت بڑی بڑی آنکھیں اس میں ہمیشہ موٹی لائن والا کاجل لگا ہوتا تھا، موٹی موٹی بھری بھری کلائیں میں سونے کی چوڑیاں اور کڑے، گلے میں موٹی سی چین اس میں پڑا لاکٹ، انہیں آج بھی منفرد اور نمایاں کرتا تھا، جسم پھول کے اتنا بھاری ہو گیا تھا کہ چلنا پھرنا تک مشکل تھا، مچھلی کی اتنی شوقین جہاں آواز آئی گھر سے نکل کے لینے کھڑی ہو جاتی تھیں، موٹے موٹے گورے گورے پاؤں، پیر کے ناخنوں پر مہندی کا عرق، ان کے پاؤں کو خوبصورت بنا تھا، کئی لوگ آج بھی اتنی عمر ہونے کے باوجود انہیں متوجہ ہو کر ضرور دیکھتے تھے۔

''جوانی میں نانا کو ڈورے ڈال کے پھانسا ہے نانی نے تو، آج بھی دیکھ لو کیسی الہڑ حسینہ بنی ہوئی ہیں''۔ اور انہیں دیکھ کر منہ ہی منہ میں ناگواری سے بڑبڑائی تھی۔

''ہماری امی ان پر ہی چلی گئی ہیں، انہیں بھی دیکھ لو، جوان لڑکی بننے کے چکروں میں رہتی تھیں، بالوں کو کیسے کالا ہوا ہے''۔

''اروما! کیا بولے جا رہی ہو؟'' حباب نے اسے ٹوکا۔ دونوں حسین بیگم کے بلانے پر آئی ہوئی تھیں، اروما کا دل نہیں تھا، مگر بینا کی ڈانٹ ڈپٹ کی وجہ سے آنا پڑا تھا۔

''نانی جان کا نام دیکھو حسین بیگم ہے، بڑھاپے میں بھی جوانی دکھاتی ہیں''۔ اس پر جیسے مطلق اثر نہیں ہو رہا تھا۔

''ارے اروما! چل دسترخوان لگا''۔ حسین بیگم نے اسے کئی گھنٹوں سے ایک ہی جگہ جمے دیکھا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے، میں نہیں لگاتی دسترخوان''۔ صاف ٹکا سا جواب دیا۔

''تمہیں بھوک نہیں ہے اوروں کو تو ہے ان کے لیے لگا''۔

''نانی جان! رہنے دیں اتنی سی بریانی بنائی ہوگی اور پورا ممبر بٹھالیں گی چاہے کم پڑ جائے''۔

''آ جائے بینا کرتی ہوں تیری شکایت''۔ حسین بیگم لاجواب ہی ہو گئی تھیں۔

''کر دیں میری شکایت، جو سچ ہے وہ کہا ہے، پچھلی عید پر جو آپ نے کیا تھا، وہ بھول گئیں اتنی سی بریانی میں ہما آنٹی کی پوری فیملی اور آپ کے دیور کی پوری فیملی اسے کھانے بٹھا دیا، پتہ نہیں کیسے سب کو پتہ چل گیا بریانی کم ہے سب ہی کم کم کھا کے اٹھ گئے، آپ کی بریانی بھی بچ گئی''۔

''اللہ کتنا بولتی ہے یہ لڑکی، چڑ چڑ''۔ حسین بیگم نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ حباب تو ویسے ہی ان سے کم ہی بات کرتی تھی، مگر جب بھی بات کرتی کام کی بات کرتی تھی۔

''آپ سے اور امی سے ہی سیکھا ہے''۔ وہ ترکی بہ ترکی جواب دے رہی تھی۔

''امی! آپ نہیں بولیں پھر یہ بولتی رہے گی''۔ اکرم کی بیوی نازیہ نے انہیں سرگوشی میں کہا۔

''مامی! مجھے پتہ ہے آپ کیا بول رہی ہیں''۔

''واقعی اروما! تم بہت ہی بدتمیز ہو گئی ہو، ذرا لحاظ شرم نہیں ہے''۔

''جو بڑے کرتے ہیں وہی چھوٹے سیکھتے ہیں''۔

''حباب! لے کے جا اسے گھر، ورنہ مجھے بہت غصہ آ رہا ہے، میں دو تین جڑ دوں گی''۔ اروما ان سے برداشت سے باہر ہو رہی تھی۔

''ہمیں کیوں بلایا کہ آ جاؤ؟''

''خیال کر کے بلاتی ہوں''۔ انہوں نے ہاتھ نچاتے کہا۔

''ہاں بچا کھچا جو پھینکنا ہوتا ہے، وہ ہمارے آگے رکھ دو اور چیز کم ہو تو ہر کو بٹھا دو نام بھی ہو جائے کہ کھانا کھلایا تھا''۔ وہ تو انہیں سلگائے جا رہی تھی۔ نازیہ نے تو اکتا کے سر پیٹ لیا تھا، حباب اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی اور اروما وہیں جمی بیٹھی رہی۔

☆.....☆.....☆

''کل تک لوگ بات کرنے کے روادار نہیں تھے، آج دعوتیں دے دے کے بلاتے ہیں''۔ آدم بڑے صوفے پر ٹانگیں لمبی کر کے لیٹا تھا۔

''بس بیٹا! چپ رہو، کچھ نہیں بولو''۔ رضوانہ نے اسے سرزنش کی۔

''امی! جو سچ ہے وہ کہہ رہا ہوں، یہی وہ پھپھو ہیں جو آپ کو ادھار تک دیتے ہوئے صاف منع کرتی تھیں، اور آج آپ کو سر آنکھوں پر بٹھاتی ہیں''۔ وہ اپنی راشدہ پھپھو کی خصلتوں کو بچپن سے جانتا تھا، ان کی تین بیٹیاں تھیں، آج ان

کی یہی کوشش تھی، ان کی بیٹیاں ان کے بھائی کے گھر بیاہی جائیں، جو کل حقارت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں، ان کے ب
کو اپنے گھر میں جگہ دی ہوئی تھی، مگر بھاوج اور بھتیجوں کو پوچھتی تک نہیں تھیں۔

''ارے بیٹا! چھوڑو پرانی باتوں کو''۔

''امی! میں پھپھو کو جانتا ہوں، وہ اپنی خودسر بیٹیوں کو یہاں کھپانے کے چکر میں ہیں''۔

''تمہیں اسٹور کب جانا ہے؟'' رضوانہ کسی کی بھی برائی میں نہیں پڑتی تھیں اور اپنے بیٹوں کو بھی منع کرتی تھیں، گر خاندان کے لوگوں نے ان کے بیٹوں کے دل خراب کر دیئے تھے، اس لیے وہ کسی سے بھی ملنا نہیں چاہتے تھے، رضوانہ پھر بھی دنیاداری نبھا رہی تھیں۔

''آپ کیوں ان لوگوں کی حمایت کرتی ہیں؟'' وہ چڑ گیا۔

''تم اپنے کام پر توجہ دیا کرو، فضول میں ان خاندانی جھگڑوں میں نہیں پڑا کرو''۔ انہوں نے آدم کے بگڑتے موڈ کو دیکھا۔

''آپ کو میں کہہ رہا ہوں، ہم بھائیوں میں سے کوئی بھی پھپھو کی کسی بھی بیٹی سے شادی نہیں کریں گے''۔

''آدم! تم تو بیٹا پتہ نہیں کیا کیا سوچنے لگے ہو، ایسی کوئی بات ابھی تو ہے نہیں''۔ رضوانہ نے بے زاری سے اپنا سر پیٹ لیا۔

''ابھی نہیں ہے، مگر آپ جانتی ہیں ان کا ارادہ تو ہے، اور آپ مجبوری میں مان جائیں گی''۔

''یہ فضول کی بحث ہے، تمہارے لیے میں چائے بنا رہی ہوں، پی کر اسٹور چلے جاؤ''۔ وہ اس کی بات کاٹ کے کھڑی ہو گئیں۔

''امی! آدم بھائی ویسے بات بالکل ٹھیک کہتے ہیں، آپ پھپھو کو جانتی ہیں وہ اپنی بیٹیوں کو یہیں کھپانے کے چکر میں ہیں''۔ طٰہٰ نے بھی سنا تو وہ چلا آیا۔

''تم بھی بک بک شروع کر دو''۔ رضوانہ نے اسے گھورا۔

''پھپھو کی نوشین کو دل کرتا ہے رکھ کر ایک لگاؤں، لچکتی مچکتی رہتی ہے''۔

''طٰہٰ! اپنی زبان روک لو''۔

''آپ ہمیں ڈانٹتی رہا کریں، اور ان کی سائیڈ لیتی رہا کریں''۔ وہ منہ بنا کے آدم کے سامنے والے سنگل صوفے پر بیٹھ گیا۔

''تم دیکھتے کیوں ہو؟''

''پھپھو کی پوری کوشش ہے، نوشین کو بھائی جان سے باندھ دیں''۔

''ہاں بھائی جان وہ تو کبھی قابو نہیں آئیں گے''۔ آدم نے تمسخر اڑا کے کہا۔

''تم دونوں کی عادتوں کو کیا ہو گیا ہے، عورتوں کی طرح باتیں کرنے لگے ہو''۔ رضوانہ نے ان دونوں کو خشمگیں لہجے میں ٹوکا۔

''ہمیں جو برا لگتا ہے وہ تو بولیں گے یہ عورتوں کی طرح سے کیا مطلب ہوا؟'' طٰہٰ نے ترکی بہ ترکی کہا۔

''امی! میں تو آپ کو بتا رہا ہوں اس گھر میں پھپھو کی کوئی بھی بیٹی نہیں آئے گی''۔

''طٰہٰ! اس بات سے تو تم بے فکر ہو جاؤ، نوشین تو کیا نوین بھی نہیں آ سکتی''۔ آدم نوین کو جانتا تھا۔ اس کا جھکاؤ آدم کی طرف تھا اور وہ اسے دیکھنا تک نہیں چاہتا تھا۔ رضوانہ کچن میں کھڑی ان دونوں کی گفتگو سن رہی تھیں۔

☆............☆............☆

''بہت زبان ہو گئی ہے اُرومہ کی، کبھی بیٹیوں کی بھی خیر خبر رکھا کرو، یہ کیا ہر وقت گلے میں دوپٹہ ڈالا اور کندھے سے پرس لٹکایا اور باہر نکل گئیں''۔ حسین بیگم نے آج بینا کی خبر لے ڈالی۔

''اماں! آپ بھی ان لڑکیوں سے کیوں ڈرتی رہتی ہیں، ایک رکھ کر لگایا کریں''۔ بینا ابھی بھی خاصے ڈارک میک اپ میں ان کے سامنے بیٹھی تھیں اور ان کے پاندان سے پان کا چھوٹا ٹکڑا لگا کے کھا رہی تھیں۔

''ہاں ایک رکھ کر لگایا کروں، وہ تیری اُرومہ مجھے چیر پھاڑ دے گی''۔

''اماں! کیا بات ہے اتنی سی لڑکی سے ڈرتی ہیں؟''

''دیکھ بینا! میں تمہیں کہے دے رہی ہوں، گھر میں بیٹھا کرو اور لڑکیوں پر نگاہ رکھو، کیا گھر میں ہر وقت اکیلا چھوڑ کے چلی جاتی ہو''۔

''آپ بھی تو ایسا ہی کرتی تھیں''۔

''بہت بکواس آتی ہے، بالکل تجھ پر گئی ہے اُرومہ''۔ وہ لاجواب ہو گئیں تو بینا کو سخت سست سنانے لگیں۔

''اماں! میں کیا کروں، وہ تو مجھ سے بھی ایسے ہی زبان چلاتی ہے''۔ بینا خفیف سی ہو گئیں۔

''جلدی جلدی دونوں کی شادی کا سوچو''۔

''ابھی مجھے اتنی جلدی نہیں ہے، پھر میں اتنی جلدی بوڑھی نہیں ہونا چاہتی''۔ بینا کو ذرا بھی اپنی بیٹیوں کا اس معاملے میں خیال نہیں ہوتا تھا، وہ تو ابھی بھی اپنے چکر میں تھیں۔

''اچھا اماں! میں چلتی ہوں میں سمجھی کہ آپ کو پتہ نہیں کیا ضروری کام تھا جو مجھے اس طرح بلوایا''۔

''اپنی بیٹیوں کو قابو کر لو، ورنہ سر پکڑ کے روؤ گی''۔ انہیں بینا کے اطمینان پر بہت غصہ آ رہا تھا، جو کسی بھی بات کو سیریس ہی نہیں لیتی تھیں۔

''بینا! بیٹھو چائے بنا رہی ہوں پی کے جانا''۔ نازیہ نے کچن سے ہی ہانک لگا کے اسے جانے سے روکا۔

''نہیں بھابی! چلوں گی چائے کا موڈ بھی نہیں ہے''۔ بینا مسکراتی ہوئی جانے لگیں، اسی وقت اوپر والے پورشن کے کرائے دار کے گھر سے کوئی لڑکا لمبا چوڑا سا نکلا، بینا نے اسے دیکھ کر اٹھلا کے دوپٹہ شانے پر لیا وہ لڑکا فہمائشی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''آپ کیا نئے آئے ہیں؟'' بینا جان کر ہر ایک سے یوں ہی مخاطب ہو جایا کرتی تھیں، اس لڑکے نے انہیں تنقیدی نگاہوں سے دیکھا۔

''آنٹی! میں یہاں کسی سے ملنے آیا تھا''۔

''آنٹی...؟'' بینا کے تو پتنگے لگ گئے وہ تو کم عمر حسین بن کے اس کے سامنے چل رہی تھیں۔

''سنیئے میری عمر اتنی نہیں ہے''۔ وہ بدمزہ سی ہوگئیں۔

''ٹھیک کہا میری امی سے چند سال ہی چھوٹی ہوں گی، وہ سامنے والا ہمارا گھر ہے''۔ وہ انہیں اشارے سے سامنے کی طرف دکھانے لگا چندا میاں کی بلڈنگ کے ساتھ ہی اس کا گھر تھا، بینا حیرانگی سے سوچنے لگیں، اس لڑکے کو پہلے انہوں نے دیکھا کیوں نہیں۔

''کب آؤں؟''

''کیا مطلب کب آؤں، جب دل چاہے آجایئے گا، ہماری امی ویسے کم ہی کسی کو منہ لگاتی ہیں''۔

''اے لڑکے تم بہت بدتمیز ہو''۔ بینا خجل سی ہوگئیں۔

''آپ سے بہت کم، پلیز شرم وحیا کے تقاضوں کو سامنے رکھا کریں، کبھی لباس پر بھی دھیان دیا کریں، کیا لگ رہی ہیں آپ بوڑھی گھوڑی لال لگام''۔ وہ بینا کی اچھی طرح عزت افزائی کر کے اپنے گھر کے کھلے گیٹ سے اندر داخل ہوگیا اور بینا غصے سے تلملا کے رہ گئیں، آج پہلی دفعہ کسی لڑکے نے انہیں یوں ٹکا سا جواب دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

طحٰہ اور مزمل کا ہنس ہنس کے برا حال تھا، ضمران اندر ٹی وی دیکھ رہا تھا، سن وہ بھی رہا تھا۔

''ارے یہ خاتون اکثر ایسے ہی حلیے میں پھرتی ہیں، ارشد لوگوں کی مالک مکان کی بیٹی ہے''۔ آدم نے بتایا۔

''تمہیں ضرورت کیا تھی کسی عورت کے منہ لگنے کی''۔ رضوانہ کو ایسی باتیں ذرا پسند نہیں تھیں۔

''امی! میں تو سیدھا اتر کے آرہا تھا، مخاطب انہوں نے کیا تھا، ویسے بھی امی! وہ خاتون مجھے لڑکوں پر ڈورے ڈالنے والی لگ رہی ہیں''۔

''آدم! زبان کو سنبھال کے بولا کرو کسی کے متعلق''۔

''امی! ایک تو آپ برے کو بھی برا نہیں کہنے دیتی ہیں''۔ وہ منہ بنا کے گویا ہوا۔

''ہمیں تمہیں کیا پتہ کون برا ہے، یہ سب اللہ کو پتہ ہے''۔ انہوں نے چائے کی ٹرے ان کے پاس کارپٹ پر رکھی۔

''اللہ نے ہمیں عقل تو دی ہے اور ہم سب دیکھ رہے ہیں، کون اچھا اور کون برا ہے''۔ وہ تاویل دینے لگا۔

''اچھا فضول بحث ہر وقت تم لوگ نہیں کیا کرو، کون کیا کر رہا ہے، کیوں تم لوگ عورتوں کی طرح باتیں کرتے ہو؟''

''امی! حد ہوتی ہے، یہ عورتوں کی طرح خوب کہی اور آپ ان عورتوں کو نہیں دیکھتی ہیں، جو ہم لڑکوں کو تاڑتی ہیں اپنی عمر کا بھی لحاظ نہیں، اب ہم یہ بھی نہ بولیں وہ کیا کر رہی ہیں''۔ آدم برا مان کے گویا ہوا اسے اپنی ماں کی صلح جو عادت سے سخت اختلاف تھا۔

''طحٰہ! ضمران کو بلا، وہ بھی چائے لے لے''۔ رضوانہ ان لڑکوں کی ہر وقت کی بحث سے سخت نالاں تھیں۔

''آپ تو پتہ نہیں کس طرح کی ہیں، کوئی آپ کے ساتھ برائی کرے اسے بھی کچھ نہیں کہتی ہیں''۔

''میرے کہنے سے کیا ہوگا، اللہ تو دیکھ رہا ہے''۔ وہ مطمئن رہتی تھیں اور اپنے بیٹوں کو بھی برا بولنے سے روکتی

تھیں۔

''تم لوگ واقعی بہت فضول بولتے ہو''۔

''ہاں آجایئے، دادا جان! آپ کی کمی تھی، بولیے بولیے کیا وچار ہیں آپ کے بینا آنٹی کے متعلق؟'' آدم نے طنزیہ کہا۔

''شٹ اپ!'' ضمران نے ڈانٹ دیا۔

''مجھے پتہ ہے امی کے سامنے یہ سارا ڈرامہ ہے، ورنہ بولنے میں تو آپ بھی ثانی نہیں رکھتے ہیں''۔

''چپ کرو بدتمیز، میں تمہارا بڑا بھائی ہوں ادب سے بات کیا کرو''۔ اس نے رضوانہ کو کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے آدم کو بارعب آواز میں ڈانٹا۔

''خوب سمجھتی ہوں تم چاروں کو، مجھے بے وقوف بناتے ہو''۔ انہوں نے ضمران کا کان پکڑا۔

''امی! کیسی باتیں کرتی ہیں، میں کیوں آپ کو بے وقوف بناؤں گا''۔ وہ چہرہ سنجیدہ بنانے لگا، وہ تینوں بھائی قہقہہ لگا کے ہنسنے لگے تھے۔ اسی دوران ڈور بیل ہوئی آدم نے مزمل کو اشارے سے اٹھنے کو کہا۔

''السلام علیکم بھابی!'' راشدہ کی کھلکھلاتی آواز پر وہ چاروں ہی بدمزہ سے منہ بنانے لگے، مگر رضوانہ کی خشمگیں نگاہوں نے چاروں کو نارمل کیا۔ مزمل تو سائیڈ پر ہوگیا، ان کے پیچھے ان کی تینوں بیٹیاں بھی تھیں، ضمران تو کمرے میں چلا گیا، کیونکہ راشدہ اپنے چاروں بھتیجوں کو دیکھ کر کچھ زیادہ ہی چہکتی تھیں۔

''ارے بھابی! میں نے سوچا آپ کی طبیعت پوچھ آؤں، یہ تینوں بھی کہنے لگیں ہم بھی چلیں گی اور آج رکیں گی''۔ انہوں نے ساتھ ہی مژدہ بھی دنایا۔

طحٰہ دل پر ہاتھ رکھ کر غش کھا کے بیڈ پر گرا، ضمران نے اس کے ٹہوکا مارا جو وہ اس کے روم میں ہی آگیا تھا۔

''بھائی جان! آج ہوگی بلکہ کل تک دماغ کی ہماری دہی، پھپھو کی بیٹیاں رکنے آگئی ہیں''۔

''آہستہ بولو کہیں سن نہ لیں''۔

''ارے سنتی ہیں تو سن لیں''۔ وہ چاروں کسی سے اب دبتے نہیں تھے، مگر ضمران پھر بھی رضوانہ کی وجہ سے لحاظ کر لیتا تھا ورنہ وہ خود ان کی طبیعت صاف کرنا خوب جانتا تھا۔

''میں امی کی وجہ سے کہہ رہا ہوں، وہ ناراض ہوتی ہیں ہم پر''۔ اس نے طحٰہ کو گھورا۔

''یہ امی بھی ان کی خوب آؤ بھگت کرتی ہیں، ہاتھ پکڑ کے روانہ کیوں نہیں کرتی ہیں؟ شروع سے انہوں نے امی کو خوب تنگ کیا ہے اور ہمارے ابو پر الگ قبضہ جمائے رکھا''۔

''چپ کرو''۔ ضمران نے برش اٹھایا اور بالوں میں چلایا، وہ تو دوست کی طرف جا رہا تھا اور گیارہ سے پہلے اس کی واپسی کا ارادہ بھی نہیں تھا۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''عمار کی طرف جا رہا ہوں''۔ بلیک پینٹ پر فان کلر کی شرٹ میں ہینڈسم سا ضمران نوشین کی توجہ کا مرکز رہتا تھا۔

''امی! جلدی آجاؤں گا''۔ اس نے رضوانہ کو بتایا۔

''ارے ضمران! آج تو گھر پر نک جاؤ، ہم آئے ہیں''۔ راشدہ کو خوبرو ضمران بہت اچھا لگتا تھا۔

''پھپھو! مجھے کام ہے، پھر کبھی آپ تو ویسے بھی آتی ہی رہتی ہیں''۔ اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی طنز سا کر دیا۔

''اے بیٹا! تمہاری محبتوں میں آ جاتی ہوں''۔ راشدہ لگتا ہے اس کا طنز سمجھی نہیں تھیں۔ رضوانہ نے سرزنش بھری نگاہوں سے ضمران کو گھورا، آدم الگ منہ بنا رہا تھا۔

''چپ کر کے چلے جاؤ، ورنہ اچھا نہیں ہوگا''۔ وہ ان سب کے لیے بریانی بنانے لگی تھیں اور ان کے چاروں بیٹے بھی منہ بنا کے ہری جھنڈی دکھا رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

وہ باہر رکھے بڑے بڑے گملوں میں لگے پودوں کو پانی دے رہی تھی، پنک دوپٹہ زمین کو سلامی دے رہا تھا، گھیر دار فراک اس پر ٹراؤزر، بالوں کو جکڑ کے چوٹی سے رکھا ہوا تھا، چہرے پر اس کے ہمیشہ کی طرح اداسی اور سنجیدگی ہی نظر آتی تھی اور نگاہوں میں غصہ، پتہ نہیں کیوں ہوتا تھا۔

''اے مسٹر! اپنا جوتا ہٹایئے''۔ حباب نے غرا کے ناگواری سے اس کی چوڑی پشت کو کھا جانے والی نگاہوں سے گھورا تھا۔

''مجھ سے کچھ کہا؟'' وہ انجان بننے کی ایکٹنگ کرنے لگا۔

''نہیں محلے والوں سے کہا ہے''۔ تپ کے مگ بالٹی میں زور سے ڈالا تو پانی کی چھینٹیں دونوں کے منہ تک آئی تھیں۔

''میرا دوپٹہ آپ کے جوتے کے نیچے ہے''۔

''اوہ... سوری ایسا بولیے نا''۔ ضمران کو جانے کیوں یہ پریشان اور غصے میں بھری لڑکی کچھ کچھ متاثر کرنے لگی تھی۔

''زیادہ میں کسی کو فری نہیں کرتی ہوں اور ہونا بھی پسند نہیں کرتی ہوں''۔ دوپٹہ شانوں پر برابر کیا بالٹی کو اٹھانے کے لیے جھکی۔

''حیرت ہے آپ نہیں کرتی ہیں''۔ ضمران طنز کرنے لگا اور وہ اس کا یہ طنز خوب اچھی طرح سمجھتی تھی۔

''اگر آپ کا اشارہ میری امی کی طرف ہے، تو کان کھول کے سن لیں، ان کی کوئی بات میں برداشت نہیں کروں گی''۔

''لگ بھی رہا ہے''۔ ضمران نے اپنے گھر کی بیل بجائی اسے گھر میں گھستے ہی ویسے ہی بہت کوفت ہو رہی تھی، راشدہ پھپھو کا اپنی بیٹیوں سمیت ابھی تک قیام گھر میں تھا۔

''اے ہے آپ ہیں''۔ نوشین نے گیٹ کھولا، سامنے حباب کو دیکھ کر اس کی تیوری پر ناگواری کے بل پڑ گئے۔ نوشین لمبی سی اسٹائلش لیلن کی شرٹ پر ٹائٹ پاجامہ پہنے ہوئے تھی، دوپٹے کے نام پر بلیک اسکارف گلے میں چپکا ہوا تھا۔ حباب کی فہمائشی نگاہوں نے اس لڑکی کا تفصیلی جائزہ لیا۔

''ضمران! آپ بھی کن کن لوگوں کو منہ لگاتے ہیں''۔

''زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، میرا معیار ابھی اتنا گرا نہیں ہے''۔ حباب نے چبھ کے اس کی

طبیعت صاف کی۔

''کوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھی بھول گیا، ایسے کپڑے ہیں کہ تم لڑکیاں پتہ نہیں خود کو ہیروئن سمجھنے لگتی ہو''۔ وہ کہاں کم تھی، نوشین کی طبیعت صاف کر دی۔

''اونہہ.....!'' نوشین نے ہنکار کے اندر کی جانب قدم بڑھا دیئے جبکہ ضمران کے ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ در آئی، جو اس نے بڑی صفائی سے چھپا لی تھی۔

''ویسے محترمہ! زبان تو آپ کی خاصی چلتی ہے''۔

''میرا ہاتھ بھی چلتا ہے'' مگ بھر کے پانی ضمران پر اچھال دیا، وہ تو حواس باختہ ہو گیا۔

''ارے، ارے حباب! کیا کر رہی ہو؟'' بینا نے اندر سے سارا منظر دیکھا تو وہ بھی چلی آئی تھیں۔ حباب نے جلدی سے بالٹی اٹھائی، کیونکہ اگر بینا باہر نکل کے آ گئیں تو ضرور ضمران کے سامنے اٹھلانا شروع کر دیتیں اور یہ اسے بالکل بھی گوارہ نہیں تھا۔

''ارے آپ تو گیلے ہو گئے''۔ بینا نے ہینڈسم سے ضمران کو دیکھ کر ذرا اٹھلا کے افسوس ظاہر کیا۔

''جی کوئی بات نہیں''۔ وہ پژمل ہو گیا۔

''امی! آپ تو اندر چلیے''۔ کیا زمانہ آ گیا تھا بیٹی ماں کو کہہ رہی ہے اندر چلو۔

''تم اندر جاؤ بالٹی لے کے''۔ بینا نے برا سا منہ بنایا۔ ضمران نے ان کا چمکتا چہرہ بغور دیکھا، جو صاف لگ رہا تھا اسے دیکھ کر چمک رہا ہے۔

''آپ باہر کیوں کھڑی ہیں؟''

''چپ کرو ہر وقت اپنی ماں کی بے عزتی کرتی رہتی ہو''۔ بینا کو ضمران کے سامنے حباب کا یوں بولنا بہت برا لگا تھا، ضمران تو فوراً گیٹ کھول کے اندر چلا گیا تھا، وہ بینا سے ویسے بھی بچتا تھا، اور کل جب آدم ان کی باتیں بتا رہا تھا وہ اور محتاط ہو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

''امی! کتنے دن کا قیام ہے؟'' آدم واقعی بے زار ہو گیا تھا۔

''ہر وقت فضول مت بولا کرو، چلی جائیں گی جب جانا ہوگا''۔ راشدہ کو یہاں تین دن ہو گئے تھے رہتے ہوئے اور ان کی بیٹیاں رضوانہ کے کام ایسے دوڑ دوڑ کے کر رہی تھیں، جو آدم کو سخت ناگوار گزر رہا تھا۔

''آپ انہیں روانہ کیوں نہیں کرتی ہیں؟ انہیں اپنی نانی اماں کے گھر جا کر.....!''

''آدم! بس ایک لفظ نہ نکلے زبان سے''۔ انہوں نے درشت لہجے میں اسے سرزنش کی وہ مشین لگائے سب کے کپڑے دھو رہی تھیں، اور نوین ان کے ساتھ لگی ہوئی تھی، نوشین نے کچن سنبھالا ہوا تھا، جبکہ کرن ٹی وی، کمپیوٹر کے آگے بیٹھی ہوئی تھی، منزل اس سے بہت خار کھا رہا تھا جو کمپیوٹر پر قبضہ جمائے بیٹھی تھی۔

''ٹھیک ہے ہم لوگ ہی اس گھر سے چلے جاتے ہیں، رکھیے آپ ان کو''۔

''یار آدم بھائی! کیوں اتنا غصہ ہو رہے ہو؟'' طٰہٰ نے اسے جو بھڑکتے دیکھا۔

''یار! سکون تباہ ہوگیا ہے، ہر جگہ یہ لوگ دندناتی رہتی ہیں، ذرا انہیں شرم لحاظ نہیں لڑکوں کے گھروں میں کوئی جوان بیٹیوں کو لے کے رہتا ہے؟''

''اب یہ پھپھو کو احساس نہیں تو ہم بھی کیا کریں، برداشت کریں کچھ دن میں چلی جائیں گی''۔

''یہ نہیں جائیں گی، ہمیں نکال کے جائیں گی''۔ وہ کلس کے بیڈ پر لیٹا۔ رضوانہ ان لوگوں کے میلے کپڑے جمع کرنے میں مصروف تھیں، وہ اسے دبی دبی آواز میں کئی دفع ڈانٹ چکی تھیں، مگر آدم کسی طرح بھی چپ نہیں ہو رہا تھا۔

''ارے آدم! تم اسٹور تو جاؤ گے ہی میری دوائیاں لا دینا''۔ راشدہ ایک دم ہی کمرے میں چلی آئی تھیں، وہ تینوں ہی چونک گئے۔

''ہاں تم پرچہ دے دینا لا دے گا''۔

''پیسے ساتھ دے دیجئے گا''۔ آدم لگتا تھا لحاظ رکھنا ہی نہیں چاہتا تھا، رضوانہ نے اسے گھورا۔

''ارے لو بیٹا! پھپھو سے بھی پیسے لو گے؟'' راشدہ کو بڑا برا لگا۔

''کیا کروں حساب مجھے لکھنا ہوتا ہے''۔

''آدم! تم دوائی لا دینا پیسے میں دے دوں گی''۔ رضوانہ نے جھٹ بات بڑھنے سے پہلے ہی کہہ دیا۔

''گلوکوز بھی لے آنا''۔ راشدہ نے کہا۔

''آدم! وہ بھی لے آنا''۔ رضوانہ نے کھلے دل سے کہا وہ ویسے بھی ہر آئے گئے کا بہت خیال رکھتی تھیں۔

''گلوکوز آپ چڑھوالیں''۔ آدم نے طنزیہ کہا، جو بلاوجہ ہی ڈبے پر ڈبے ختم کرتی رہتی تھیں۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے، پھر ڈرپ لے آنا ساتھ ہی''۔

''اونہہ.....!'' آدم نے بھنا کے دانت پیسے جبکہ مزمل کی ہنسی نکل گئی، رضوانہ کو بھی ہنسی آئی مگر وہ لب بھینچ کے چھپانے کی کوشش کرنے لگیں۔

''مامی! اب کون سے کپڑے ڈالنے ہیں مشین میں؟'' نوین اچھلتی کودتی اپنی تیز طرار آواز کے ساتھ اندر آئی تھی۔

''کپڑے رہنے دو ہمیں ڈال دو مشین میں''۔ وہ جلتا بھنتا کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

''مامی! آدم بھائی کو سمجھالیں، الٹا سیدھا بولتے رہتے ہیں''۔ وہ منہ بنانے لگی تھی۔

''چل برا نہیں مان، ایسے ہی مذاق کی عادت ہے''۔ راشدہ نے آدم کی سائیڈ لی، وہ ویسے بھی بھتیجوں پر بہت مہربان رہتی تھیں، مزمل بھی منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوا واش روم میں گھس گیا، رضوانہ نے کپڑے اٹھائے اور باہر آ گئیں۔

☆.....☆.....☆

''ہماری ماں تو ہماری ناک کٹوائے گی''۔ اروما نے دانت پیسے۔ بینا نے اپنے بالوں کو ڈارک براؤن کلر سے رنگا ہوا تھا، جو اروما کو سخت ناگوار گزر رہا تھا۔

''ابھی امی نے سن لیا تمہاری شامت لے آئیں گی''۔ حباب نے اسے اشارہ کیا، بینا اپنے شولڈر کٹ بالوں کو لہراتی ہوئی وہیں آ رہی تھیں۔

''سن لیں میں نہیں ڈرتی ہوں''۔ وہ بہت منہ پھٹ اور کچھ بدتمیز بھی ہوگئی تھی، بینا نے اسے کڑی نظروں سے گھورا۔

''ہر وقت کیا بڑبڑاتی رہتی ہو''۔

''آپ سب جانتی ہیں پھر بھی کہہ رہی ہیں کیا بڑبڑاتی رہتی ہوں''۔

''اروما! میں آخری بار کہہ رہی ہوں، سدھر جاؤ ورنہ بہت برا ہوگا''۔ انہوں نے وارن کیا۔

''کیا بہت برا ہوگا، اس سے زیادہ اور کیا برا ہوگا ہماری ماں زمانے میں پھرتی ہے اور لوگوں کی باتیں ہم سنتے ہیں''۔

''لوگوں کا تو دماغ خراب ہے، وہ جلتے ہیں کوئی خوش نظر آتا ہے''۔ انہوں نے اسے دیکھا جو ٹی وی پر نگاہ جمائے بیٹھی تھی۔

''امی! اگر میرا منہ کھل گیا تو آپ کو بہت برا لگے گا''۔

''اروما! ابھی تم بچی ہو، میری ماں بننے کی کوشش نہیں کرو''۔ بینا نے اسے درشت لہجے میں ڈانٹا۔ حباب تاسف سے لب بھینچ کے رہ گئی، اروما کی اور امی کی جنگ روزانہ کا معمول تھی اروما ذرا لحاظ نہیں کرتی تھی خود سر بھی بہت ہوگئی تھی، صرف ماں کی توجہ نہ ملنے پر۔

''تم نے اماں کے گھر جا کر کیا بدتمیزیاں کی تھیں؟'' بینا کو یاد آ گیا۔

''کوئی بدتمیزیاں نہیں کی تھیں جو سچ تھا وہ آپ کی والدہ صاحبہ کو کہا تھا، اتنا سا پلاؤ پکاتی ہیں اور پورے شہر کو بلا لیتی ہیں، ان سے یہ تو بولیں کنجوسی کی حد ہوتی ہے، گلے میں اتنی موٹی چین پہن کے بیٹھی ہیں، ہاتھوں میں موٹے موٹے کنگن خود پر تو خرچ کر لیتی ہیں، کبھی مہمانوں کو بھی خرچ کر کے کھلا دیا کریں، بس دعوت کر کے نام کرتی ہیں چاہے سب بھوکے اٹھ جائیں''۔

''اروما! کیسی زبان تمہاری چلنے لگی ہے''۔ بینا کو اروما کا چہرہ دیکھ کر فکر ہونے لگی جو ہر وقت تپا ہی رہتا تھا۔

''یہ سب آپ کی بدولت ہے میری زبان جو اتنی چلتی ہے''۔

''تمہارا تو دماغ خراب ہے''۔ وہ پڑل تو بالکل بھی نہیں ہوتی تھیں صرف اپنا ہی سوچتی تھیں۔

''اگر ہماری ذمے داری اٹھائی نہیں جاتی ہے تو ہمارے باپ کے پاس کیوں چھوڑ کے نہیں نکلی تھیں؟''

''وہ تمہارا دو کوڑی کا باپ خود کو جانے سمجھتا کیا تھا، دوسری عورتوں کے چکر میں پڑا تھا''۔ ان کے تو پنگے لگ گئے۔

''امی! آپ بھی تو دوسرے مردوں کے چکر میں پڑ کے دو شادیاں ان کے بعد کر چکی ہیں پورا خاندان کہتا ہے آپ چوتھی کے چکر میں ہیں''۔

''تمہارا تو دماغ خراب ہو جاتا ہے، جہاں تمہارے باپ کو میں برا کہتی ہوں''۔ وہ لاجواب ہی ہوگئی تھیں۔

''امی! کان کھول کر سن لیں، اگر آپ نے اب شادی کی تو یاد رکھیئے گا میں خودکشی کر لوں گی''۔

''حد سے زیادہ تمہاری زبان ہوگئی ہے، یہ سب میری چھوٹ کا نتیجہ ہے''۔

''یہ سب آپ کی حرکتوں کا نتیجہ ہے''۔ وہ تن فن کر کے کھڑی ہوگئی، حباب نے ٹی وی آف کر دیا۔ بینا پیر پٹخ کے اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں، حباب نے اروما کو گھورنا شروع کیا، وہ بھی منہ بنا کے چلی گئی۔

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

فرح ناز رفیق

افسانہ

فرض و قرض

''آج کوئی خاص بات ہے سارا! جو گھر کو اتنا سجایا جارہا ہے؟ بھئی! عمر پہلی بار تو چھٹی پر نہیں آرہا''۔

''بابا! پہلی بار تو نہیں مگر آج ان کی برتھ ڈے ہے اور وہ تو سمجھ رہے ہوں گے کہ 1 ماہ پہلے آکر ہمیں سرپرائز دیں گے، مگر اس بار ہم میجر عمر کو سرپرائز دینے کی تیاری کرچکے ہیں، پلیز آپ بھی اسے کچھ نہیں بتائیں گے''۔ شاکر صاحب ہادی کی التجا سن کر مسکراتے ہوئے لان چیئر پر بیٹھ گئے، ایک نگاہ اپنے گھر کی جانب کی تھی جس گھر کی پیائش وہاں رہنے والے مکینوں کے دلوں سے کی جاتی تھی، دو بہن بھائی شاکر اور شافعہ ایک گھر کے دو پورشنز تھے اور لان مشترکہ تھا، عمر، ہادی، سارا، شاکر صاحب اور جنید، ارفع، شافعہ بیگم کے بچے تھے، عمر آج اپنی چھٹیوں پر وزیرستان سے واپس آرہا تھا، اس لیے گھر میں اتنی چہل پہل تھی۔

''ماموں! چائے''۔ ارفع نے ان کی جانب کپ بڑھایا تھا۔

''تھینکس بیٹا!'' انہوں نے ایک نظر اسے دیکھا تھا، آج وہ عام دنوں کی نسبت کافی شوخ نظر آرہی تھی اور وجہ سب جانتے تھے عمر آرہا تھا اور ایک ماہ بعد دونوں کی شادی تھی۔

''ارفع! ایک کپ مجھے بھی''۔ جنید نے دور سے اسے آواز لگائی تھی۔

''اب میں دوبارہ کچن میں جاؤں آپ کے لیے؟'' اس نے منہ بنایا تھا۔

''ارے نہیں صرف جنید بھائی کے لیے نہیں میرے، سارا اور پھپھو جانی کے لیے بھی پلیز''۔ ہادی کے معصومیت سے پلیز کہنے پر وہ ہنستی ہوئی اندر بڑھ گئی تھی۔

رات تقریباً 9 بجے عمر گھر میں داخل ہوا تھا تو گھر کی خاموشی دیکھ کر وہ سمجھا سب کہیں گئے ہوئے ہیں، ابھی وہ اسی سوچ میں تھا کہ روشنی ہونے کے بعد گھر کی سجاوٹ اور ان سب کا اسے وش کرنا اسے حیران کر گیا تھا۔

''نہیں یار! آپ لوگوں کو کس نے بتایا میرے آنے کا؟''

''میجر عمر! آپ آرمی میں ہیں، مگر انٹیلیجنس ہماری بھی مضبوط ہے، آپ کے دوستوں پر ہمارا بھی حق ہے''۔ وہ سمجھ گیا تھا یہ ہادی کی شرارت تھی مگر بہت خوبصورت۔

''تھینکس یار! تم نے تو مجھے حیران کردیا''۔ وہ سب کے ساتھ لان میں بیٹھ گیا تھا۔

''پھپھو! کیسی ہیں آپ؟'' اس نے شافعہ بیگم کے ہاتھ تھامے تھے۔

''ہم سب ٹھیک ہیں، مگر تم بتاؤ ایک ماہ پہلے کس خوشی میں آئے ہو، شادی تو اگلے مہینے ہے''۔ شافعہ بیگم نے

شرارت سے اسے دیکھا تھا۔

''بات یہ ہے پھپھو جان! کہ ملک کے حالات ایسے ہیں کچھ پتا نہیں ہے آگے کیا ہو، شاید اگلے ماہ مجھے چھٹی نہ مل سکے، تو اس لیے ابھی آ گیا''۔ اس نے سارا کے ہاتھ سے کپ لیتے ہوئے کہا تھا۔

''تو پھر بھائی! آپ کی شادی کا کیا ہوگا؟'' سارا نے فکرمندی سے کہا۔

''گھر کی تو بات ہے، ایک مہینے بعد بھی کرنی ہے تو ایک ہفتے بعد کر لیتے ہیں''۔ عمر کے جواب سے پہلے شاکر صاحب نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا اور سب کی الجھن ختم کر دی تھی۔

☆.....☆.....☆

''اف....توبہ ایک ہفتے کا شارٹ نوٹس ختم آج شادی کا دن آ گیا اور سب سے زیادہ خوار میں ہوا ہوں، تم لوگوں کے ساتھ''۔ ہادی نے صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں معلوم ہے تم کتنا کام کرتے ہو، سب کام تو پاپا اور جنید بھائی نے کیا ہے''۔ سارا کے جواب دینے پر ہادی اسے کہتا کچھ اس سے قبل فون کی بیل ہوئی تھی اور عمر نے ہاتھ بڑھا کر اٹھا لیا تھا۔

''یس اسپیکنگ.....سر.....جی سر! اوکے آئی دل تھینکس''۔ فون رکھنے تک اس کے چہرے پر شکنوں کا جال تھا اور وہ بنا کسی سے کچھ کہے شاکر صاحب کے کمرے میں چلا گیا تھا۔

''بابا! سمجھنے کی کوشش کریں، یہ میری ذمے داری ہے، مجھے جانا تو تھا یہ نہیں معلوم تھا اس وقت اور اتنی جلدی اسی لیے آپ سے یہ بات کی ہے، اگر کچھ دن بعد یہ کال آتی تو بات الگ تھی، مگر ابھی تو کچھ نہیں ہوا نا، پلیز وہ آپریشن لازمی کرنا ہے اور اسے لیڈ بھی میں ہی کروں گا، آپ جانتے ہیں یہ میرا خواب تھا''۔ وہ ان کے ہاتھ تھامے قدموں میں بیٹھا تھا، گھر کے سب افراد ان کے کمرے میں جمع تھے۔

''میں جانتا ہوں بیٹا! مگر آج تمہاری شادی ہے اور ابھی دو دن ہیں تمہارے پاس جانے میں، ہم نکاح کر دیتے ہیں، ایک کمرے سے دوسرے کمرے کی بات ہے بیٹا! سمجھا کرو''۔ شاکر صاحب نے اسے سنجیدگی سے سمجھایا اور ارفع کی طرف نظر کی، جس کی جھکی پلکیں اس بات کی گواہ تھیں کہ آنسو چھپائے جا رہے ہیں۔

''پاپا! میں ارفع کو اپنا پابند نہیں کر سکتا، جو میرا خواب ہے میری خواہش ہے اس کی تعبیر شہادت ہوا گر مجھے کچھ ہو گیا تو اس لیے پلیز آپ میری بات سمجھیں''۔

''کیا کہہ رہے ہو عمر! ارفع کا فیصلہ تم کیسے کر سکتے ہو؟'' جنید نے بہن کی حمایت کی تھی۔

''جنید یار! پلیز میری پوزیشن سمجھو، یہ فیصلہ میرے لیے آپ سب سے زیادہ تکلیف دہ تھا، مگر ابھی نہیں، کچھ دن بعد آپ سب سمجھ جائیں گے، ارفع! پلیز تم سمجھو مجھے، ساتھ دو میرا''۔ وہ جنید کی طرف سے چلتا اس کے سامنے آ رکا تھا۔

''مجھے فخر ہوگا میری خوش قسمتی ہوگی کہ میں فوجی کی ایک غازی کی بیوی کہلاؤں، مگر اس سے زیادہ میرے لیے زندگی کا حاصل ہوگا وہ لمحہ جب آپ کے خواب کی تعبیر مل جائے''۔ بمشکل اپنی بات مکمل کرتی وہ باہر نکل گئی تھی۔

''مل گیا تمہیں جواب اب ہم کچھ نہیں جانتے، بھائی جان! آپ قاضی صاحب کو بلوائیں''۔ شافعہ بیگم نے اسے بری طرح ڈانٹ دیا تھا اور وہ تھک کر صوفے پر گر گیا تھا، اس کی حالت دیکھ کر جنید اس کی طرف بڑھا تھا۔ اور پھر ٹھیک دو دن بعد اس کی کال آئی تھی۔ وہ ارفع

کے ساتھ روم میں تھا۔

''سوری یار! صرف دو دن ہی ساتھ گزار سکے، مگر یہ دو دن میری زندگی کے حسین ترین پل تھے، ایک بات یاد رکھنا، مجھے کچھ ہو جائے تو رونا نہیں، اور اگر میرا بیٹا ہو تو اسے بھی میرا خواب دکھانا اور تعبیر کی راہ بھی، ابھی بہت قربانی مانگتا ہے یہ وطن''۔ اس کے ہاتھ دباتا حوصلہ دے کر وہ سفر پر روانہ ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

''ہاں خادم حسین! کیا پوزیشن ہے؟''

''سر جی! دہشت گردوں کی موجودگی کی پکی اطلاع ہے، گاڑیاں اور جوان تیار ہیں، آپ آرڈر دیں؟'' سپاہی خادم حسین نے اسے تفصیلاً بریف کیا تھا۔

''سب تیار ہے تو چلو، دیر نہیں کرنا ہمیں دشمن کو جلد از جلد ختم کرنا ہے''۔ اپنی کیپ جماتے ہوئے اس نے اپنے عزم کا اظہار کیا تھا، مطلوبہ جگہ پر پہنچ کر تمام جوانوں نے اپنی پوزیشن سنبھال لی تھی، عمر کو آگے بڑھتا دیکھ کر ایک سپاہی نے اسے روکا تھا۔

''سر! آپ آگے نہ جائیں، آگے خطرہ ہے ہمیں آپ کی ضرورت ہے''۔

''نہیں میں لیڈ کروں گا، تم سب مجھے فالو کرو گے''۔ وہ ان سب کو ہدایت دیتا آگے بڑھ رہا تھا، شدید فائرنگ تھی دونوں جانب سے، مگر فوجی دستے کی گرفت مضبوط تھی، چند شدت پسند ہلاک ہوئے تھے کہ عمر سے پیچھے کھڑے خادم حسین کو گولی لگی تھی، وہ اس کی جانب بڑھا۔

''خادم! اٹھو.....ہوش کرو، کچھ نہیں ہوگا تمہیں''۔ اس کے آواز دینے پر بدقت خادم حسین نے آنکھیں کھولی تھیں، مگر لمحہ بھر کو۔

''سر.....رر.....! میں آپ سے پہلے منزل پر پہنچ چکا، واپس نہ بلائیں''۔ اور کلمہ شہادت پر شہادت نصیب کی، خادم حسین کو ایک طرف لیٹا کر وہ آگے بڑھا ہی تھا کہ ایک گولی اس کے بازو کے پار ہوئی تھی، مگر اس نے ہمت نہیں ہاری تھی کہ یہ مسلمان سپاہی کا شیوہ نہیں تھا، جب تک آپریشن مکمل ہوا وہ کافی شدت پسندوں کو واصل جہنم کر چکے تھے۔

''سر! ایمبولینس آ گئی ہے ہمت کریں ہم کامیاب ہوئے ہیں، 12 مارے گئے ہیں، 7 گرفتار ہوئے ہیں، ابھی واپسی کا راستہ خطرناک ہے''۔ سپاہی نے اسے سہارا دے کر آگے بڑھایا تھا۔

''میڈیا والے آ گئے، خادم حسین کے گھر خبر دی؟'' اس نے افسردگی سے پوچھا تھا۔

''جی سر! دے دی ہے، تین بیٹیاں ہیں اس کی کیا ہوگا ان کا''۔

''وہ شہید ہے، شہید کبھی نہیں مرتے، اللہ اس کی قربانی کا صلہ اس کی اولاد کو دے آمین!''۔ اپنی بینڈیج مکمل کروا کے وہ میڈیا کی طرف بڑھا تھا۔

''سر! کتنے شدت پسند مارے گئے، کیا کوئی فوجی بھی ہلاک ہوئے ہیں؟'' رپورٹر کے سوال پر اس نے خادم حسین کے جسد خاکی کی جانب نظر کی تھی۔

''کچھ زخمی بھی ہیں ایک سپاہی شہید ہوا ہے''۔

''سر! آپ کو نہیں لگتا اب ہمیں نقصان ہو رہا ہے، یہ ہماری لڑائی نہیں ہے، یہ عوام کے مفاد میں نہیں ہے، شاید فوج کا کوئی فائدہ ہو؟'' رپورٹر کے سوال پر اس کی آنکھیں لہو کی مانند سرخ ہوئی تھیں۔

''جوان ہمارے شہید ہوتے ہیں، اسکول ہمارے تباہ کیے جاتے ہیں، بچے ہمارے یتیم ہوتے ہیں، مائیں ہماری بین کرتی ہیں، مساجد، امام بارگاہیں ہماری شہید کی جاتی ہیں، تو پھر جنگ ہماری

کیوں نہیں ہے؟ جو یہ کہتے ہیں کہ جنگ ہماری نہیں ہے درحقیقت ان کے بچے غیروں کے ملک میں ہیں، اگر یہاں ہوتے ان کے اسکول تباہ کیے جاتے تو اندازہ ہوتا جنگ ہماری ہے یا نہیں، اور فوج کا فائدہ یہ ہے کہ ملک میں کوئی مصیبت ہو، کوئی ناگہانی آفت ہو، ہم اپنی ذمے داری کے تحت جان پر کھیل کر آگ اور پانی میں کود کر عوام کو بچاتے ہیں، ہزاروں فٹ بلندی پر برف پر رہتے ہیں، مہینوں کھانا پانی نہیں ملتا اور پھر اسی برف کے نیچے دب کر شہید ہوتے ہیں، اس کے صلے میں یہ کہا جاتا ہے، یہ سب ہمارا فرض ہے احسان نہیں، ہاں ہمارا فرض ہے، عوام کی ملک کی حفاظت، مگر اس کا صلہ یہ ہے کہ چند دھاتوں کا بنا تمغہ ہماری قبروں پر سجایا جاتا ہے، بچے ہمارے بھوکے مرتے ہیں، مائنڈاٹ! ہم بھی انسان ہیں، ہمارے بھی کچھ حقوق ہیں"۔ حقیقت کا آئینہ دیکھ کر میڈیا کے نمائندے خاموش ہوگئے تھے۔

ابھی وہ لوگ واپسی کے سفر پر تھے ہی کہ دشوار گزار پہاڑی راستوں پر چھپے دشمنوں نے ان پر دوبارہ حملہ کیا تھا، اس قافلے کا وہی لیڈر تھا اس نے زخمی ہونے کے باوجود سب سے آگے پوزیشن لی تھی، مگر اس دوران ہی ان کے دو سپاہی شہید ہوگئے تھے، وہ پتھر کی اوٹ میں بیٹھا تھا کہ محسوس ہوا کوئی پیچھے موجود ہے، گھوم کر دیکھا اور زخمی بازو سے تکلیف کے باوجود اس دہشت گرد پر فائر کھولا تھا، مگر تب تک اس کا سینہ بھی چھلنی ہو چکا تھا، وقتِ آخر اس کی نظروں میں ماں، ارفع اور فقط پاکستان کا مستقبل تھا اور لبوں پر اللہ کی واحدانیت کا اعتراف۔

ٹھیک ایک سال بعد 6 ستمبر کو اسے تمغہ جرأت سے نوازا گیا، جسے وصول کرنے آتی لڑکی اور اس کی گود میں موجود چند ماہ کا بچہ یہ منظر ہر آنکھ اشکبار کر گیا تھا۔

"مسز عمر! ہمیں کچھ بتائیں میجر عمر شہید کے بارے میں"۔ ہوسٹ کے سوال کے جواب میں اس نے ایک نظر ہال پر ڈالی تھی۔

"مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ میری گود میں اس باپ کا **بیٹا** ہے جو اس مٹی پر قربان ہوا، اپنا فرض ادا کر دیا اور وہ ہمیشہ ایک بات کہتے تھے جو ان کی شخصیت اور ان کے جیسے ہر جوان کے جذبے کی عکاسی کرتی ہے جس کے بعد کوئی جذبہ الفاظ کا محتاج نہیں ہوتا کہ:

ہم تو مٹ ہی جائیں گے اے ارضِ وطن
تجھے زندہ رہنا ہے قیامت کی سحر ہونے تک

☆.....☆.....☆

ادارہ رداڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

بھیگی ہوئی رت میں
قیمت 150 روپے
صالحہ محمود

کچی کلیاں آنگن کی
قیمت 500 روپے
صالحہ محمود

تم میرے ہو کے رہو
قیمت 500 روپے
صالحہ محمود

ملنے کا پتہ:
ویل کم بک پورٹ اُردو بازار کراچی

افسانہ

لمحۂ ادراک

مجھے بچپن سے بس یہی شکوہ رہا کہ اماں مجھ سے زیادہ بھائی کو اہمیت دیتی تھیں، اب آپ سوچیں گے کہ اس میں بڑی بات کیا ہے؟ تو میں آپ کو بتاتی ہوں کہ اس میں بڑی اور دراصل بری بات کیا ہے۔ ہوا کچھ یوں کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا اماں کی زبانی یہی سنا۔

"یہ نہ کر تیرے ابا کو پسند نہیں، یوں نہ کر تیرے ابا کیا سوچیں گے"۔ یعنی ابا نہ ہوئے کوئی حکمراں یا ڈکٹیٹر ہوگئے، میں سہیلی کے گھر جاتی تو اماں پیچھے ہی پہنچ جاتیں۔

"اری شبو! تُو ابھی تک ادھر بیٹھی ہے، میں تجھے لینے آئی ہوں، معلوم بھی ہے تیرے باپ کو کہیں آنا جانا پسند نہیں ہے"۔ میں خاموشی سے چلی آتی۔ ہوتے ہوتے میرے ساتھ بھائی بھی جوان ہوگیا، اب کے اماں کی ٹون کچھ یوں ہوگئی۔

"اری شبو! دوپٹہ ٹھیک سے کیوں نہیں اوڑھتی، تیرا بھائی گھر میں ہے، تیرے بھائی کو لڑکیوں کا ٹی وی دیکھنا پسند نہیں، کہتا ہے بگڑ جاتی ہیں"۔ سو میں بھی ابا یا بھائی کے ہوتے ہوئے ٹی وی والے کمرے کا رخ نہ کرتی، بلکہ باورچی خانہ میری جائے پناہ ہوتا۔ گھر میں گوشت بنتا تو پکانے والے کے حصے میں بس شوربہ اور ٹاویں ٹاویں (کوئی کوئی) بوٹی رہ جاتی اور آپ سوچیں پکانے والا کون ہوتا ہوگا، بالکل جناب! آپ ٹھیک سمجھے، میں یعنی شبو بیگم ہی پکاتی تھی اور بعد میں کھاتی تھی۔ ارے ارے رُکیں تو سہی، کہیں آپ یہ تو نہیں سمجھ رہے کہ اماں بھی ابا اور بھائی کے ساتھ بیٹھ کر کھاتی تھیں، ایسا بالکل نہیں ہوتا تھا، بلکہ سین کچھ یوں ہوتا تھا۔

"اری شبو! گوشت بن گیا؟"

"جی اماں! روٹیاں ڈال رہی ہوں"۔ تو اماں کچن میں وارد ہو جاتیں پھر دو بڑی پلیٹیں اٹھاتیں، ساری اچھی اچھی بوٹیاں ابا اور بھائی کے لیے اٹھائی گئی ان دو پلیٹوں میں ڈالتیں، ہاٹ پاٹ اٹھاتیں اور ان دونوں کے لیے لے جاتیں، اب بچے کھچے سالن میں سے ممکنہ اچھی بوٹیاں میرے لیے چھوڑ جاتیں اور خود پنجر نما بوٹی اور شوربے سے ڈولتی ہوئی پلیٹ میں روٹی کھا کر خوش ہوتیں کہ گوشت کے ساتھ کھانا نصیب ہوا ہے، مجھے یہ سن کر غش آنے لگتا۔

"اماں! کہاں گوشت کھایا ہے، میں اور تم تو ہمیشہ ہی بچی کھچی بوٹیاں کھاتے ہیں، سارا کچھ تو تُو ابا اور بھائی کو دے آتی ہے، مجھے تو آج تک مرغی کی ٹانگ کھانا نصیب نہ ہوئی، ہمیشہ تُو بھائی کو دے ڈالتی ہے، کہ وہ شوق سے کھاتا ہے میرا تو کبھی نہیں سوچا میں بھی تو شوق سے کھاتی ہوں"۔ اماں کا پارا ہائی ہوگیا۔ اور انہوں نے ہمیشہ والا رٹا رٹایا جواب دیا۔

"شبو! کچھ تو حیا کر، وہ کما کر لاتے ہیں سارا دن محنت کرتے ہیں، ان کی کمائی ان کو کھلا دیتی ہوں تو کون سا برا کرتی ہوں، ویسے بھی تُو نے کڑاہی کھا کر کیا کرنا ہے، پہلوانی تھوڑی کرنی ہے، ویسے بھی موٹی لڑکیوں کے رشتے نہیں ہوتے، نہ

بابانہ.....میں نے تجھے اپنے سینے پر مونگ دلنے کے لیے گھر تھوڑی بٹھا کر رکھنا ہے"۔ اماں کی ساری بات سن کر میں نے بھی غصے میں کہہ دیا۔

"اماں! میں نے اچھا کھا کر پہلوان نہیں بننا، یہ بات ٹھیک ہے پر اچھا کھلانا اور پہنانا میرے باپ کی ذمے داری ہے"۔ ساتھ میں نے ٹی وی اینکر کے انداز میں "اوکے" بھی کہہ ڈالا تو اماں نے لڑکیوں کی تعلیم کے وہ لتے لیے کہ میں کچن سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ پھر یوں ہوا کہ میری سہیلی نے چوڑی دار پاجامہ سلوا ڈالا، مجھے بڑا اچھا لگا، میں نے سوچا میں بھی پہنوں، پر اماں نے ہمیشہ کی طرح یہ کہہ کر منع کر ڈالا۔

"تیرے ابا اور بھائی کو یہ لچھن پسند نہیں"۔ معلوم نہیں ابا اور بھائی کو واقعی پسند نہیں تھا کہ اماں نے اپنی طرف سے ان کو ہوّا بنا کر رکھا ہوا تھا، خیر! جو بھی تھا میری تو چھوٹی چھوٹی معصوم خواہشیں بیچ میں رہ جاتی تھیں، پھر میری شادی کا سلسلہ چل نکلا اور مزے کی بات بتاؤں اس میں بھی بھائی کی رضامندی کو مجھ سے زیادہ اہمیت دی گئی، میں نے سوچا چلو کوئی گل نہیں۔ اور سوچا جو بھی ہے شادی تو میری ہی ہے اور دلہن بن گئی، خیر! شادی پر تو اماں نے خوب ارمان نکالے اور ساتھ ساتھ آنسو بھی بہائے، رخصتی پر تو بھائی اور ابا بھی روئے، تب میں نے سوچا اماں غلط کہتی تھیں بھائی اور ابا تو مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں، تبھی تو میری جدائی انہیں رُلا رہی ہے۔

☆.....☆.....☆

سسرال میں اماں کی جگہ میری ساس نے لے لی، وہی انداز و اطوار اور وہی سوچ۔

وقت کا کام گزرنا ہے سو گزرتا گیا اور زوہیب اور عانیہ میری گود میں ڈال گیا، عاصم ایک روایتی مرد تھے، وہ اماں اور میری چپقلش میں چپ رہتے تھے اور شاید فائدے میں بھی رہتے تھے، اماں اپنے پوتے یعنی زوہیب کو زیادہ اہمیت دیتی تھیں، میری عانیہ کو کم اور اسی بات پر میں چڑتی تھی، میں عاصم کو بتاتی تو وہ کہتے۔

"اماں عانیہ سے بھی بہت پیار کرتی ہیں پر وہ لڑکی ذات ہے، اس نے اگلے گھر جانا ہے اس لیے اماں اس پر ذرا سختی کرتی ہیں، بلکہ تم یوں سمجھ لو کہ وہ ہماری عانیہ کی تربیت کر رہی ہیں"۔ میں اس بات پر ہائپر ہوگئی اور بولتی چلی گئی۔

"یہ تربیت کا کون سا انداز ہے، جو زیادتی میری ماں نے تربیت کے نام پر میرے ساتھ کی، وہی میں اپنی بیٹی کے ساتھ ہونے دوں؟ میری ہزاروں خواہشیں ہیں جو تڑپتی ہیں، شادی نہیں ہوئی تھی تو باپ اور بھائی کا ڈر اوادے دے کر اماں نے مجھے میری پسند کا پہننے اوڑھنے نہ دیا کہ شوہر کے گھر جا کر سنگھار کرنا، اس کو دکھانا، میں نے ہر عید پر خون کے گھونٹ پیئے کہ شوہر کے گھر سنگھار کروں گی، شوہر کے گھر آئی تو آپ کی اماں نے پتہ کیا کہا؟ بہورانی! جوان نندیں گھر بیٹھی ہیں، کنواری، کچھ خیال کیا کر، ہر وقت لیپا پوتی کیے پھرتی رہتی ہے، وہ دن اور آج کا دن ہے تیار ہونے کو دل ہی نہیں کرتا، آپ کان کھول کر سن لیں جی! میں اپنی بیٹی کی کوئی خواہش تشنہ نہ رہنے دوں گی ہاں!" عاصم جو بغور مجھے سن رہے تھے سر اثبات میں ہلانے لگے۔

"بالکل شبو! تم ٹھیک کہہ رہی ہو، میری عانیہ کا ہر طرح خیال رکھنا، اس میں، میں اور زوہیب تمہارے ساتھ ہیں ہمیشہ، ڈن؟" میں نے جلدی سے ان کے پھیلے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا، آنسو بے اختیار ہی بہہ نکلے، وہ ہاتھ سے میری آنکھیں صاف کر کے بولے۔

"پاگل سارا قصور تو تم عورتوں کا ہے"۔ میں پوچھنا چاہ رہی تھی "کیسے؟" مگر وہ گھر سے جا چکے تھے۔

☆.....☆.....☆

ارے میری بہنو! رُکو تو سہی افسانہ اینڈ کہاں ہوا ہے؟ "کیسے" کا جواب تو سن لیں۔ رات کا وقت تھا جب عاصم گھر آئے میں نے پکڑ لیا۔

"یہ تو بتائیں کہ ہم عورتوں کا قصور کیسے ہے، آپ مرد گھر پر اجارہ داری قائم رکھتے ہو، اپنی سوچ کے مطابق چلتے ہو؟" تو بہنو! انہوں نے پتہ ہے کیا کہا؟

"قصور ایسے ہے کہ تم لوگ تربیت میں فرق رکھتے ہو، بچپن سے ہمارا ذہن بنا ڈالتی ہو، جو سکھاتی ہو ہم وہی بڑے ہو کر اپنی بہن، بیٹی اور بیوی کے ساتھ برتتے ہیں، ماں بن کر محبت تو اولاد سے ایک سی رکھتی ہو، پر اظہار میں تفرقہ ڈال دیتی ہو"۔ میں جو منہ کھولے تصویر کا یہ نیا رخ دیکھ رہی تھی، ان کے ٹوکنے پر ہی منہ بند کر سکی۔ میرے لیے وہ لمحۂ ادراک تھا، مجھے یاد آیا اماں واقعی مجھ سے محبت کرتی تھیں، تبھی تو باپ اور بھائی کے بعد بچی ہوئی بوٹیاں میرے لیے چھوڑ کر خود شوربہ بھری پلیٹ کھا کر شکر کرتی تھیں، تب میں نے سوچا میں اپنی بیٹی کو بھائی اور باپ سے محبت کرنا سکھاؤں گی، ان کو آپس میں دوست بناؤں گی، رہی بات بیٹے کی تو آفٹر آل وہی گھر کا سربراہ ہوگا، تو اس کی تربیت سب سے اہم فریضہ ہے، اسے ابھی سے عورت کی اہمیت بتاؤں گی تو وہ رشتوں کی اہمیت سمجھے گا، میں اپنے بیٹے اور بیٹی کو ایک دوسرے کا دوست بناؤں گی، زمانے کے انداز بدل گئے ہیں، زوہیب اپنی بہن عانیہ کو مجھ سے زیادہ اچھے طریقے سے گائیڈ کر سکتا ہے، کیونکہ وہ باہر لوگوں سے زیادہ روابط میں رہے گا، اس لیے اپنی بہن کا بہترین دوست اور بیسٹ گائیڈ بن جائے گا، وہ عانیہ سے خوش اور عانیہ اس سے خوش۔

جی جناب! آپ یقیناً سمجھ گئے ہوں گے جو لائن میں آپ کو دینا چاہ رہی ہوں، کیونکہ آپ تو ہیں سمجھدار اور سمجھدار کے لیے اشارہ بھی بہت ہے۔ اپنی اور اپنے گھر کی اہمیت کو سمجھئے جو آپ اپنے بچوں کو دیں گے وہ ایک دوسرے کو وہ کچھ لوٹائیں گے اور آپ اور میں انشاء اللہ اپنے مطلوبہ نتائج تک جلد پہنچ جائیں گے وہ کہتے ہیں ناں "جہاں چاہ وہاں راہ"۔ اپنے اقبال نے بھی تو کہا تھا کہ:

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

☆.....☆.....☆

زارا صدف قمر

افسانہ

غلط فہمی

کمرے میں خود کو بند کر کے عروج اپنی ہی ڈائری کو کبھی سجانے لگی کبھی مٹانے لگی، وہ یہ سوچ رہی تھی۔

"ماں، باپ اور بہن بھائیوں کے پیار میں کتنی طاقت ہوتی ہے جو ایک دوسرے سے جڑے رہتے ہیں، مگر ایک جیون ساتھی کی بے انتہا ضرورت ہوتی ہے"۔ اس کو اس کے بھائی نے ڈانٹا تھا اور آج عروج افسردہ تھی، بجھے بجھے چہرے کو لے کر اس نے ڈائری کو بند کر کے ہاتھ تکیے کی جانب بڑھایا اور دوپٹہ اٹھا کر کندھے پر ڈالا، جیسے کوئی بہت بڑا بوجھ ڈالا ہو، وہ نہ چاہتے ہوئے بھی نیچے برآمدے کی طرف چلی آئی، اپنے کمرے سے سیڑھیوں کی طرف اتری۔

"ارے آج تو بھائی بھی لاؤنج میں ہیں، خیریت تو ہے ناں؟"

"ہاں ہاں! کیوں نہیں، کیا ہماری آف نہیں ہو سکتی؟" بھائی بولے۔

"ہاں کیوں نہیں بھائی!" حیدر بھائی آج اس کی آنکھوں کی گہرائی کو پڑھتے جا رہے تھے وہ جان نہیں پائے تھے کہ ان کی چہیتی بہن پر غموں کا جیسے پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔

"عروج! ذرا میرے لیے چائے تو بنا لاؤ"۔

"اچھا بھائی! ابھی لائی، امی کہاں غائب ہیں جب دیکھو ہوتی ہی نہیں ہیں"۔ عروج کو کیا معلوم تھا بے چاری امی اور حیدر بھائی کس قدر پیار کرتے تھے عروج سے،

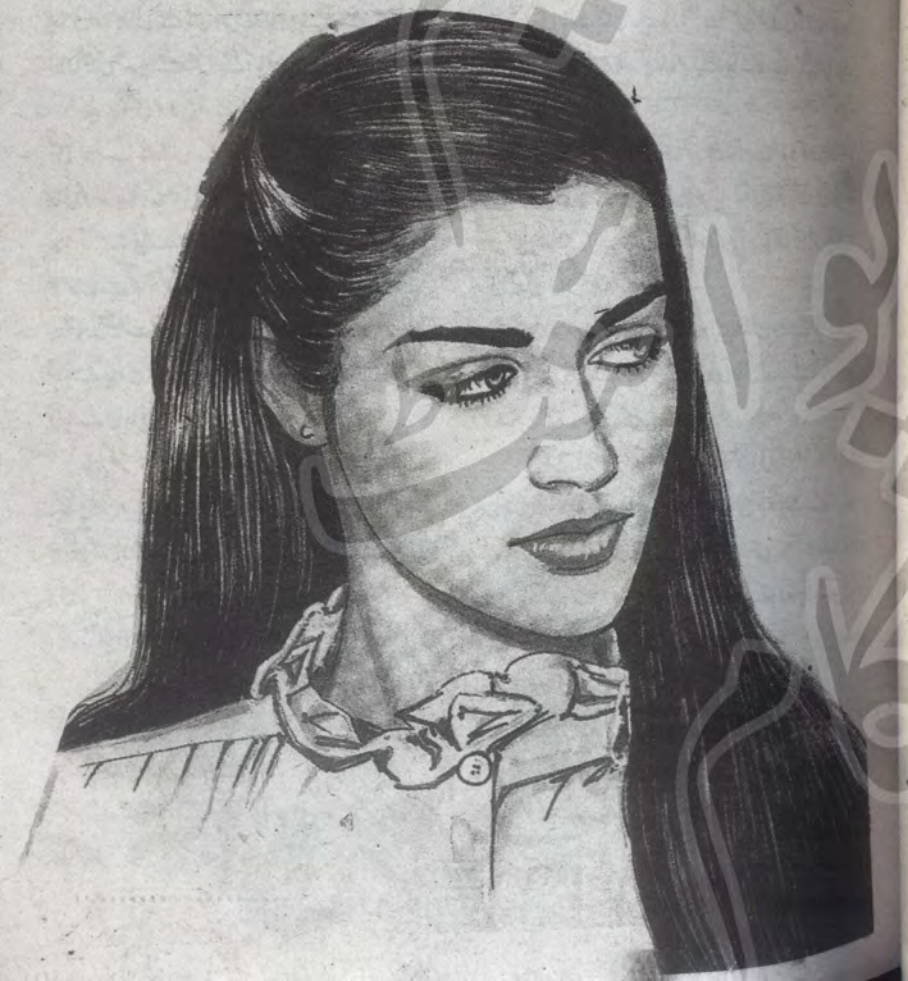

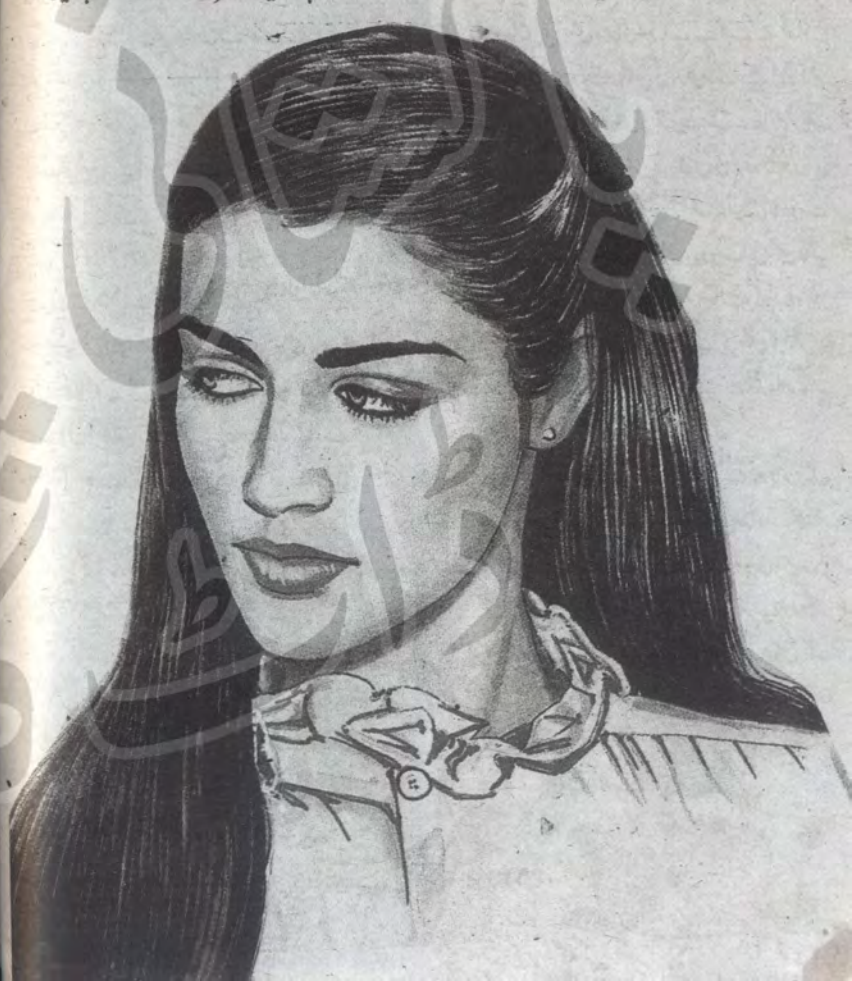

رات بھر انہوں نے اسی ٹینشن میں گزاری تھی۔ عروج کو کیسے خوشی دی جائے بالآخر حیدر بھائی نے امی کو بھی منالیا تھا وہ ایک پکنک کا پروگرام بنا رہے تھے کہ ان کی چہیتی بہن کو پتہ چل گیا تو اس نے گھر میں ایک طوفان برپا کردیا، وہ تو جیسے خوشی کی طرف لوٹنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

''عروج! تم بس گھر میں بیٹھی سڑتی رہو اور ہمیں بھی بور کرتی رہو، اگر تم نہیں جانا چاہتیں تو ٹھیک ہے اب ہم کسی سے کوئی رقم واپس نہیں لیں گے''۔ حیدر بھائی کو غصے میں جو مناسب لگا کہہ ڈالا۔

''اب خوش! ناؤ گوٹو روم''۔ ایک منٹ کی خاموشی چھا گئی اور بھائی غصے میں گھر سے باہر جا چکے تھے۔ عروج کا انکار انہیں شدید غصے میں لے آیا تھا۔

بیڈ پر بیٹھی عروج اپنے ہاتھوں سے کشن کو دبوچ رہی تھی کہ سب کچھ اس کے اختیار میں نہیں، اس نے حیدر بھائی کو شدید غصہ دلایا تھا، اس نے سوچا۔

''میرا کیا ہے، میری قسمت تو گمنام منزل کی جانب گامزن ہے کم از کم گھر والے ہی خوش ہو جائیں''۔ اسے کیا پتہ تھا در حقیقت تو یہ پلان اس کی خوشی کو مدنظر رکھ کر طے پایا تھا، بے چاری عروج گھر والوں کو افسردہ نہیں کرنا چاہتی تھی تو جانے کی حامی بھر لی۔

باہر کھڑے حیدر بھائی نے موبائل فون میں رنگ ٹون بجنے پر فون دیکھا تو پتہ چلا عروج کی تین سے زائد کالز مسڈ ہو چکی تھیں تو غصے میں وہی نمبر ڈائل کیا۔ عروج نرم لہجے میں بولی۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام! اب کیا کہنا ہے؟'' بھائی نے کہا تو ہچکچاہٹ میں بولی۔

''بھا.... بھائی.... وہ میں....!''

''وہ میں کیا، اب تم کیا کہنا چاہتی ہو، جو کہنا تھا کہہ چکیں اب میرے کہنے سے بھی تم نہیں جاؤ گی''۔

''نہیں بھائی! وہ میں نے یہ کہنا تھا کہ میں چلوں گی، مگر اگر آپ کی اجازت ہو تو، کیا ہم اپنے ساتھ ماہ نور کو بھی لے چلیں؟''

''ٹھیک ہے''۔ کہہ کر بھائی نے فون بند کردیا۔

عروج بھائی کو منانے کے بعد ماہ نور کی طرف متوجہ ہوئی، کال کی ماہ نور فون پک کرتے ہوئے بولی۔

''ہائے سوئیٹی! کہاں غائب ہو، آج کل یاد نہیں کرتیں؟'' عروج ایک دو دن سے ماہ نور سے رابطے میں نہیں تھی، عروج نے اس کے جواب میں کہا۔

''ایسی بات نہیں ہے یار!'' دراصل عروج اس سے حال دل سنانے نہیں بلکہ پکنک پر لے جانے کے لیے بات کر رہی تھی۔

''ماہ نور! پلیز ہمارے ساتھ چلو، بہت مزہ آئے گا، بھائی، امی بھی جا رہے ہیں''۔ مزہ کیا عروج تو خود افسردہ تھی کہیں نہ کہیں اب تک اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا آخر پکنک پر ہی کیوں وہاں ایسا کیا ہوگا؟

''کیوں بھائی مجھے سکون سے جینے نہیں دیتے؟'' دل ہی دل میں عروج کہے جا رہی تھی مگر وہ بھائی کے غصے کو مزید دعوت دینا نہیں چاہتی تھی۔

''عروج.... عروج!'' فون پر ماہ نور کی آواز کانوں میں پڑی تو وہ پھر سے مخاطب ہوئی، عروج تو ایک لمحے کے لیے بھول ہی گئی تھی کہ وہ فون پر بات کر رہی ہے، جب ماہ نور کی باتوں سے عروج نے اندازہ لگایا کہ وہ جانے کی حامی نہیں بھرے گی تو فوراً ماہ نور کی فیملی کو بھی مدعو کردیا، اب ماہ نور نے حامی بھر لی تھی۔

ماہ نور فون رکھ کر اپنے صوفے پر بیٹھیں امی جان کے پاس بڑھی پھر امی سے اجازت طلب کر کے ابا جان کے پاس گئی تو ماہ نور کو پتہ چلا کہ گھر پر اس کا کزن آ رہا ہے گلگت

سے اب اس کے پاس کوئی اور طریقہ نہ تھا کہ ابا سے بھی اجازت لے پاتی، بہر حال ابا نے پیچھے سے آواز لگائی۔

''ماہ نور...! تم چلی جاؤ، تمہاری امی اور میں گھر میں رہ کر حاشر کو دیکھ کریں گے''۔ اب وہ ذرا مطمئن تھی کہ اچانک صوفے پر بیٹھیں امی نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا۔

''ماہ نور بیٹی! کیوں ناں حاشر کو بھی ساتھ لے چلیں''۔ ابا جان نے نیوز پیپر ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

''ویری گڈ آئیڈیا!'' ان کی تو جیسے ساری پریشانی ہی حل ہو گئی تھی۔

عروج کی آج کال آئی تو ماہ نور ذرا سنجیدہ تھی اس نے بتایا تھا۔

''امی اور ابا جانا نہیں چاہتے کیونکہ میرا کزن آ رہا ہے گلگت سے یار ویلکم کون کرے گا تو امی جان نے تو ہمیں یہی مشورہ دیا تھا کہ ہم ہمارے کزن حاشر کو بھی ساتھ لے چلتے ہیں اب ہماری فیملی تمہاری فیملی کے ہمراہ جانے کے لیے تیار ہے''۔ عروج بے چاری ایک تو پہلے ہی جانے کے لیے ایگری نہ تھی اوپر سے ماہ نور کے کزن حاشر کا ذکر سن کر دل پتہ نہیں کیوں دھک دھک کر رہا تھا۔

''ارے بیٹی عروج! چلو تھوڑی تیاری آج کچھ کر کے رکھو گی تو کل آسانی ہو جائے گی''۔ یہ کہتے ہوئے امی اندر داخل ہوئیں۔

''ہاں امی! بس کرتی ہوں تیاری، بھائی کہاں ہیں؟''

''وہ باہر کے انتظام میں لگا ہے''۔ امی نے کہا اپنی الماری سے کپڑے نکال کے اس نے بیڈ پر رکھے۔

''امی! آپ کو پتہ ہے ماہ نور جانا نہیں چاہ رہی تھی''۔

''تو پھر تو تم تو بور ہو جاؤ گی''۔

''ارے نہیں امی! اس کا کزن آ رہا ہے''۔ عروج نے کہا تو امی فٹ سے بولیں۔

''یہ تو اچھا ہے وہ کیوں نہیں چل پڑتا ہمارے ساتھ؟''

''ہاں امی! ماہ نور نے کہا وہ آج ہی آ رہا ہے''۔

''ہاں تو ٹھیک ہے وہ فریش بھی ہو جائے گا، تھکن بھی اتر جائے گی، ہم کون سا آج جا رہے ہیں، کل ہی جائیں گے''۔ امی نے کہا جس پر عروج فٹ سے بول پڑی۔

''امی! پلیز آپ اتنا بے تکلف مت ہوئیے گا، میں جانتی ہوں آپ کی عادت''۔ امی ہنستے ہوئے بولیں۔

''ارے نہیں، چلو تم کپڑے پریس کرلو سب کے''۔ کہتے ہوئے وہ کمرے سے نکل گئیں۔

☆.....☆.....☆

رات کا کھانا کھاتے ہوئے حیدر بھائی نے عروج سے پوچھا۔

ماہ نور کی فیملی کے بارے میں تو عروج کیا بتاتی امی نے ہی سارا حال بھائی کے سامنے بیان کر ڈالا، دل ہی دل میں یہ سوچتے ''بھائی چلو ہو سکتا ہے یہاں میری بہن عروج کی کوئی بات بن جائے'' عروج سے مخاطب ہوئے۔

''عروج! پانی دو اور چائے بنالاؤ پلیز!'' ساری تیاریاں ہو چکی تھیں، اب صبح سب کو نکلنا تھا۔

ادھر ماہ نور نے بھی اپنی امی جان سے کہا۔

''امی جان! میں نے ساری تیاریاں مکمل کر لی ہیں، آپ لوگ جلدی اٹھ جایئے گا''۔ گھر آئے ہوئے حاشر کو کہا۔

''تم اچھے سے تھکن اتار لو اپنی، صبح بالکل فریش ملنا''۔

''او کے بابا! جو حکم آپ کا''۔ حاشر نے کہا۔

''اگر تم مائنڈ نہ کرو تو سر کی مالش کردوں''۔ شاید وہ تھکا ہوا تھا، ماہ نور نے سب کو چائے سرو کی۔

''چلو حاشر! تمہیں تمہارے روم میں ہی مالش

کردوں"۔

"ہاں ماہ نور! اچھی سی چپی کرنا نہیں تو...!"

"نہیں تو کیا ہاں.... چلو اب بیٹھو بھی"۔ آج ماہ نور حاشر کی مالش کررہی تھی اس کی تو جیسے آج ہی پکنک ہورہی ہو، وہ ٹھنڈے ٹھنڈے سپنوں میں جھول رہی تھی، حاشر کی آواز اس کے کانوں میں پہنچی۔

"ماہ نور! ارے.... ماہ نور....! کہاں کھوگئیں؟"

"ہا.... ہاں ہاں بولو؟"

"تمہاری دوست عروج کس ٹائپ کی لڑکی ہے؟" وہ اب حاشر کو عروج کے افسردہ رہنے کی ساری داستان سنا رہی تھی، ساتھ ساتھ حاشر کو پتہ چلا کہ وہ ایک ذہین، محنتی اور پیار بانٹنے والی لڑکی ہے، حاشر کے ہاتھ سے آئل کی بوتل لی اور کپ لگاتے ہوئے ماہ نور نے کہا۔

"ٹھیک ہے حاشر! سو جاؤ، صبح ملاقات ہوگی"۔ اچانک حاشر کے منہ سے نکلا۔

"عروج سے؟" جس پر ماہ نور بھی حیران ہوگئی، مگر خود ہی تو اس نے عروج کی سب باتیں بتائی تھیں، تو انتظار کیوں نہ ہو، پھر نظر انداز کر کے کہا۔

"ہاں بابا! اس کی فیملی سے بھی"۔ یہ کہہ کر حاشر کے روم کا ڈور لاک کردیا، حاشر بھی اپنا بستر جھاڑ کے چادر اوڑھے سوگیا۔

☆.....☆.....☆

آج صبح سے حیدر بھائی نے گھر میں ایک ہنگامہ مچا رکھا تھا، یہ نہیں ہے، وہ نہیں ہے، کھانا رکھوانا ہے، تو فروٹس کہاں ہیں، چاکلیٹس لیتی آؤ فریج سے۔ عروج کی گلی کے کونے پر ہی تو ماہ نور کا گھر تھا، حاشر ہارن کی آواز سن کر آرہا تھا، کچھ کچھ سامان جو یاد آرہا تھا گاڑی میں رکھوا رہا تھا کہ سامنے نظر پڑی، عروج کی کھڑکی کی جانب، وہ عروج کو دیکھ رہا تھا وہ آج کافی خوبصورت لگ رہی تھی، اس نے پیریٹ گرین کلر کا ڈریس پہنا تھا جو کہ بہت لائٹ کلر تھا، آنکھ کو بھانے والا رنگ تھا تو حاشر کو تو اچھا لگنا ہی تھا، پھر رات میں ماہ نور نے بھی تو عروج کی تعریفوں کے پل باندھ دیئے تھے۔

حاشر سامان رکھ کے آیا تو اس کے انکل نے کہا۔

"جاؤ حاشر! ماہ نور کو بلا لاؤ، اور یہ بکس گاڑی میں رکھوادو"۔

"جی اچھا!" کہتے ہوئے حاشر ماہ نور کے روم کی جانب بڑھا۔ ماہ نور نے تبھی حاشر کو دیکھا تو آج وہ بھی کافی اسمارٹ لگ رہا تھا، ماہ نور نے ویسٹرن ڈریس پہنی تھی، خاصہ جچ رہا تھا اس پر یہ سوٹ، حاشر نے تعریف بھی کردی، اب تو ماہ نور زمین پر نہیں ٹک رہی تھی، جواباً ماہ نور نے بھی حاشر کی تعریفوں کے پل باندھ دیئے، لیکن وہ جانتی تھی کہ یہ تعریفیں وہ دل سے کررہی ہے، اچانک حاشر کو یاد آیا۔

"ارے انکل اور پھپھی تو عروج کے ہی گھر چلے گئے ہیں"۔ وہ شروع سے ہی اپنے پھپھا کو انکل کہتا تھا بہرحال وہ ماہ نور کے ہمراہ عروج کے گھر پہنچا تو تمام تیاریاں مکمل ہوگئی تھیں، حیدر بھائی نے سب کا ویلکم کیا، خاص کر حاشر کا۔ پھر سب گاڑی کی طرف بڑھے۔

"پتہ نہیں کہاں غائب ہوجاتی ہے عروج...! جلدی آؤ"۔ حیدر بھائی نے آواز لگائی تو حاشر متوجہ ہوا، اور عروج کو تیز تیز سیڑھیوں سے آتا دیکھ کر تو جیسے دل میں کچھ ہونے سا لگ گیا، عروج کی نظر حاشر پر پڑی تو اسپیڈ کم ہوگئی، عروج رکی تو حاشر نے بھی باہر جانے کا راستہ لیا۔ سب گاڑی میں جا بیٹھے، حاشر، حیدر بھائی کی توجہ کا مرکز بنا انہی کے ساتھ بیٹھا، حاشر نہ بھی چاہتا تو حیدر بھائی نے خود حاشر کو کہا تھا۔ ماہ نور عروج کی امی کے ساتھ بیٹھی پھر انکل اور حیدر کے ابو ساتھ بیٹھے، کوئی اور سلیکشن جو نا تھا، گانوں میں جھومتی یہ گاڑی اپنے سفر کو رواں دواں تھی، ماہ نور اور عروج

بیٹھی باہر کے موسم سے لطف اندوز ہورہی تھیں، وہ جان کے بھی اندر کے موسم سے انجان بنی بیٹھی تھی، آخر کار قسمت کو ہی عروج کا دھیان حاشر کی طرف کرنا پڑا۔

"تیرے چہرے سے نظر نہیں ہٹتی، نظارے ہم کیا دیکھیں"۔ بس یہ گانا سن کر تو جیسے عروج سے سفر کا بوجھ اور بڑھ سا گیا، حاشر بظاہر تو اس گانے سے انجان بن رہا تھا، مگر دل میں سوچ رہا تھا چلو موسم نے کچھ تو رنگ ڈالا، سفر بہت خوب گزرا۔

بال سنبھالتی ہوئی عروج گاڑی سے اتری تو کچھ فروٹس اور چاکلیٹس ہاتھ میں تھامے حاشر سے ٹکرا گئی، تو سارے فروٹس حاشر کے ہاتھ سے وہیں ڈھیر ہوگئے، عروج جھک کے اٹھانے ہی والی تھی۔

"ارے ارے، تم رہنے دو جس کی غلطی ہے وہی سدھارے"۔ ماہ نور نے اتراتے ہوئے کہا جس پر حاشر بھی ہنس دیا۔ عروج اور ماہ نور کی امی جان ابھی تھوڑا سامان سمیٹ رہی تھیں۔

"ارے ٹائم کتنا ہوگیا ہے، بچے سب کہاں ہیں؟" سامنے سے واک کرتے آتے عروج کے ابو اور ان کے ہمراہ ماہ نور کے ابا جان نے پوچھا، نفی میں جواب پاتے ہی وہ دوبارہ مڑ گئے۔

حاشر آج خاصہ خوش دکھائی دے رہا تھا، وہ دل میں یہی سوچ لے کر آیا تھا کہ پھپھی سے کہہ کر کوئی لڑکی پسند کراتا، وہ گلگت میں اکیلا رہتا تھا، ایک کامیاب زندگی گزار رہا تھا، اپنی لائف میں سیٹ ہوئے اسے تقریباً ایک سال ہی ہوا تھا، شرم میں ڈوبی عروج اس کو بہت بھا گئی تھی، حاشر بچپن ہی سے ایک نازک شرمیلی، سیدھی سادھی لڑکی کا تصور کرتا تھا، جو آج اسے عروج کی شکل میں حقیقت دکھائی دے رہا تھا۔

حاشر ہونہار لڑکا تھا، عروج کی فیملی کو ایک آنکھ میں بھا گیا تھا۔ عروج کی امی تمام بائیوڈیٹا پہلے ہی بیٹھے بیٹھے لے چکی تھیں اور دو دن کے بعد عروج کی امی نے ماہ نور کی پوری فیملی کو اپنے گھر دعوت پر بھی مدعو کردیا تھا۔

"خاصہ وقت گزر گیا ہے"۔ حیدر بھائی نے کہا، جس پر عروج کی امی نے کہا۔

"اب گھر چلنا چاہیے، دو دن کے بعد ماہ نور کی پوری فیملی ہمارے گھر آئے گی"۔ تو حاشر کو تو جیسے ایک اور چانس مل گیا تھا۔

حاشر کو کیا معلوم تھا کہ ان کی پھپھی تو اس کا راستہ آسان کرنے میں لگی ہیں وہ ایک سمجھدار خاتون تھیں، اپنے بھتیجے کی آنکھ شاید انہوں نے پڑھ لی لیکن شاید بیٹی کے آنے والے غصے کے سبب سے انجان تھیں، سب گھر کو روانہ ہوئے۔ گھر پہنچے تو حاشر فریش ہوا، ٹاول سے سر خشک کررہی رہا تھا کہ ماہ نور نے کہا۔

"چائے لے آئی ہوں تمہارے لیے"۔

"ٹھیک ہے، رکھ دو"۔ حاشر نے کہا تو عروج کے گھر بھی یہی ماحول تھا، آج رات سب کی سہانے سپنوں میں گزری، حاشر، عروج کے سپنوں میں تو ماہ نور حاشر کے۔

☆.....☆.....☆

"پھپھی جان! آپ نے تو بہت خوب کیا حیدر بھائی کے گھر جانے کا پروگرام بنا کے"۔ حاشر نے کہا تھا وہ آج جلدی اٹھ گیا تھا۔

"ارے ماہ نور! کتنا سوئے گی، اٹھو دیکھو حاشر کو کافی بنا کے دو"۔ پھپھی نے کہا جس پر حاشر خود ہی کافی بنا کر لے آیا، ماہ نور سوتی رہی۔

"بیٹا! میں کل جاؤں گی تو تمہارے لیے عروج کا ہاتھ مانگ لوں گی"۔ حاشر بہت خوش تھا، جیسے اس کی زندگی میں پھولوں کی راہیں سج گئی ہوں، جس پر چلنے کا انتظار ہو، حاشر کو اندازہ نہیں تھا کہ سب کچھ اتنی آسانی سے ہوجائے

گا، ساتھ ہی اسے یہ بھی یقین تھا عروج کی امی اور بھائی اور ابو انکار نہیں کریں گے، آخر انہیں بھی تو اپنی بیٹی کی شادی کا انتظار تھا۔

☆.....☆.....☆

عروج بلیو پوشاک میں لپٹی مہمانوں کی تواضع کی تیاری میں لگی تھی۔

''ارے بیٹا! نرگسی کوفتے ضرور شامل رکھنا کھانے میں، حاشر کو پسند ہیں''۔ انہیں ماہ نور کی والدہ نے بتایا تھا۔

''صرف حاشر کے لیے کیوں، اتنا خاص ہے؟'' عروج شرماتے ہوئے بولی۔

''ہاں، مجھے خوشیاں میرے گھر میں آتی نظر آ رہی ہیں''۔ کہہ کر امی کچن سے نکلیں، آج ماں کے منہ سے لڑکے کے انتخاب اور تسلی پر عروج بھی حاشر کا چہرہ یاد کرنے لگی، جس طرح وہ گاڑی میں اسے دیکھ رہا تھا، اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ ماہ نور کے دل میں بھی لڈو پھوٹ رہے تھے، ورنہ وہ کبھی بھی ایسا نہیں ہونے دیتی۔

''آپ سب ہمارے گھر آئے، ہمیں بہت اچھا لگا''۔ عروج کے ابو نے سب کا ویلکم کرتے ہوئے کہا تھا، سامنے ہی ڈرائنگ روم میں آنے کے بعد سب باتیں کر رہے تھے۔

''میں ذرا کچن میں جا کے دیکھتی ہوں عروج نے کیا کیا بنایا ہے''۔ ماہ نور نے کہا تھا۔ اب تک ماہ نور کے علم میں یہ بات ہی نہ آئی جب پتہ چلتا بھی تو اس وقت تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی وہاں سے، بہر حال کھانا لگنے سے پہلے ہی ایک اور دعوت طے پا گئی تھی، پھپھی نے اپنے گھر بلانا چاہا، جہاں عروج کی رسم طے ہونی تھی، عروج اور ماہ نور نے مل کے ٹیبل کو سجایا۔ ماہ نور کو آج خاصہ مزہ آ رہا تھا، دوستی میں یہ سب کچھ کرنے میں۔

''واہ جی واہ نرگسی کوفتے''۔ بے اختیار حاشر کے منہ سے نکل پڑا، جس پر عروج مسکرائی، حاشر نے آج ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ اور اطمینان ایک ساتھ دیکھا تھا، آج کا ڈنر ختم ہوا تو وہ لوگ اپنے گھر چل دیئے۔

ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا ہر فرد آنے والے کل کی ہی بابت کیوں کر رہا تھا ایسا کیا ہے، ماہ نور نے امی سے پوچھا تو امی نے سب بتا دیا، وہ غصے میں کمرے سے جانے ہی والی تھی مگر اب کیا فائدہ تھا، عروج کی فیملی تو گھر سے نکل چکی تھی آنے کے لیے۔

تیاریاں تو پوری مکمل ہی تھیں، مگر ماہ نور کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔

''مجھے پتہ چلا تو ابھی!'' ماہ نور اپنے آپ کو بے اختیار سمجھ رہی تھی۔

''کرے تو آخر کیا؟'' کمرے سے دوڑتی ہوئی ماہ نور نے دروازے میں بجتی ہوئی بیل کو نظر انداز کرنا چاہا، پیچھے سے چیختی امی نے دروازہ کھولنے پر مجبور کر دیا، آنسوؤں کو صاف کرتی ماہ نور نے دروازہ کھولا جس کا ڈر تھا وہی ہوا۔ اپنی ہی دوست سے حسد کر رہی تھی، آج ماہ نور کو عروج کا پہلی بار اس طرح سجا ہوا روپ چبھ رہا تھا۔

''ارے ماہ نور! کیا مہمانوں کو دروازے پر کھڑا رکھنا ہے؟ اندر بلاؤ!''۔ امی نے آواز لگائی تو سب ڈرائنگ روم کی طرف ہی چل پڑے، ماہ نور اکیلے میں جا کر روتی رہی، عروج سے کچھ سوالوں کے لیے اس نے بھی ڈرائنگ روم کا رخ کیا۔

''آیئے بیٹھیے! حاشر ابھی آتا ہی ہوگا''۔ امی نے کہا تو عروج ابھی کھڑی ہی تھی اس نے شاید ماہ نور کی آنکھیں پڑھ لی تھیں۔

''ارے بیٹی! اپنی دوست کو اپنے روم میں لے جاؤ''۔ امی نے کہا تھا، جس پر ماہ نور روم سے چلی گئی، امی نے بھی سکون کا سانس لیا، عروج اس کے پیچھے چلی گئی تھی۔

''ماہ نور.....ماہ نور! کیا ہوا تمہیں، تم خوش نہیں ہو کیا اس رشتے سے؟'' عروج نے کہا تھا۔

''تم اتنی دھوکہ باز نکلو گی میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی''۔ ماہ نور نے بہت غصے میں کہا، وہ تو حیران تھی جس پر ماہ نور ہی الٹا اس پر برس پڑی۔

عروج آج ماہ نور کی دوستی کا خیال رکھتی یا اپنے دل کا، اتنی مشکلوں سے تو رشتہ طے پانے جا رہا تھا، جس میں سب ہی خوش تھے۔

''لیکن ماہ نور! تم کیوں خوش نہیں، تم نے آج تک تو حاشر کے بارے میں کچھ نہیں کہا، پھر آج کیوں؟'' عروج نے کہا تو ماہ نور چپ نہیں رہ پائی تھی، وہ ساری بھڑاس نکالنا چاہتی تھی۔

''کیونکہ مجھے بھی آج ہی پتہ چلا ہے کہ تم حاشر کو مجھ سے چھین لو گی''۔ ماہ نور نے بہت برے لہجے میں بات کی، کچھ ایسی بات کی کہ عروج کو حد سے زیادہ ناگوار گزری، جب برداشت سے باہر ہوا تو وہ واپس روم کی طرف چل دی، ڈرائنگ روم میں پہنچی تو وہاں خوب ہنسی کا ماحول تھا، کہیں نہ کہیں پھپھی کو اندازہ ہو گیا تھا، اپنی بیٹی کے اس طرح سے روم سے چلے جانے پر، تبھی حاشر کمرے میں داخل ہوا تھا، یہ کیا سن لیا تھا.....حاشر اپنے کانوں پر یقین نہیں کر پا رہا تھا۔

''ابو امی بھائی چلیں''۔ بھائی نے ہنستے ہوئے نظر انداز کیا جس پر عروج چیخ پڑی۔

''مجھے نہیں کرنی کوئی منگنی، مجھے کوئی لڑکا نہیں پسند''۔ عروج نے کہا، جس پر سب گھر والے کھڑے ہوئے اور دنگ رہ گئے، حاشر رو کتا ہی رہ گیا، عروج نے ایک نہ سنی۔

''تم کو ماہ نور سے ہی شادی کرنی تھی تو میرے ساتھ یہ مذاق کیوں؟'' اسے تو ماہ نور نے یہی بتایا تھا کہ وہ ماہ نور سے شادی کرنا چاہتا ہے عروج نے آخری الفاظ کہے اور روتی ہوئی چل دی، حاشر حیران پریشان بے چارہ ٹوٹ ہی گیا تھا، زندگی ٹھہر گئی اس کی، کل تک سب خوش تھے، آج کیا ہو گیا۔

''حاشر! تم نے ماہ نور کو کیوں نہیں بتایا؟ وہ الٹا لے گئی''۔ اس سے برداشت نہیں ہوا، پھپھی نے کہا، تو حاشر کو عروج کے جانے کی وجہ معلوم ہوئی، غصے سے کھڑے حاشر نے یہ کہتے ہوئے روم کا رخ کیا۔

''اچھا تو یہ سب ماہ نور کی بچی نے کیا ہے''۔

''ماہ نور چھت پر ہے''۔ پیچھے سے چلاتی پھپھی کی آواز پر حاشر کے قدم چھت کی جانب بڑھے۔

پکنک کا سارا منظر ماہ نور کی آنکھوں میں گھوم رہا تھا، وہ جھولا، وہ حاشر کا عروج کو دیکھنا، ماہ نور کو اب کچھ احساس دلا رہا تھا مگر اب کیا فائدہ.....وہ زور زور سے رونے لگی۔

سیڑھیوں پر کسی کی آہٹ کو محسوس کر کے وہ ذرا خاموش ہوئی تو پتہ چلا کہ وہ حاشر ہے۔ اس نے زور سے کھینچتے ہوئے ماہ نور کو اپنے برابر کھڑا کیا۔

''یہ تم نے کیا کیا ماہ نور؟'' روتے ہوئے حاشر نے کہا، ماہ نور نے پہلی بار اس قدر روتا دیکھا تھا، مگر کیا فائدہ اب وہ کس کس کے آنسوؤں کا خیال کرتی؟

''میں تمہیں ایسا کچھ نہیں کرنے دوں گا سمجھیں تم؟'' حاشر نے کہا۔

''تمہیں مجھ سے شادی کرنی ہوگی، میں تم سے بہت پیار کرتی ہوں حاشر!'' ماہ نور نے اظہار کیا بھی تو کب جب اثر نہ ہوا حاشر پر اس کی باتوں کا۔

''تم اب میرے اور عروج کے بیچ میں آ رہی ہو''۔ حاشر نے کہا جس پر ماہ نور چیخ پڑی۔

''میں تمہیں کسی بھی قیمت پر عروج کا ہوتے نہیں دیکھ سکتی''۔ چیخ کے سمجھانے کی حاشر نے بھی کوشش کی، مگر پھر آنکھوں سے سارا سمندر بھر کے اپنے ہاتھوں کو ماہ نور کے

سامنے جوڑا۔

''ماہ نور! سمجھو.....میں نہیں رہ پاؤں گا عروج کے بغیر یار! ترس کھاؤ میری محبت پر خدارا!'' حاشر نے کہا، مگر اس وقت ماہ نور کو تو اپنے لیے انصاف چاہیے تھا، وہ بھی کیا کرتی، ہمیشہ سے اسی کے بارے میں سپنے بن رہی تھی، آج زندگی کا رخ اس قدر بدلا زندگی سے ہی نفرت ہو رہی تھی، حاشر اس سے اپنے پیار کی بھیک مانگ کے نیچے چلا گیا تھا، ایک ہفتہ اسی تکرار میں گزرا، حاشر اب ماہ نور سے بات چیت نہیں کر رہا تھا، ساتھ ہی وہ عروج کی فیملی سے بھی نظر ملانے سے کترا رہا تھا، وہ چھت پر اس دن ماہ نور کو غصے میں جانے کیا کیا کہہ گیا تھا۔

''میں تم سے پیار کبھی کر ہی نہیں سکتا، میں نے تمہیں اس نظر سے نہیں دیکھا کبھی، مجھے پلیز عروج کا ہونے دو، ورنہ میں کبھی تمہاری شکل نہیں دیکھوں گا، بہت دور چلا جاؤں گا''۔

☆.....☆.....☆

عروج کے موبائل پر کال ٹیون بجی تو فون اٹھاتی عروج نے کہا۔

''ہاں ماہ نور! بولو.....؟'' ماہ نور نے ابھی تک اپنا پورا غصہ نہیں نکالا تھا، شاید پھر برس پڑی، سوچا تو تھا ماہ نور نے کہ حاشر کی ہفتے بھر کی ناراضی عروج پر نکال دے، مگر عروج بہت سنجیدہ ہو گئی تھی، پھر سے اب اسے کسی سے کوئی غرض نہ رہی تھی، عروج نے کہا۔

''میں تم سے آج کے بعد کبھی بات نہیں کرنا چاہتی، میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا ہے''۔ عروج سیدھی سادھی بے چاری ماہ نور کو برا کہنے کے بجائے خود کو ہی برا سمجھ بیٹھی تھی، جس کے سبب وہ ماہ نور سے کبھی بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی، ابھی عروج اپنے آپ کو معاف ہی نہیں کر پائی تھی کہ حاشر کا دو دن کے بعد گلگت واپس جانے کا میسج پا کر بہت روئی، اب تو سارے ہی دروازے بند ہو گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

آج رات ماہ نور بہت بے چین تھی، اس نے دو لوگوں کا دل توڑا تھا، جس کی وجہ سے دونوں اس سے بات نہیں کر رہے تھے، دوستی تو ٹوٹی ساتھ دل بھی اور حاشر بھی جا رہا تھا، وہ اسی کشمکش میں اس رات کوئی فیصلہ کیوں نہیں لے پا رہی تھی؟

صبح روٹین کے مطابق سب اپنے کاموں میں مشغول تھے وقت کا پتہ ہی نہیں چلا، بیل بجتے ہی دروازے پر دوڑتی ماہ نور نے گیٹ کھولا، جس پر عروج اپنے حیدر بھائی کے ہمراہ کھڑی تھی، تو جیسے چاند کا دیدار ہو گیا تھا، حاشر حیران بھی تھا خوش بھی، سب سے معافی مانگتے ہوئے ماہ نور نے کہا۔

''میں خود غرض ہو گئی تھی پلیز آپ سب مجھے معاف کر دیں''۔ پیار کے ساتھ ساتھ وہ اپنی دوست کو نہیں کھونا چاہتی تھی، اس لیے رات چار بجے ہی کال کر کے عروج کو آنے کے لیے بہت انسسٹ کیا تھا، وہ اپنے نرم لہجے میں لپٹی میٹھی میٹھی باتوں سے آج پھر حاشر اور عروج کے دل کو سنوار رہی تھی، اب اسی ماہ حاشر واپس آ رہا تھا گلگت سے شادی کرنے عروج سے، کیونکہ وہ پچھلے ماہ چاہ کر بھی رک نہیں پایا تھا، ماہ نور کو حاشر اور عروج کی دوستی مل گئی تھی، ماہ نور دوستی پر خوش تھی ایک ماہ عروج نے حاشر کے انتظار میں کاٹا تھا، جب حاشر آیا تو شادی ہوئی، سب ان دونوں کو خوشی خوشی نئی زندگی کی مبارکباد پیش کر رہے تھے، شادی کے بعد ماہ نور یہ سوچ رہی تھی کہ کیا میرے دل کا فیصلہ درست تھا؟ مگر اس کے پاس کوئی چارہ بھی نہیں تھا، دوستی بھی تو عزیز تھی اسے شادی کی تصویریں دیکھتے ہوئے ماہ نور نے اپنی آنکھوں سے آنسو صاف کیے۔

☆.....☆.....☆

مکمل ناول

قیامت کی سحر ہونے تک

''اصلاح! تم شادی کی صبح یہ والا ڈریس پہننا''۔ صفا نے لائیٹ پنک کلر کا خوبصورت سا ڈریس ہاتھ میں لے کر
تھا، وہ جو مما کے کاندھے پر اپنا سر ٹکائے چھوٹی اریشہ کے ہاتھوں میں اپنی انگلی پکڑائے بیٹھی تھی، صفا کی بات پر مسکرا

نوٹ: رڈا کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی رڈا کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

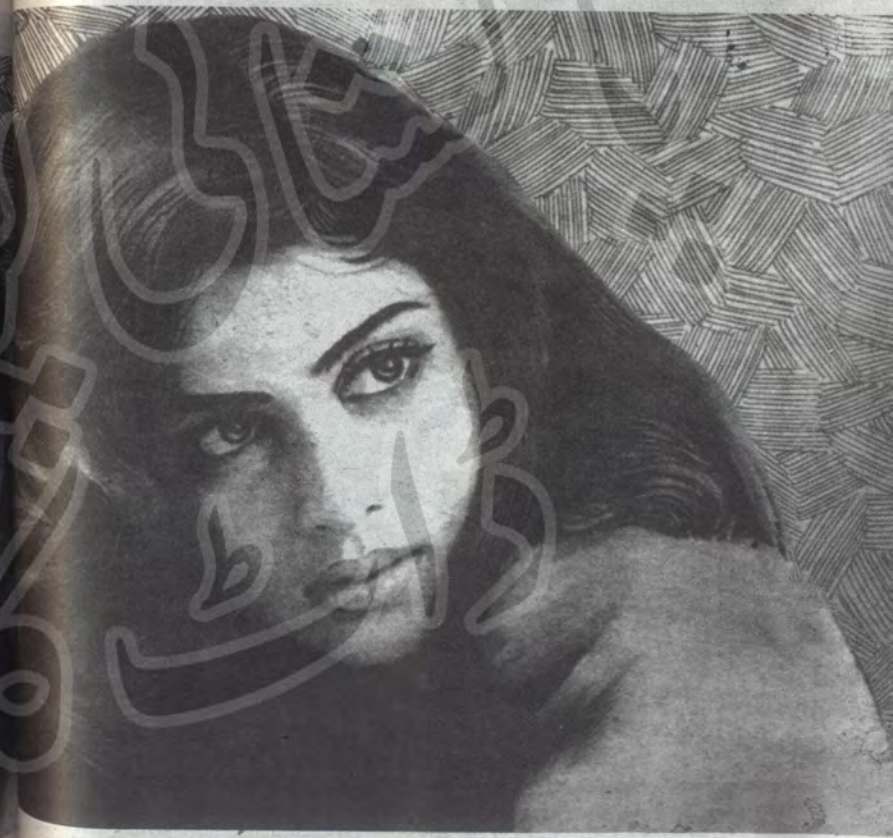

گئی۔

''نہیں اصلاح! تم یہ پہننا''۔ مروہ نے جھٹ لائٹ اور ڈارک براؤن ڈریس دکھاتے ہوئے مشورے سے نوازا تھا، اصلاح یزدان اپنی دونوں بڑی فیشن ڈیزائنر بہنوں کو دیکھ کر مسلسل مسکرائے جا رہی تھی، شادی کے تذکرے پر اس کی آنکھوں کے آگے ''حدید ذیشان'' کا چہرہ ٹھہر سا گیا۔

''مسکراتی رہو گی یا کچھ بولو گی بھی؟'' اس کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر مروہ تپ گئی۔

''تم یہی ڈریس پہننا بس''۔ صفا نے دھونس سے کہا۔

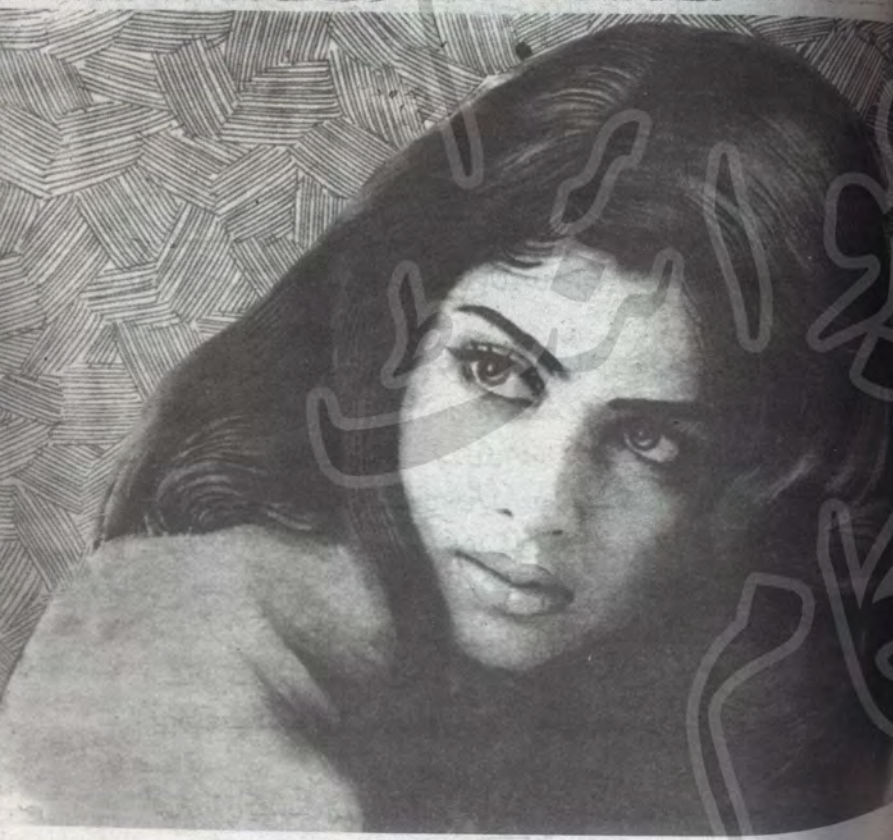

''ہر شاپنگ کے بعد آپ دونوں مجھے الگ الگ کپڑے دکھاتی ہیں کہ شادی کی صبح تم یہ پہننا میں ایک ساتھ کپڑے پہنوں؟'' وہ بے چارگی سے گویا تھی۔

''تم سارے کپڑے ایک ساتھ پہن لینا''۔ مروہ نے شرارتاً کہا۔

''آپ دونوں اپنے مشورے اپنے پاس رکھیں میرا جو دل چاہے گا میں وہی پہنوں گی''۔ اس نے خفگی سے کہا۔

''صاف صاف یہ کیوں نہیں کہتیں کہ تم حدید کی پسند کا ڈریس پہنو گی؟'' مروہ نے اسے چھیڑا۔

''جی نہیں مما! آپ سمجھا لیں آپی کو''۔ اصلاح کے چہرے پر شرمگیں مسکان بکھر گئی۔

''حدید سے پتہ تو کرو اس کا فیورٹ کلر کون سا ہے؟'' صفا بھی میدان میں کود گئی تھی۔

''مما!'' وہ یہ کہتی مما کی گود میں چہرہ چھپا گئی۔

''اب مزید تنگ مت کرو میری بچی کو''۔ مما نے ان دونوں کو گھورا۔

''اچھا دلہن صاحبہ! نہیں کرتے ہم آپ کو تنگ، اپنا چہرہ تو دکھا دو ہمیں''۔ وہ دونوں مما کے پاس آ گئیں اور اس کا چہرہ مما کی گود سے اٹھانے کی کوشش کرنے لگیں، اس نے سختی سے اپنا چہرہ مما کی گود میں چھپا رکھا تھا۔

''یہ ایسے نہیں مانے گی''۔ مروہ نے کہہ کر اسے گدگدی کی تھی وہ بے ساختہ ہنستے ہوئے سیدھی ہو گئی۔ مما ان تینوں کو یوں ہنستا مسکراتا دیکھ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکیں۔

☆.....☆.....☆

اسکندر صاحب اور زرینہ بیگم کے تین بچے تھے، سب سے بڑی صاحبزادی نوشین اور دو بیٹے یزدان اور ذیشان نوشین کے دو بیٹے تھے آکاش اور نقاش جبکہ یزدان صاحب کو اللہ نے تین بیٹوں سے نوازا تھا ان کی دونوں جڑواں بیٹیاں صفا، مروہ اپنی پھپھو کے گھر بیاہ چکی تھیں، جبکہ ان سے تین سال چھوٹی اصلاح یزدان کی شادی ذیشان صاحب کے اکلوتے بیٹے حدید ذیشان سے بچپن میں ہی طے ہو چکی تھی۔

''مما! شادی کو مہینہ باقی ہے اور آپ نے صفا مروہ آپی کو ابھی سے بلا لیا ہے، اپنا گھر مجھے گھر کم چڑیا گھر زیادہ لگنے لگا ہے''۔ وہ صفا، مروہ کی چھیڑ چھاڑ سے تنگ آ چکی تھی، ان دونوں نے حدید کا نام لے لے کر اسے پزل کر دیا تھا۔ وہ کچن کی شیلف سے کمر ٹکائے کھیرے کاپس اٹھائے مما سے کہہ رہی تھی، مما ملازمہ کو ہدایت دیتیں اس کی باتیں سن رہی تھیں۔

''میں آکاش اور نقاش بھائی کو کال کرنے والی ہوں کہ آ کر دونوں کو لے جائیں اور اپنی ٹینشن خود سنبھالیں بس بہت ہو گیا''۔ وہ یہ کہہ کر پلٹی تھی جب مروہ نے اریشہ کو مما کے حوالے کیا تھا اور بایاں ہاتھ کمر پر جمائے خونخوار نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''گھورنا بند کریں میڈم! اور اپنا بوریا بستر سمیٹ لیں''۔ وہ کہتی ہوئی کچن سے بھاگی تھی مروہ اس کے پیچھے تھی۔

''ارے آرام سے لڑکیو!'' مما نے دونوں کو ٹوکا۔

''کیا ہوا کتے پیچھے لگ گئے ہیں؟'' وہ دونوں پورے گھر میں بھاگتی پھر رہی تھیں جب لان میں صفا نے اس کا ہاتھ پکڑ کے اسے روکا تھا۔

''نہیں مروہ آپی پیچھے لگ گئی ہیں''۔ وہ پھولتی سانسوں کے ساتھ بتانے لگی جس پر صفا ہنس دی۔

''صفا! اسے چھوڑنا نہیں یہ مما سے ہماری شکایت کرتی پکڑی گئی ہے''۔ پیچھے سے مروہ بھی ہانپتی ہوئی چلی آئی تھی۔

''کوئی شکایت نہیں کی میں نے''۔ اصلاح نے منہ بسورا تھا اسکندر صاحب کی گاڑی پورچ میں داخل ہوئی تو دونوں اٹینشن ہو گئیں جبکہ اصلاح بھاگتی ہوئی ان کی گاڑی کی طرف بڑھی تھی۔

''دادا جی!'' وہ خوشی سے کہتے ہوئے گاڑی تک پہنچی۔ ایک شناسا چہرہ دادا جی کو تھام کر گاڑی سے نکلا تھا اور ہال کی طرف بڑھنے لگا۔

''کیا ہوا ہے دادا جی! آپ کو؟'' اصلاح کے لہجے میں تشویش تھی صفا اور مروہ بھی دادا جی تک آ گئی تھیں۔

''ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں، انہیں روم میں لے چلیں''۔ جواب اس نوجوان نے دیا تھا۔ صفا، مروہ پہلے بھی اسے دیکھ چکی تھیں، مگر اسے یاد نہ آیا کہ کہاں دیکھا تھا۔

''کیسے طبیعت خراب ہو گئی آپ کی؟'' اصلاح ان کے چہرے پر نقاہت دیکھ کر رو پڑی۔

''میں اب ٹھیک ہوں بیٹا!'' دادا جی نے محبت سے اسے دیکھا تھا۔ نوجوان اصلاح کو بغور دیکھ رہا تھا، دادا جی کو کمرے میں لایا جا چکا تھا، ہفتہ پہلے وہ اسلام آباد گئے تھے، ان کے چھوٹے بیٹے ذیشان اسکندر اسلام آباد میں اپنا بزنس اسٹیبلش کر چکے تھے، جبکہ یزدان اسکندر نے بزنس کرنے کے لیے کراچی کو ترجیح دی تھی، دادا جی اکثر اسلام آباد جایا کرتے تھے، جبکہ ذیشان صاحب کے ساتھ ان کے بچپن کے دوست اصفہان صاحب بھی تھے جو اسلام آباد میں ہی مقیم تھے۔

''یہ اوصاف واثق ہے اصفہان کا پوتا، تم سب اس سے دو سال پہلے صفا، مروہ کی شادی میں مل چکے ہو، اس بچے نے اسلام آباد میں میرا بہت خیال رکھا''۔ دادا نے بتایا تو سب کو یاد آ گیا کہ اسے صفا، مروہ کی شادی میں دیکھا تھا۔

''بیٹا! اوصاف کی خاطر تو اضح کرو اور میری طرف سے بے فکر رہو میں اب بالکل ٹھیک ہوں''۔ دادا جی کے کہنے پر صفا، مروہ کے ساتھ روم سے نکل گئیں یزدان اسکندر بھی اوصاف واثق کے ہمراہ روم سے نکل گئے، وہ وہیں دادا جی کا ہاتھ تھامے بیٹھی رہی۔

''کیا بات ہے دادا جی! آپ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟'' وہ بغور اصلاح کو دیکھ رہے تھے جب اس نے استفسار کیا۔

''ہوں..... ہاں کچھ نہیں بیٹے! یوں ہی کچھ سوچ رہا تھا''۔ دادا جی گہری سوچ سے نکل آئے۔

''اسلام آباد جانے تک آپ بالکل ٹھیک تھے پھر آپ کی طبیعت خراب کیسے ہو گئی؟'' وہ انہیں دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''مجھے پتہ ہے آپ کیوں بیمار ہوئے؟'' کوئی جواب نا پا کر اصلاح نے دوبارہ کہا تھا ان کی آنکھیں حیرت سے وا ہو گئیں۔

''اتنے دنوں تک آپ نے مجھے دیکھا جو نہیں اسی لیے ہے ناں دادا جی؟'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''ہاں میرے بچے!'' انہوں نے گہرا سانس لیتے ہوئے اس کے گالوں کو چھوا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ ڈائننگ ٹیبل پر آئی تو اوصاف واثق کو صفا اور مروہ کے ساتھ لنچ کرنے کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف پایا، اس

نے ایک نظر اوصاف واثق پر ڈالی گولڈن براؤن شرٹ اور کیمل کلر کی پینٹ میں بے حد خوبرو لگ رہا تھا، وہ صفا کی کی باتوں
پر مسکراتے ہوئے پانی کا گلاس لبوں سے لگا رہا تھا، مما پپا اس سے اچھی طرح واقف تھے، وہ خود بھی دادا جی کی زبانی
اوصاف واثق کا نام متعدد مرتبہ سن چکی تھی، اصلاح نے سیلڈ کا باؤل اپنی جانب سرکایا تھا، عین اسی لمحے اوصاف نے بھی
باؤل سے سیلڈ نکالنا چاہا تھا۔

''پہلے آپ لے لیں''۔ اس کی آواز اس کی پرسنالٹی کی طرح متاثر کن تھی۔

''میں لے لوں گی پہلے آپ لے لیں پلیز!'' اصلاح نے آداب میزبانی نبھائی۔

''پہلے آپ پہلے آپ کے چکر میں میری پلیٹ خالی ہو جائے گی ایسا کرتی ہوں پہلے میں ہی لے لیتی ہوں''۔ مروہ
نے شرارت سے کہا تو اوصاف مسکرانے لگا۔

''ہماری بیٹیاں بے حد شرارتی ہیں''۔ پپا نے محبت بھری نظر ان پر ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

''اچھی بات ہے نا، زندگی کو یوں ہی ہنستے مسکراتے ہوئے انجوائے کر کے جینا چاہیے''۔ اوصاف نے کہا۔

''ہاں تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو''۔ چائے کی ٹرے کے ہمراہ صفا نے روم میں آتے ہی ٹکڑا لگایا۔

''چائے تو بے حد خوش رنگ ہے''۔ وہ صفا، مروہ سے خاصا بے تکلف ہو گیا تھا چائے کو دیکھتے وہ کہے بنا نہ رہ سکا۔

''صورت پر نہ جائیں سیرت کو آزمائیں''۔ اصلاح نے شوخی سے کہا جس پر سب ہنس دیے جبکہ صفا اسے گھورنے
لگی۔

''ہماری بیٹی بہت خوش ذائقہ چائے بناتی ہے''۔ پپا کے کہنے پر صفا اترا کر اصلاح کو دیکھنے لگی جبکہ اصلاح نے برا سا
منہ بنا کر اس کی تعریف کو نظر انداز کیا تھا۔

''اور پپا! میں کیا اچھا بناتی ہوں؟'' مروہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

''تم....؟ تم بے وقوف اچھا بنا لیتی ہو''۔ پپا نے کہا تھا اور اوصاف کا قہقہہ بے ساختہ تھا، بے ساختہ ہنستے ہوئے
اصلاح نے پپا کو تپتی نظروں سے دیکھا تھا۔

''جیئیں پپا! آپ نے ثابت کر دیا آپ ہمارے پپا ہیں''۔ اصلاح ان کے جواب سے بے طرح خوش تھی۔

''مما! آپ ہی میری سائیڈ لے لیں''۔ مروہ نے خاموش بیٹھی مما سے مدد طلب لہجے میں کہا۔

''تم باپ بیٹیوں کے بیچ میں کیا کہوں؟'' وہ مسکرائی تھیں، اوصاف واثق نے رشک بھری نظروں سے اس گھر کے
مکینوں کو دیکھا تھا، مسکرانے کے باوجود دل کے ایک کونے میں درد کی ٹیس اٹھی تھی، احساس محرومی نے اوصاف واثق کو
اپنے شکنجے میں جکڑ لیا تھا۔

☆............☆............☆

کراچی سے اس کی واپسی کچھ لمحے پہلے ہوئی تھی، دادا جی کے روم میں انہیں سوتا پا کر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھنے
لگا۔

''اوصاف! بابا چائے پئیں گے؟'' وہ زینہ طے کرتے ہوئے اپنے روم کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جب فضلو کاکا نے
استفسار کیا، بمشکل مسکراتے ہوئے اس نے سر اثبات میں ہلایا تھا، روم میں داخل ہوتے ہی وہ جوتوں سمیت بیڈ پر دراز
ہو گیا، آنکھوں پر بازو رکھے وہ اپنی تمام تر محرومیوں کو سوچ رہا تھا۔

''ایک اور محرومی پھر میرے حصے میں آ گئی''۔ وہ دکھ سے سوچنے لگا۔ صفا، مروہ کی شادی میں ہنستی مسکراتی اصلاح
پر دان پر اس کی نگاہیں ٹھہری گئی تھیں، اس کی روشن چمکدار زندگی سے بھرپور آنکھوں کو دیکھ کر اوصاف واثق کی ویران
اداس آنکھوں میں زندگی کی رمق دکھائی دی تھی، اس کے ہونٹوں پر کھیلتی مسکان کو دیکھ کر اوصاف واثق کے بھنچے لب بار بار
مسکرانے پر مجبور ہو رہے تھے، اس کی پسندیدگی اصفہان صاحب سے چھپی نہ رہ سکی جبھی باتوں باتوں میں وہ اسے بتا گئے
کہ اصلاح، حدید کے ساتھ بچپن سے منسوب ہے یہ سن کر تو اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اس کے پیروں کے نیچے سے کسی
نے زمین کھینچ لی ہو، اسے اپنا وجود خلا میں ڈولتا محسوس ہوا تھا، وہ محبتوں کو ترسا ہوا تھا اور جب اس کے دل میں محبت دبے
پاؤں داخل ہو گئی تھی تو اس اذیت ناک انکشاف پر اس کا دل زخم زخم ہو گیا تھا، آج دو سال بعد اسے دیکھ کر اپنی محبت کو نا
پانے کا دکھ شدت اختیار کر گیا تھا۔

''بیٹا! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟'' فضلو کاکا کی آواز پر اس نے آنکھوں سے بازو ہٹایا۔

''جی کاکا! میں بالکل ٹھیک ہوں''۔ وہ اٹھتے ہوئے مسکرانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

''بیٹا! آپ کی ممی آئی تھیں آپ کا پوچھ رہی تھیں''۔ فضلو کاکا نے بتایا۔

''اچھا کب آئی تھیں؟'' چائے کا مگ لبوں سے لگاتے پوچھنے لگا۔

''ایک گھنٹہ قبل''۔

''آپ انہیں رکنے کا کہتے''۔ وہ کہنے لگا۔

''میں نے کہا تھا مگر وہ جلدی میں تھیں کہہ رہی تھیں کل زوباریہ بیٹی کی تعلیم مکمل ہونے کی خوشی میں پارٹی ہے انہیں
بہت کام ہے آپ کو بلایا ہے''۔ وہ کہہ رہے تھے اور وہ ان کی باتیں سن کر دکھ سے مسکراتا رہا۔

☆............☆............☆

''کہاں جا رہے ہو؟'' وہ کف کے بٹن بند کرتا پورچ کی جانب بڑھا تھا، جب اصفہان صاحب نے اسے پوچھا۔

''ممی کی طرف جا رہا ہوں زوباریہ کے اعزاز میں پارٹی دی ہے ممی نے''۔ اس نے مسکرا کر جواب دیا، اصفہان
صاحب نے دکھ سے اسے جاتا دیکھا تھا۔

''میں نے واثق کی شادی زبردستی نمرہ سے نہ کروائی ہوتی تو آج حالات مختلف ہوتے اس بچے کو اتنی اذیت کا سامنا
نہ کرنا پڑتا''۔ وہ دکھ سے سوچتے کرسی میں جم سے گئے، ماضی میں کی گئی غلطی پر وہ پچھتانے کے سوا اور کر بھی کیا سکتے تھے،
واثق صاحب اپنی یونیورسٹی فیلو الماس کو بے حد چاہتے تھے وہ نمرہ کے ساتھ شادی پر راضی نہ تھے مگر اصفہان صاحب کے
دباؤ میں آ کر انہوں نے نمرہ سے شادی کر لی تھی، وہ اعصابی تناؤ کا شکار رہنے لگے تھے انہیں الماس سے شدید محبت تھی اور
جب انہوں نے یہ خبر سنی کہ الماس مر گئی ہے تو وہ اس صدمے کو برداشت نہ کر سکے وہ ان کی موت کا ذمے دار خود کو ٹھہراتے
رہے اور اسی صدمے کے ساتھ وہ زیادہ دن جی نہ سکے اور اپنی جوان جہاں بیوی اور 6 دن کے خوبصورت بیٹے کو چھوڑ کر
خالق حقیقی سے جا ملے۔ اصفہان صاحب کے لیے جوان بیٹے کی موت دیکھنا آسان نہیں تھا، وہ متعدد بیماریوں کا شکار
ہو گئے انہیں نمرہ اور اوصاف کی بے حد فکر رہنے لگی تھی، جبھی ایک اچھا رشتہ دیکھ کر انہوں نے نمرہ کی شادی انوار صاحب

سے کروادی، انوار صاحب کو اوصاف کا وجود اول روز سے کھٹکنے لگا تھا اصفہان صاحب کو یہ بات معلوم تھی مگر وہ معصوم سے بچے کو اس کی ماں سے الگ نہیں کرنا چاہتے تھے، ریان کی پیدائش کے بعد انوار صاحب کو اوصاف سے کچھ زیادہ ہی چڑ ہونے لگی، وہ اب اس پر ہاتھ بھی اٹھانے لگے تھے۔ خود نمرہ بھی ریان کی وجہ سے اوصاف کو نظر انداز کرنے لگی تھیں، یہ دیکھ کر اصفہان صاحب دو سالہ اوصاف کو اپنے گھر لے آئے، وہ بچپن سے ہی ملازموں کے رحم و کرم پر تھا، کبھی کبھی ممی اس سے ملنے آجایا کرتی تھیں اوصاف کو ان سے مل کر خوشی کے بجائے تکلیف ہوتی تھی۔ زوباریہ اور ریان کو ممی کے وجود سے چپکے دیکھ کر احساس محرومی کسی ناگ کی طرح اس کے وجود کو ڈستا تھا، مگر وہ نہایت صابر واقع ہوا تھا اپنی تکلیف اس نے کبھی ظاہر نہیں کی تھی، مگر اس کی ویران آنکھیں از خود ہی اس کی محرومیوں کی داستان سناتی تھیں، اس کے بھنچے لب آپ ہی آپ بین کرتے تھے۔

”تم کب آئے بیٹا؟“ اسے آئے گھنٹے سے زیادہ ہو چلا تھا، پارٹی عروج پر تھی، زوباریہ ممی سے لگی کھڑی تھی، وہ اپنے سے نظریں چراتے ہوئے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا جب ممی کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی، وہ انہیں بغور دیکھ رہا تھا وہ وائٹ ساڑھی میں اس سے چند قدم کے فاصلے پر تھیں مگر وہ اسے خود سے بے حد دور محسوس ہو رہی تھیں۔

”کیا ہوا ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟“ ممی نے دوبارہ کہا۔

”اتنے دنوں بعد آپ کو دیکھنے کا موقع ملتا ہے ممی! آپ کا چہرہ اپنی آنکھوں میں بسا رہا ہوں“۔ وہ یہ کہنے سے خود کو روک نہ پایا۔

”مما! آئیں میں روبی سے آپ کو ملواتی ہوں“۔ زوباریہ ممی کا ہاتھ تھامے اوصاف کو نظر انداز کرتی ہوئی مما کو لے جا چکی تھی جبکہ وہ خالی خالی نظروں سے انہیں جاتا دیکھ رہا تھا، دل میں درد کے ٹانکے دھڑا دھڑ کھل رہے تھے۔

☆............☆............☆

”دادا جی! ابھی پچھلے دنوں تو آپ اسلام آباد گئے تھے دوبارہ کیوں جا رہے ہیں؟“ اسکندر صاحب اسلام آباد کے لیے رخت سفر باندھ رہے تھے جب اصلاح نے ان سے کہا۔ وہ پچھلے کئی دنوں سے خاموش رہنے لگے تھے، ان کی خاموشی کو سب نے نوٹ کیا تھا۔ دادا جی کو اصلاح سے بے حد محبت ہے اس کی جدائی کا سوچ کر وہ اداس رہنے لگے ہیں یہ سب کی متفقہ رائے تھی۔

”ضروری کام ہے بیٹا! میں جلد واپس آؤں گا“۔ یہ کہہ کر وہ ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کی ہدایت دینے لگے وہ اداسی سے ان کو جاتا دیکھ رہی تھی۔

”کیا بات ہے اسکندر! تم کچھ دنوں سے مجھے بہت پریشان لگ رہے ہو؟“ اسکندر صاحب ایئرپورٹ سے ڈائریکٹ اصفہان صاحب کی طرف آگئے تھے، اصفہان صاحب نے ان کی خاموشی پر کہا وہ سگار ہونٹوں میں دبائے گہری سوچ میں تھے۔

”ہاں اصفہان! میں بے حد پریشان ہوں“۔ انہوں نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا ان کی آواز بے حد دھیمی تھی، اصفہان صاحب کو ان کی آواز کسی کنوئیں سے آتی محسوس ہوئی۔

”کیا بات ہے؟“ اصفہان صاحب نے ان کے ہاتھوں پر گرمجوشی سے دباؤ ڈالا تھا۔

”میرا پوتا ہے حدید 23 دن بعد اس کی اصلاح سے شادی ہے“۔

”ہاں میں جانتا ہوں اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟“ انہیں حیرت ہوئی۔

”دو ماہ سے ایک لڑکی عبیرہ کی میرے پاس مسلسل کال آرہی ہے اس کا کہنا ہے کہ وہ حدید کے بیٹے کی ماں بن چکی ہے اور اب حدید اس بات سے انکاری ہے وہ چاہتی ہے کہ میں اسے انصاف دلواؤں“۔ اسکندر صاحب نے کہا تو اصفہان صاحب سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔

”ہوسکتا ہے وہ لڑکی جھوٹ بول رہی ہو“۔ بہت دیر بعد وہ بولنے کے قابل ہوئے۔

”کوئی بھی لڑکی اتنا بڑا جھوٹ نہیں بول سکتی“۔ انہوں نے ان کی بات کی نفی کی۔

”پھر تم نے کیا سوچا ہے؟“ وہ بغور انہیں دیکھتے پوچھ رہے تھے۔

”آج DNA ٹیسٹ کی رپورٹ آئے گی اسی کا انتظار ہے“۔ انہوں نے آنکھیں موند لیں۔

”پھر؟“ اصفہان صاحب نے بمشکل سوال کیا۔

”اگر DNA ٹیسٹ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہ لڑکی سچ بول رہی ہے تو پھر میں حدید کا نکاح اس لڑکی سے کروا دوں گا“۔ سرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ انہوں نے کہا تھا۔

”پھر اصلاح کا کیا ہوگا اس بچی کے ساتھ تو بڑی ناانصافی ہوگی؟“ اصفہان صاحب کو اصلاح کی فکر ہوئی۔

”اصلاح کی شادی اگر حدید سے کر بھی دوں تو اصلاح اور عبیرہ دونوں کے ساتھ ناانصافی ہوگی، مجھے احساس ہو رہا ہے اصفہان! بچوں کی شادی بچپن میں طے کر کے میں نے بہت بڑی غلطی کی، بڑے ہو کر بچے کس روش کو اختیار کرتے ہیں یہ بات ہم نہیں جانتے“۔ انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تھا۔

”ابھی رپورٹ نہیں آئی سب ٹھیک ہوگا اسکندر!“ اصفہان صاحب نے اسکندر صاحب سے زیادہ خود کو تسلی دی تھی۔

☆............☆............☆

DNA ٹیسٹ کی رپورٹ آگئی تھی، اسکندر صاحب نے ذیشان صاحب اور حمیدہ بیگم کو حدید کے کرتوت سے آگاہ کرنے کے بعد حدید کا نکاح عبیرہ کے ساتھ کر دیا تھا، حدید نے بہت چاہا کہ اسکندر صاحب کا فیصلہ بدل جائے مگر اسکندر صاحب اپنے فیصلے سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹے تھے۔

”اسکندر! میں چاہتا ہوں اصلاح کی شادی اسی تاریخ پر اوصاف کے ساتھ کر دی جائے“۔ اصفہان صاحب نے کہا تھا، اسکندر صاحب کے چہرے پر اطمینان اتر آیا وہ سر اثبات میں ہلاتے ہوئے خاصے مطمئن نظر آرہے تھے۔

☆............☆............☆

”میرے سر میں درد ہے مما! میری نظر اتاریں“۔ اصلاح، مما کے سامنے بے چارگی سے کہہ رہی تھی۔

”تمہیں کون نظر لگائے گا؟“ مروہ کا انداز چڑانے والا تھا، مگر اس وقت حقیقتاً اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا جب ہی وہ خاموش رہی۔

”بڑی دلہن! آپ ہمارے کمرے میں آئیں، ہمیں آپ سے ضروری بات کرنی ہے“۔ اسکندر صاحب کے ساتھ یزدان صاحب کو دیکھ کر زہرہ بیگم نے پریشانی سے ان کی طرف دیکھا تھا اور اٹھ کر ان کے پیچھے جانے لگیں، مروہ اور

اصلاح نے سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا، اصلاح اپنا سر تھامے وہیں بیٹھی رہ گئی جبکہ مروہ دادا جی کے کمرے کی طرف چل پڑی۔

''اف..... کیا مصیبت ہے''۔ مسلسل بجتے فون کو اس نے گھورا۔

''ہیلو!''

''ہیلو اصلاح!'' اس کے ہیلو کہتے ہی حدید کی گھبرائی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی، اتنے دنوں کے بعد کال کرنے پر وہ حدید سے شکوہ کرنے ہی والی تھی جب حدید کے رونے کی آواز ایئر پیس پر ابھری۔

''کیا ہوا ہے حدید! سب خیریت تو ہے؟'' وہ پریشان ہوئی۔

''کچھ بھی ٹھیک نہیں اصلاح! ایک سوچی سمجھی سازش کی بنا پر اوصاف واثق نے تمہیں مجھ سے چھین لیا، دادا جی تمہاری شادی اس سے کر رہے ہیں''۔ وہ کہہ رہا تھا اور ریسیور اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔ تمام تر حقائق جاننے کے بعد یزدان صاحب اور زہرہ بیگم نے حدید ذیشان پر چار حروف بھیجے تھے۔ ذیشان صاحب اور حمیدہ بیگم بے حد شرمندہ تھے جو کچھ بھی ہوا اس میں ذیشان صاحب اور حمیدہ بیگم کا کوئی قصور نہ تھا جب ہی یزدان صاحب نے چھوٹے بھائی سے کوئی شکایت نہ کی انہیں اصلاح کے لیے اوصاف واثق پسند آیا تھا یوں اسی تاریخ پر اصلاح کی شادی اوصاف واثق سے طے پا گئی۔

☆.....☆.....☆

اصلاح یزدان دکھتے سر اور بوجھل دل کے ساتھ ریڈ اور گرے عروسی جوڑے میں ملبوس حجلہ عروسی میں موجود تھی، کمرہ بے حد خوبصورت تھا، کمرے کے در و دیوار پر اسکائی بلیو پینٹ تھا، جبکہ کمرے میں سرخ رنگ کے پردے لگے تھے، تمام فرنیچر اسکائی بلیو اور ریڈ تھا، زمین پر بچھی اسکائی کارپٹ پر بے شمار ہارٹ شیپ کے غبارے جا بجا بکھرے تھے، ریڈ اور اسکائی کینڈل بھی کمرے میں خوبصورتی سے سجائے گئے تھے، بیڈ کے چاروں اطراف سرخ اور اسکائی بلیو سے سجایا گیا تھا، اسکائی بلیو نیٹ پر بے شمار کٹ فلاور کو خوبصورتی سے ارینج کیا گیا تھا اور سرخ نیٹ پر اسکائی بلیو آرٹی فیشل کٹ فلاور ارینج کیے گئے تھے پہلی نظر میں دیکھنے پر وہ آرٹی فیشل کٹ فلاور اصلی لگ رہے تھے، کمرے کو عام ڈگر سے ہٹ کے سجایا گیا تھا۔ کمرے کو دیکھ کر ہی اس بات کا پتہ چلتا تھا کہ اس کمرے کو استعمال کرنے والے کی سوچ عام انسانوں سے منفرد ہے کوئی اور وقت ہوتا تو وہ کمرے کی خوبصورتی میں کھو جاتی، مگر اس وقت وہ اپنے حواسوں میں نہ تھی، کمرے کا دروازہ وا ہوا تھا قدموں کی چاپ اس کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھی، وہ سر جھکائے نظریں نیچی کیے بت بنی بیٹھی تھی، گرے شیروانی میں وہ مسکراتا ہوا کئی لمحے اسے دیکھتا رہا تھا، اسے اپنی خوش نصیبی پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

''السلام علیکم!'' وہ بیڈ پر براجمان ہو گیا۔

''سنا تھا عورت کی محبت کسی کو شاعر کسی کو شرابی بنا دیتی ہے، مگر میں تو شوہر بن گیا''۔ وہ شوخی سے کہتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا، وہ سر جھکائے سن ہوتے دماغ کے ساتھ اس کی باتیں سن رہی تھی۔

''آج تو تم بے حد پیاری لگ رہی تھیں، آج تو تم نے خوب تعریفیں سمیٹیں''۔ وہ مسکراتے ہوئے گویا تھا وہ ہنوز خاموش رہی۔

''کیا ہوا اصلاح! تم ٹھیک تو ہو؟'' وہ اس کی خاموشی سے پریشان ہو گیا۔ اس نے پوچھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا،

اس کے ہاتھ لگاتے ہی وہ ایک جھٹکے سے اٹھ گئی۔

''ہاتھ مت لگائیں مجھے، بہتر یہی ہے کہ آپ مجھ سے دور رہیں، میرے نزدیک آنے کی کوشش کی تو میں اپنی جان لے لوں گی''۔ وہ غضب ناک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی، اس کی آنکھوں میں اپنے لیے شدید نفرت دیکھ کر اوصاف واثق کے اندر کچھ ٹوٹا تھا، ابھی تو وہ اپنی خوش نصیبی پر یقین بھی نہ کر پایا تھا اپنی محبت کو حاصل کر لینے کا جشن بھی نہ منا سکا تھا اور اس سے پہلے ہی اسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ بے حد بدنصیب ہے، وہ یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔ کیا کچھ نہیں تھا ان نظروں میں محبت کو پا کر کھونے کا دکھ اپنے سپنوں کے بکھرنے کی اذیت، نفرت کو سہنے کا کرب، دم توڑتی بے موت مرتی خواہشوں کی تکلیف، مگر اوصاف کی نظریں خاموش التجاء کر رہی تھیں کہ۔

''میں تو پہلے ہی محبت کو ترسا ہوا ہوں، تم تو میری جھولی میں نفرت نہ ڈالو، تم تو مجھے اپنی محبت سے سیراب کر دو''۔ مگر وہ بے حس و حرکت کھڑی تھی، اس کی قہر برساتی نظریں اوصاف پر ہی گڑی تھیں، اس کی نظروں نے اسے اندر تک ہلا کر رکھ دیا تھا۔

''او کے آپ چینج کر کے سو سکتی ہیں''۔ وہ یہ کہہ کر روم سے نکل گیا، وہ اس کے روم سے نکلتے ہی بے دم سی ہو کر زمین پر ڈھ گئی اور سر گھٹنوں پر رکھ کر آنسو برساتی رہی۔

''بس ایک اسی بات کی کسر رہ گئی تھی آج وہ بھی پوری ہو گئی''۔ وہ مرے مرے قدموں سے چلتا لاؤنج میں آ گیا۔

''شاید کچھ لوگوں کے حصے میں اللہ صرف اور صرف محرومیاں ہی لکھتا ہے، اور شاید میرا شمار بھی ان ہی بدنصیب لوگوں میں ہوتا ہے، میرا وجود صرف اذیتیں برداشت کرنے کے لیے بنایا گیا ہے، میرے حصے میں کسی کی توجہ کسی کا پیار کسی کا ساتھ نہیں لکھا، میں تمام عمر محبتوں کو ترستا رہوں گا اور ایک دن اپنی تمام تر محرومیوں کو سمیٹ کر منوں مٹی تلے دفن ہو جاؤں گا''۔ وہ صوفے پر گر سا گیا، وہ اس لمحے خود اذیتی کی کیفیت میں مسلسل اپنی محرومیوں کو سوچتے ہوئے اس کی آنکھیں سرخ ہوتی جا رہی تھیں، اس نے اپنے سیاہ بالوں کو مٹھی میں لے کر بے دردی سے کھینچا تھا، اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اپنی ہستی کو فنا کر ڈالے اپنے وجود کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے، اس لمحے اسے اپنا وجود بے حد غیر اہم بے کار محسوس ہو رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

اگلے دن ولیمہ Reception تھا، رات کے بعد اس نے اپنے کمرے کا رخ نہیں کیا تھا، اصلاح ڈرائیور کے ہمراہ پارلر جا چکی تھی، اصفہان صاحب نے اسے اصلاح کے ساتھ بھیجنے کی بہت کوشش کی تھی، مگر اس نے اس کے ساتھ جانے سے صاف منع کر دیا تھا، ہال میں پہنچ کر بھی وہ دونوں ایک دوسرے سے یکسر انجان بنے بیٹھے تھے، اوصاف واثق نے اس کی طرف ایک نگاہ غلط بھی نہ ڈالی تھی، کئی گھنٹوں کے صبر آزما انتظار کے بعد پروگرام اختتام پذیر ہوا تھا، وہ اپنے روم میں جانے کے بجائے اسٹڈی کا رخ کر چکا تھا، صبح اٹھ کر وہ اصفہان صاحب کو اپنی واپسی کی اطلاع دینے چلا آیا تھا۔

''تم اتنی جلدی کیوں جا رہے ہو؟'' اصفہان صاحب کو تشویش ہوئی۔

''ابھی پچھلے دنوں ہی تو چھٹیوں پر آیا تھا، اتنی جلدی دو دن کی چھٹی ہی مل سکتی تھی''۔ اس نے جواب دیا۔

''اچھا تو پھر اپنے ساتھ اصلاح کو بھی لے جاؤ''۔

''مگر.....؟''

"اگر مگر کچھ نہیں، اصلاح تمہاری ذمے داری ہے اور اپنی ذمے داری اٹھانا تمہارا فرض ہے"۔ انہوں نے درشتگی سے کہا تھا، وہ کل سے اوصاف کا اصلاح کے ساتھ سرد رویہ دیکھ رہے تھے، اوصاف کا لاپرواہ انداز انہیں غصہ دلا گیا تھا۔

"او کے!" وہ یہ کہتا ہوا روم سے نکل گیا۔

"محترمہ! اپنا تمام ضروری سامان پیک کرلیں، شام کی فلائٹ سے ہمیں لاہور جانا ہے"۔ اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی بیڈ پر بیٹھی اصلاح سے کہا تھا، وہ کسی میگزین کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔

"کیوں؟" میگزین سے نظریں ہٹا کے اس پر نظریں مذکور کرتے وہ تلخی سے استفسار کررہی تھی۔

"اس لیے کہ میں لاہور میں رہتا ہوں اور آپ کو دادا جی نے ساتھ لے جانے کو کہا ہے"۔ اس نے بھی جواباً تلخی سے کہا۔

"آپ لاہور میں جاب کرتے ہیں؟" وہ حیران تھی۔

"نہیں جاب نہیں کرتا ہوں"۔ اس نے کہا۔

"تو کیا پھر ڈاکے ڈالتے ہیں؟ جس طرح کسی اور کے حق پر ڈاکہ ڈالا ہے اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے"۔ اس نے بے حد نفرت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"زیادہ لیکچر دینے کی ضرورت نہیں، اپنا سامان پیک کرلینا وقت کا بے حد پابند ہوں، ایک منٹ کی بھی تاخیر برداشت نہیں کرتا"۔ وہ یہ کہہ کر روم سے نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

"دلہن بیٹی! ناشتہ کرلیں"۔ ادھیڑ عمر خاتون ہاتھ میں لوازمات کی ٹرے تھامے روم میں داخل ہوتے گویا تھیں۔

"جی! آپ رکھ دیں میں کرلوں گی"۔ وارڈ روب سے کپڑے نکال کر بیڈ پر رکھتے ہوئے وہ لاپرواہی سے کہنے لگی۔

"دلہن بیٹی! میں آپ کی کچھ مدد کروادوں؟" وہ اسے اشتیاق سے دیکھتے گویا تھیں۔

"نہیں میں کرلوں گی"۔ مسکرا کر اس نے جواب دیا تھا۔

"آپ مجھے بتادیں کون کون سی چیزیں پیک کرنی ہیں؟" انہوں نے آگے بڑھ کر ہینگ کیے کپڑوں کو سوٹ کیس میں ڈالنا شروع کیا۔

"آپ بے فکر ہو کر ناشتہ کریں، میں آپ کا سارا سامان پیک کردوں گی، اوصاف بابا کا سارا سامان میں ہی پیک کرتی ہوں"۔ وہ خاصی باتونی خاتون تھیں، چائے کا مگ لبوں سے لگائے وہ بے دلی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"بڑے صاحب تو چاہتے تھے کہ اوصاف بابا یہاں رہ کر بزنس سنبھالیں، مگر وہ پاک فضائیہ میں بھرتی ہوگئے، وہ 7 سال سے پاک فضائیہ میں خدمات انجام دے رہے ہیں"۔ وہ مزید گویا تھیں۔

"پاک فضائیہ میں خدمات انجام دیتے ہیں؟" اس نے زیر لب کہا تھا، اسے اپنے وطن سے بے حد محبت تھی اور ساتھ ہی پاک آرمی، پاک فضائیہ اور پاک بحریہ کے جوانوں کے لیے بھی اس کے دل میں بے حد عقیدت اور محبت تھی، مگر پاک فضائیہ کے معاملے میں وہ کچھ زیادہ ہی جنونی تھی، اگر کبھی کسی طیارے کی غراہٹ اس کی سماعتوں سے ٹکراتی تو وہ بھاگتی ہوئی لان میں آتی تھی اور طیارے کو شان سے فضا میں اڑتے دیکھ کر وہ اس طیارے پر نظر جمائے سلیوٹ کیا کرتی تھی۔

"بی جان! آپ نے میرا سامان پیک کرنا ہے آپ کو یاد ہے ناں؟" وہ دھڑلے سے اپنے روم میں گھسا تھا اور قدرے بے تکلفی سے ملازمہ سے مخاطب تھا، جب اس کی نظر اسکائی بلیو ڈریس میں ملبوس اصلاح یزدان پر پڑی جو ریڈ لپ لبوں سے لگائے بالکل اس کمرے کا حصہ لگ رہی تھی۔

اس پل اصلاح اسے ایک موہی مجسمہ لگی تھی جسے اس خوبصورت کمرے کی آرائش کے لیے اسپیشلی تیار کروایا گیا ہو، اس نے بمشکل اس پر سے نظریں ہٹا کر بی جان کی طرف دیکھا تھا، جو اسے اصلاح کی طرف دیکھتا پا کر مسکرا رہی تھیں۔

"جی بابا! مجھے یاد ہے آج سے پہلے میں آپ کا کوئی کام بھولی ہوں؟" وہ مسکراتے ہوئے گویا تھیں ان کے سوال پر اس نے بھی جواباً مسکرا کر نفی میں سر ہلایا تھا۔

"او کے بی جان! پیکنگ کے بعد میرے لیے نوڈلز بنا دیجیے گا، میس میں آپ کے ہاتھ کے بنے نوڈلز نہیں ملتے"۔ اس نے معصومیت سے کہا۔

"میں بنادوں گی بابا! اور اب تو آپ کوارٹر میں رہیں گے، میس سے آپ کی جان چھوٹ جائے گی"۔ وہ خوشدلی سے گویا تھیں۔

"جی بی جان!" وہ کہہ کر روم سے نکل گیا۔

"اوصاف بابا کو نوڈلز بچپن سے بہت پسند ہیں، اب بھی ہر چھٹیوں میں آتے ہیں تو مجھ سے فرمائش کرتے ہیں اب آپ ان کی فرمائشیں پوری کیجیے گا، اوصاف بابا کو سبزیوں میں آلو اور مٹر بہت پسند ہیں، بھنڈی اور ٹنڈوں سے تو ان کی جان جاتی ہے"۔ وہ مسکرا کر اوصاف کی پسند ناپسند اسے بتا رہی تھیں اور وہ مسکراتے ہوئے بے حد دھیان سے اس کی "ناپسندیدہ" چیزوں کے بارے میں سن رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ تمام سامان گاڑی میں ڈالتے بلیک ٹویوٹا کرولا سے پشت لگائے بلیک جینز cool blue کلر کی شرٹ میں بے حد خوبرو لگ رہا تھا، ریسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر بیزاری تھی وہ کوفت سے ہال کی طرف دیکھ رہا تھا جب سر پر دوپٹہ جمائے پیچ کاٹن کے سوٹ میں ملبوس وہ آہستگی سے چلی آرہی تھی، اس کے پیچھے اصفہان صاحب، فضلو کاکا، بی جان کے ساتھ دیگر ملازم بھی تھے، وہ اسے نظر انداز کرتی گاڑی کا دروازہ وا کر کے بیٹھ گئی تھی وہ بھی گاڑی میں بیٹھ گیا تھا، اصفہان صاحب ونڈو سے اندر جھانکتے ہوئے انہیں ڈھیر ساری ہدایات دے رہے تھے، ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کردی، تو وہ سب کو ہاتھ ہلا کر اللہ حافظ کہنے لگا، ڈرائیور ان دونوں کو ایئرپورٹ چھوڑ کر جاچکا تھا، پلین کی سیٹ سے سر ٹکائے اصلاح نے آنکھیں موندلیں، اوصاف نے رخ موڑ کر اسے دیکھا تھا، کالی بھنورا آنکھیں گھنی پلکوں کی جھالروں سے ڈھکی تھیں، ستواں ناک کی سفید ڈائمنڈ کی نوزپن کی چمک سے اس کے دل کے جہاں میں ہلچل سی مچ گئی، گلابی لب سختی سے بھنچے تھے، اس کا چہرہ تمام لوازمات سے پاک تھا، اس کا حسن بناء کسی آرائش کے بھی مقابل کو مبہوت کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا، اصلاح کو اپنے چہرے پر نظروں کی تپش محسوس ہوئی تھی، جب ہی اس نے آنکھیں کھول دیں اسے اپنی اور محویت سے دیکھتا پا کر وہ کنفیوژ ہوئی تھی، وہ رخ موڑ کر ونڈو سے نیچے دیکھنے لگی، جہاں بڑی بڑی سڑکیں بے حد چھوٹی ہوتی جارہی تھیں، سمندر کسی چھوٹی نالیوں جیسا دکھائی دے رہا تھا، اوصاف نے دوبارہ اس کی طرف نہیں دیکھا تھا، دوران

سفر دونوں خاموش تھے، لاہور ایئرپورٹ پہنچ کر انہوں نے ٹیکسی لی، آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد ٹیکسی رکی تھی، اوصاف ٹیکسی سے اتر کر سامان نکالنے لگا، ٹیکسی کا کرایہ دے کر وہ چلنے لگا وہ اس کے پیچھے چلنے لگی، زینہ طے کر کے ایک دروازے کو چابی کی مدد سے کھولنے کے بعد اسے اندر آنے کا اشارہ کر کے وہ اندر جا چکا تھا، اس نے اندر قدم رکھا تو ایک کچن اور کچن سے منسلک لاؤنج تھا، جس کے در و دیوار پر بے بی پنک پینٹ کیا گیا تھا جبکہ دیوار پر لگے پردے شاکنگ پنک کلر کے تھے، فرش پر شاکنگ پنک کارپٹ بچھی تھی، جبکہ صوفہ سیٹ بے بی پنک کلر کا تھا، ایک کارنر پر ٹی وی بھی رکھا ہوا تھا، لائٹ اور ڈارک شیڈ سے مزین یہ چھوٹا سا لاؤنج اسے بے حد بھایا تھا ٹیوب لائٹس کی دودھیا روشنی میں لاؤنج بہت روشن لگ رہا تھا، وہ وہیں صوفے پر ٹک گئی، جبکہ اوصاف کمرے میں جا چکا تھا۔

''چائے پیو گی یا کولڈ ڈرنک، جلدی بتاؤ، میں کینٹین جا رہا ہوں''۔ 10 منٹ بعد وہ واش روم سے برآمد ہوا شاور لینے کے بعد وہ بے حد فریش لگ رہا تھا، اصلاح نے بغور اس کا جائزہ لیا، وائٹ ٹی شرٹ اور بلیو جینز میں وہ بلا کا ہینڈسم لگ رہا تھا، یقیناً وہ مردانہ وجاہت کا شاہکار تھا، بڑی بڑی آنکھیں اصلاح کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں، ماتھے پر بل ڈالے لب بھینچے وہ جواب کا منتظر تھا۔

''میں خود چائے بنالوں گی''۔ اس نے ناگواری سے جواب دیا۔

''میں چائے ہی لے آتا ہوں''۔ وہ اس کی بات کو ان سنی کیے آگے بڑھ گیا۔

''ڈور لاک کر لو میں جا رہا ہوں''۔ وہ کہہ کر چلا گیا ڈور لاک کرنے کے بعد فریش ہونے کی غرض سے وہ روم میں آ گئی، پنک کلر کی دیواروں پر Flame اورنج پردے لہرا رہے تھے Flame اورنج کارپٹ فرش پر بچھی تھی، کمرے کے وسط میں پنک کلر کے آئرن کا بیڈ تھا، بیڈ کے پیچھے دیوار پر اس کی فل سائز فریم میں یونیفارم میں مسکراتی تصویر آویزاں تھی، بیڈ کے عین سامنے ڈریسنگ ٹیبل تھی اور اس سے ذرا فاصلے پر واش روم تھا، دائیں جانب آئرن اسٹینڈ تھا جبکہ بائیں طرف وارڈ روب تھا، وارڈ روب کے برابر ایک دروازہ تھا جو بالکنی میں کھلتا تھا، کمرہ بے حد صاف ستھرا تھا اس روم کا کلر کمبینیشن اسے بے حد اچھا لگا تھا، شاور لینے کے بجائے اس نے ہاتھ منہ دھونے پر اکتفا کیا تھا۔

''چائے!'' وہ دوپٹے سے اپنا چہرہ خشک کر رہی تھی جب ٹرے میں چائے لے کر وہ کمرے میں داخل ہوا، پانی کے قطرے اس کے چہرے سے ٹپک رہے تھے پنک ڈریس میں وہ اسے ایک بار پھر اسی ماحول کا حصہ لگ رہی تھی، اس نے اس کے چہرے سے نظریں چرالیں اور ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اپنا مگ اٹھا کر وہ لاؤنج میں چلا گیا، ٹرے میں پڑے لوازمات کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ مگ لبوں سے لگائے آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنے لگی مگ خالی کر چکنے کے بعد وہ مگ لے کر کچن میں چلی آئی، اوصاف صوفے پر نیم دراز ٹی وی پر نیوز چینل دیکھ رہا تھا، اس نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے کبرڈ کھول کر دیکھنا شروع کیا، کچن میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔

''میں ڈنر ''میس'' میں کروں گا'' مگ شیلف پر رکھتے گویا تھا۔

''تو کیا میں یہاں بھوکی مرتی رہوں؟'' وہ تپ گئی۔

''میں تمہارے لیے میس سے ہی کھانا لے آؤں گا''۔ اس نے نرمی سے کہا۔

''آپ جا کر میس سے کھا آئیں، میرے لیے خرچے نہ کریں''۔ پیاز ہاتھ میں لیے وہ گویا تھی۔

''میس میں لنچ ڈنر پے منٹ سے ملتا ہے آفیسرز کا کھانا فری نہیں ہوتا''۔ اس نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''میں ڈنر تیار کر رہی ہوں۔ آپ کی مرضی ہے چاہیں تو میس سے کھا آئیں''۔ وہ کٹنگ بورڈ پر شیف نائف سے پیاز کاٹتے گویا تھی۔

''او کے جب تم ڈنر بنا رہی ہو تو میں میس نہیں جاتا''۔ وہ کہتا ہوا کچن سے نکل گیا جبکہ وہ مسکرانے لگی۔

☆.....☆.....☆

''کھانا تیار ہے آ جائیں''۔ وہ میز پر تمام لوازمات سجا چکی تھی، کچن سے ہی آواز لگا کر اس نے اوصاف کو بلایا تھا، اوصاف کو اس کے بدلے انداز پر حیرت اور خوشی ہوئی تھی، وہ صوفے پر براجمان ہو گیا تھا جب وہ گرم گرم روٹیوں سے مزین پلیٹ کے ہمراہ اس کے سامنے براجمان تھی، اس نے سالن کی پیالی سے ڈھکن ہٹایا تو بھنڈی کی سبزی دیکھ کر مسکرانے لگا، دوسرے ڈونگے کے ڈھکن الٹنے پر ٹنڈے دیکھ کر اس کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی، اصلاح اسے مسکراتا دیکھ کر حیرت زدہ تھی اس نے خاص اسے تنگ کرنے کے لیے فضلو کاکا سے بھنڈی اور ٹنڈے منگوائے تھے، اسے زچ کرنے کی غرض سے ہی اس نے تھکن کے باوجود اتنی محنت کی تھی، مگر وہ مسلسل مسکرائے جا رہا تھا اور بڑی رغبت سے نوالہ بنا کر ٹنڈے اور بھنڈی کی سبزی کے ساتھ انصاف کر رہا تھا، وہ اسے زچ کرنے کے چکر میں خود بری طرح پزل ہو چکی تھی وہ برتن سمیٹ کر روم میں آ گئی۔

''میں بیڈ پر سوتی ہوں''۔ وہ سوٹ کیس کھولے کپڑے نکال کر وارڈ روب میں رکھتے ہوئے گویا تھی، بیڈ پر دراز اوصاف نے اسے دیکھا تھا۔

''اچھا؟'' اوصاف نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

''اچھا سننے کے لیے میں نے آپ کو یہ نہیں بتایا، جائیں جا کر صوفے پر سوئیں میں صوفے پر سونے کی عادی نہیں''۔ اس نے تپ کر کہا۔

''تو زمین پر سو جاؤ، یہ تکیہ پکڑو اور جاؤ چلو شاباش!'' وہ تکیہ اس کی طرف اچھال کر کہنے لگا، وہ اسے غضب ناک نظروں سے دیکھتی سوٹ کیس بند کرنے لگی اور بیڈ پر لگے سائیڈ ٹیبل کو کھسکا کے وارڈ روب تک لے آئی سوٹ کیس کو اٹھائے وہ ٹیبل پر چڑھی تا کہ سوٹ کیس وارڈ روب کے اوپر رکھ دے، مگر سوٹ کیس کے وزن کی وجہ سے وہ توازن برقرار نہ رکھ سکی اور ٹیبل سے سوٹ کیس سمیت زمین پر گر گئی، اس کا وجود سوٹ کیس کے نیچے تھا، جبکہ ہاتھ اور پیروں میں چوٹ لگنے کی وجہ سے وہ ہلنے کی بھی پوزیشن میں نہ تھی، وہ موٹے موٹے آنسو بہاتے اوصاف کو دیکھ رہی تھی، جو آرام سے بیڈ پر دراز تھا، اس کے گرنے پر بھی اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہ آیا تھا، درد کی شدت سے اسے رونا آنے لگا، اپنی بے بسی پر اسے بے طرح غصہ آ رہا تھا وہ ہلنے سے بھی قاصر تھی۔

''محترمہ اصلاح یزدان صاحبہ! میں آپ کے نزدیک آنے لگا ہوں، کیا اب بھی آپ کو میرے نزدیک آنے پر اعتراض ہے؟'' وہ بیڈ سے اٹھتے گویا تھا، وہ بناء کچھ کہے آنسو بہاتی رہی، وہ سوٹ کیس اس کے اوپر سے ہٹانے کے بعد وارڈ روب کے اوپر رکھ رہا تھا، اس سے پہلے سوٹ کیس کو اٹھا کر ٹھکانے لگاتا دیکھ کر اصلاح کو بے حد غصہ آیا تھا، سوٹ کیس کے بعد اصلاح کی باری تھی، وہ اسے کاندھے سے پکڑ کر اٹھا چکا تھا، روئیل اوپن کی بے حد قریب سے آتی خوشبو نے

اصلاح یزدان کو بے خود کر دیا، وہ اسے سہارا دے کر لاؤنج میں لے آیا، وہ ہکا بکا اسے دیکھ رہی تھی وہ سوچ رہی تھی کہ اس کی چوٹ کو دیکھ کر وہ اسے بیڈ پر سونے دے گا مگر یہ اس کی خام خیالی نکلی وہ اسے لاؤنج میں بٹھا کر تکیہ صوفے پر پھینک کر دروازہ بند کر چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

صبح اس کی آنکھ کھلی تو وہ بمشکل اٹھ کر کھڑی ہوئی تھی، میز پر پڑی ٹرے کو اس نے بغور دیکھا تھا، گھڑی صبح کے 9 بجا رہی تھی، وہ چل کر میز تک آئی، ٹرے پر پڑے ناشتے کے ساتھ پین کلر (Pain Killer) بھی پڑی تھی، اس نے کمرے میں جھانک کر دیکھا کمرہ خالی تھا، وہ فریش ہو کر چائے کا پانی چولہے پر چڑھا چکی تھی، بریڈ بٹر کا ناشتہ کرنے کے بعد Pain Killer لی، چائے پیتے ہوئے اس نے ٹی وی آن کیا، جب اس کا سیل بج اٹھا، Unknwon نمبر دیکھ کر اس نے کال اٹینڈ نہ کی۔

''اصلاح! پک اپ دا فون''۔ اس نمبر سے Text موصول ہوا تھا اسے تشویش ہوئی۔

''پتہ نہیں یہ کون ہے جسے میرا نام بھی پتہ ہے''۔ وہ سوچ رہی تھی اسکرین پر ایک بار پھر وہ نمبر جگمگانے لگا، اس نے ریموٹ اٹھا کر Mute کا بٹن دبایا اور کال اٹینڈ کر لی۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام! کیسی طبیعت ہے اب تمہاری؟'' سلام کرتے ہی اوصاف واثق کی مسکراتی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

''آپ کو میرا نمبر کہاں سے ملا؟'' اس نے پوچھنا ضروری سمجھا۔

''یہ سوال تو لڑکیاں سڑک چھاپ عاشق سے کرتی ہیں، شوہر سے ایسے سوال نہیں پوچھے جاتے''۔ اس کا موڈ بہت خوشگوار تھا۔

''میں Early Morning آفس کے لیے نکل گیا تھا، تم زخمی حالت میں کچن تک کیسے جاتیں، اس خیال کے تحت تمہارا ناشتہ بھی میز پر رکھ گیا''۔ وہ گویا تھا۔

''میں ایک معمولی ٹیبل سے گری تھی کوئی 4 منزلہ عمارت سے نہیں''۔ وہ تپ گئی۔

''پھر بھی عالم تصور میں لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ تمہیں کچن میں جاتا دیکھ کر مجھے اچھا نہیں لگا تھا''۔ وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا جیسے وہ واقعی اسے لڑکھڑاتے قدموں سے کچن میں جاتا دیکھ رہا ہو۔

''میرے لیے زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں''۔ اس نے تڑخ کر کہا۔

''فکرمند تو میں ہوں بھی نہیں، مگر کیا کیا جائے کہ میرے سینے میں ایک دردمند دل ہے''۔ اس نے شرارت سے کہا۔

''ہاں وہ تو مجھے پتہ ہے، کل رات آپ ثابت کر چکے ہیں کہ آپ کے سینے میں واقعی دردمند دل ہے''۔ انداز طنزیہ تھا وہ قہقہہ لگا کر ہنس رہا تھا۔

''آپ میری زیادہ فکر نہ کریں''۔ وہ ناگواری سے کہہ رہی تھی۔

''میں نے تو انسانیت کے ناتے تمہارے لیے ناشتہ تیار کر دیا تھا، تم زیادہ خوش فہم نہ ہو جانا''۔ وہ بھی اسے غصہ دلانے

سے بعض نہ آیا۔

''میں خوش فہم نہیں ہو رہی''۔ غصے سے اس کا برا حال تھا۔

''ہونا بھی نہیں چاہیے، سنو! ڈنر نہ بنانا میں میس سے لے آؤں گا، لنگڑا کر چلتے ہوئے تم کچن تک کیسے جاؤ گی؟'' اس نے شرارت سے کہا۔

''میں کوئی لنگڑا کر نہیں چل رہی''۔ اس نے فوراً کہا۔

''تو پھر رات تم ڈرامہ کر رہی تھیں؟'' لہجہ شوخی لیے ہوئے تھا۔

''جی نہیں رات واقعی تکلیف ہو رہی تھی''۔ اس نے اس کی غلط فہمی دور کی۔

''اب تو ٹھیک ہو نا؟'' سنجیدگی سے سوال کیا گیا۔

''جی!'' اس نے بھی جواب دیا۔

''او کے تم ریسٹ کرو، گھر آ کر بات ہوگی''۔ اس نے دوستانہ انداز میں کہہ کر کال کاٹ دی جبکہ وہ سر جھٹک کر ٹی وی اسکرین پر نظریں مرکوز کر چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

''السلام علیکم!'' وہ روم میں آئرن اسٹینڈ کے آگے کھڑی کپڑے استری کر رہی تھی جب اوصاف روم میں داخل ہوا، یونیفارم میں وہ بے حد پیارا لگ رہا تھا، سلام کرنے کے بعد وہ اس تک آیا، ہاتھوں میں ڈھیر سارے شاپرز تھے۔

''آج میری کون سی پسندیدہ ڈش بنائی ہے؟'' انداز چھیڑنے والا تھا۔

''یہ لو کچھ ضروری سامان ہے، بیف، چکن، فش کے ساتھ فریش بھنڈی اور ٹنڈے بھی ہیں، ان بھنڈی اور ٹنڈوں میں وہ ٹیسٹ نہیں تھا جو تم اپنے بیگ میں بھر کے لائی تھیں''۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے مسلسل مسکرا رہا تھا، اصلاح کے چہرے پر ناگوار تاثرات واضح تھے، بلیو کلر کے کپڑوں میں وہ پیاری لگ رہی تھی، وہ شاپر اٹھا کر کچن میں آ گئی تمام چیزوں کو فریزر میں سلیقے سے رکھنے کے بعد وہ میز لگا رہی تھی، اوصاف فریش ہو کر لاؤنج میں آ گیا، وہ صوفے پر براجمان تھی ریموٹ اٹھا کر وہ چینل بدل چکا تھا، اور نیوز چینل لگا کر ریموٹ اپنے قبضے میں لے کر بیٹھ گیا، وہ غضب ناک نظروں سے اسے دیکھتی رہی مگر وہ میز پر رکھے یخنی پلاؤ، کوفتوں کے سالن اور رائتہ سلاد کو دیکھ کر مسکراتا رہا، ڈنر سے فری ہو کر وہ برتن سمیٹ کر کچن میں لگے سنک کے پاس کھڑی برتن دھونے لگی، اوصاف صوفے پر نیم دراز تھا۔

''لگتا ہے اس میں دادا جی کی روح گھسی ہے ہر وقت نیوز چینل''۔ وہ بڑبڑا رہی تھی، شیلف پہ گ رکھتے اوصاف نے اس کی بڑبڑاہٹ سنی تھی۔

''تمہیں جو دیکھنا ہے دیکھ لو میں تو چلا سونے''۔ وہ ریموٹ اس کے سامنے رکھ کر کہتا ہوا روم میں جا کر روم لاک کر چکا تھا، وہ بھی لائٹ آف کر کے لیٹ چکی تھی مگر دوپہر کو دیکھی ڈراؤنی فلم کی وجہ سے اسے بہت ڈر لگ رہا تھا، وہ آیۃ الکرسی کا ورد کر رہی تھی جب ہی بہت سارے کتوں کی ایک ساتھ بھونکنے کی آواز آئی، اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، وہ بے اختیار اٹھ کر اوصاف کا دروازہ بجانے لگی، کچھ ہی لمحے بعد وہ دروازہ وا کر کے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''باہر کتے بھونک رہے ہیں''۔ اس نے بتایا۔

''یہی بتانے کے لیے تم نے مجھے جگایا تھا؟'' وہ نیند سے بوجھل سرخ آنکھیں اس پر گاڑے گھمبیر آواز میں اسے کہہ رہا تھا۔

''مجھے ڈر لگ رہا ہے''۔ اس نے بے چارگی سے اسے دیکھا۔

''میرے پاس ڈر نہ لگنے کی کوئی دوا نہیں، اگر ہوتی تو تمہیں دے دیتا''۔ وہ کہہ کر دروازہ بند کرنے لگا۔

''رکیے....!'' اس نے جلدی سے اسے روکا۔

''میں اس روم میں سو جاؤں؟'' اس نے اجازت طلب نظروں سے اسے دیکھا، وہ دروازہ کھلا چھوڑ کر فوراً بیڈ پر چلا گیا کہ مبادا وہ بیڈ پر قبضہ نہ کرے۔

''کتنا منحوس انسان ہے''۔ وہ کھولتے دماغ کے ساتھ اپنا تکیہ لیے روم میں آ گئی تھی، کچھ دیر بعد ہی وہ دوبارہ نیند میں جا چکا تھا، اسے پھر بھی ڈر لگ رہا تھا جب ہی وہ اپنا تکیہ اٹھائے بیڈ کے بائیں طرف جہاں اوصاف بے خبر سو رہا تھا بیڈ کے بالکل ساتھ زمین پر وہ اپنا تکیہ رکھ کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

☆.....☆.....☆

''محترمہ! اٹھیں مجھے جانے کا راستہ دیں اگر اسٹیکر بن گئیں تو پھر مجھے دوش نہ دینا''۔ وہ بیڈ پر بیٹھا اسے آوازیں دے کر جگا رہا تھا، وہ بالکل بیڈ کے ساتھ تکیہ لگائے سو رہی تھی۔

''ہوں....!'' اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔

''اٹھیے! مجھے راستہ دیجیے''۔ اس کے کہنے پر وہ اٹھ بیٹھی، وہ بیڈ سے اتر آیا۔

''آپ دوسری طرف سے نہیں اتر سکتے تھے؟ میری نیند خراب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' اس نے اسے گھورتے ہوئے غصے سے کہا۔

''میں یہیں سے اترتا ہوں''۔ یہ کہتا ہوا وہ واش روم میں گھس گیا، گھڑی صبح کے چھ بجا رہی تھی وہ خالی بیڈ دیکھ کر بیڈ پر دراز ہو چکی تھی، بیڈ پر اتنے دنوں بعد لیٹ کر اسے بے حد خوشی ہو رہی تھی۔

''میری غیر موجودگی میں آپ اسے اپنا سمجھ سکتی ہیں''۔ وہ ہنس رہا تھا، وہ غصے سے اسے دیکھ کر کروٹ بدل گئی۔

''سنو! تمہارے لیے ناشتہ بنا دوں؟'' وہ دوستانہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں ابھی میں سوؤں گی''۔ وہ کہہ کر بلینکٹ سر تک تان چکی تھی مگر بلینکٹ سے آتی روئیل اوپن کی مسحور کن مہک نے اس کی نیندیں اڑا دی تھیں۔

☆.....☆.....☆

''اصلاح! مروہ کی کال ہے''۔ وہ روٹیوں کے لیے آٹا گوندھ رہی تھی جب اوصاف کچن میں سیل فون لیے داخل ہوا۔

''آپ ان سے کہیں میں تھوڑی دیر بعد بات کرتی ہوں ابھی مصروف ہوں''۔ اس نے کہا۔

''پہلے ہی غصے میں ہے''۔ اس نے اطلاع دی۔

''اف....اوکے آپ لاؤڈ اسپیکر آن کر دیں''۔ وہ پیڑھے بناتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''ہیلو....!''

''ہیلو کی بچی، تم ہوتی کہاں ہو آج کل؟'' اس کے ہیلو کہتے ہی لاؤڈ اسپیکر سے نکلتی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''لاہور میں''۔ اس نے سادگی سے جواب دیا۔

''اچھا مجھے لگا تھا اوصاف کی بانہوں میں ہوتی ہو، جب ہی فرصت نہیں ملتی''۔ مروہ نے شرارت سے کہا۔ جبکہ پیڑھے بناتے اس کے ہاتھ ساکت رہ گئے، چہرہ سرخ ہو گیا تھا، شیلف پر کہنی ٹکائے سیل فون ہاتھ میں تھامے وہ اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

''تمہارا نمبر کیوں بند جا رہا ہے؟'' مروہ نے استفسار کیا۔

''بند تو نہیں ہے شاید بیٹری لو ہونے کی وجہ سے آف ہو گیا ہو''۔ اس نے اندازہ لگایا۔

''اوہ....تو محترمہ کو اپنا سیل چارج کرنے کی بھی فرصت نہیں''۔ وہ معنی خیز انداز میں کہہ رہی تھی۔

''میں نے سن رکھا ہے سپاہی بڑے ہی رومینٹک ہوتے ہیں، یہ بات کتنے فیصد درست ہے یہ تو بتاؤ؟'' مروہ ایک بار پھر پٹڑی سے اتری تھی۔

''آپ کیسی ہیں اور اریشہ؟ صفا آپی کے کیا حال ہیں؟'' وہ اس کے سوال کو نظر انداز کرتے گویا تھی۔

''اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ہم دونوں خالہ بن چکی ہیں، ہمارا بھانجا اوزان بے حد پیارا ہے''۔ مروہ نے بتایا۔

''اوہ.....ر ئیلی....آپی کیسی ہیں اور اس وقت کہاں ہیں؟ مجھے ان سے بات کرنی ہے اور اوزان کو میری طرف سے ڈھیر سارا پیار کیجیے گا، میں انشاء اللہ جلد کراچی آؤں گی آپی سے ملنے''۔ وہ بے حد خوش تھی۔

''ہاں ٹھیک ہے تم آ کر مل لینا اور صفا ابھی سو رہی ہے، ہم ابھی ہاسپٹل میں ہیں تھوڑی دیر میں ڈسچارج کر دیں گے ڈاکٹرز سے بات ہو چکی ہے''۔ وہ باری باری اس کے تمام سوالوں کا جواب دے رہی تھیں۔

''اوکے جب وہ جاگ جائیں تو مجھے بتا دیجیے گا میں انہیں کال کر لوں گی''۔ وہ اسے کہہ رہی تھی۔

''وہ تو میں تمہیں بتا دوں گی پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم ہمیں خالہ کب بنا رہی ہو؟''

''آپی پلیز!'' اس نے زچ ہو کر کہا تھا، جبکہ مروہ قہقہہ لگا رہی تھی، اوصاف لب دانتوں تلے دبائے یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا، اصلاح اس وقت کو کوس رہی تھی جب اس نے اوصاف کو لاؤڈ اسپیکر آن کرنے کو کہا تھا، ڈنر کے دوران بھی وہ اسے مسکراتی نظروں سے دیکھ رہا تھا، جبکہ اصلاح نظریں چراتی رہی۔

☆.....☆.....☆

''سنو! میں سونے جا رہا ہوں آدھی رات کو ڈر لگے تو دروازہ بجا کر مجھے تنگ نہیں کرنا''۔ وہ کہہ کر اسے دیکھنے لگا، وہ نل کھولے برتن دھو رہی تھی، اس کے کہنے پر اسے غصے سے دیکھنے لگی۔

''بلکہ دروازہ کھول کر اندر آ جانا میں ڈور لاک نہیں کر رہا''۔ اس نے اپنا جملہ مکمل کیا وہ خاموش رہی۔

''اور بیڈ کے ساتھ لگ کر مت سونا، ورنہ صفا، مروہ اپنے دل میں خالہ بننے کی حسرت لیے رہیں گی اور تم یہاں اسٹیکر بن چکی ہو گی''۔

''آپ زیادہ فری ہونے کی کوشش نہ کریں اور مجھ سے زیادہ بے تکلف ہونے کی ضرورت نہیں''۔ وہ پلیٹ سنک میں

پنچ کر گویا تھی۔

''ایک تو تم سیریس بہت جلدی ہو جاتی ہو، اتنا کو نیک ایکشن تو ہماری آرمی بھی نہیں لیتی''۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے شرارت سے کہہ رہا تھا، اس کی نظروں میں جانے ایسا کیا تھا جو وہ نظر جھکا گئی۔

''تم بیڈ پر سو جانا میں زمین پر سو جاؤں گا، یہ فیصلہ میں نے دل پر پتھر رکھ کر کیا ہے، کیونکہ میں تمہیں اسٹیکر بنتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا''۔ وہ ہنوز شرارت سے گویا تھا وہ بھنچے لب کے ساتھ کچن سمیٹتی رہی۔ جب روم میں آئی تو وہ واقعی زمین پر آڑا ترچھا لیٹا تھا، وہ بیڈ پر دراز ہو گئی، بلینکٹ سے آتی روئیل اوپن کی خوشبو نے ایک بار پھر اس کے دل کی دھڑکنوں کو منتشر کر دیا تھا، پتہ نہیں کیوں وہ چاہ کر بھی اوصاف سے نفرت نہیں کر پا رہی تھی، اسے مروہ کی بات یاد آئی تو دل عجیب لے پر دھڑکنے لگا، وہ اپنی بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے بے چینی سے کروٹ بدلتی رہی اسے ایک لمحے کو بھی نیند نہ آئی، فجر کی اذان ہوئی تو وہ نماز پڑھنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی، نماز پڑھ کر وہ کچن میں آ گئی آٹا گوندھ کر وہ پراٹھا بنانے لگی۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' وہ کچن میں چلا آیا۔

''ناشتہ بنا رہی ہوں''۔ اس نے جواب دیا۔

''رات بھوک کی وجہ سے نیند نہیں آئی ناں؟'' اس نے پانی گلاس میں انڈیلتے اس کی آنکھوں کو دیکھا جو رت جگے کی داستان سنا رہی تھیں۔

''نہیں مجھے بھوک نہیں لگی تھی''۔ اس نے بتایا۔

''پھر؟'' انداز استعجابیہ تھا۔

''بیڈ پر سونے کی عادت نہیں رہی شاید اس وجہ سے''۔ اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا، جانے کیوں وہ ان آنکھوں کو دیکھ نہیں پاتی تھی۔

''ہاہاہا.....!'' اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا، وہ پانی پی کر کچن سے نکل گیا۔

''ناشتہ تو کر لیں''۔ اسے خالی چائے پیتا دیکھ کر کہا تھا۔

''صبح صبح مجھ سے کچھ کھایا نہیں جاتا، صرف چائے پیتا ہوں، تم نے اتنی محنت کی ہے تو تھوڑا سا لے لیتا ہوں''۔ پراٹھے کا چھوٹا سا ٹکڑا توڑ کر اس نے منہ میں رکھا اور چائے کا سپ لیا تھا۔

''تم ناشتہ کر لو پھر زمین پر سو جانا''۔ وہ چائے کا سپ لیتے ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا اس کی بات پر وہ بھی بے ساختہ مسکرائی تھی۔

☆.....☆.....☆

12 بجے اس کی آنکھ کھلی تھی اوصاف واثق کا خیال آتے ہی اس کے لب آپ ہی آپ مسکرانے لگے، اس نے اپنا سیل فون ہاتھوں میں لیا، مگر سیل آف تھا اس نے سیل چارج پر لگا دیا، اور ناشتے کے بعد صفائی سے فارغ ہو کر کپڑے دھونے لگی، وہ سارے کام کر کے صوفے پر گر گئی تھی، سیل فون کی ٹون سنتے ہی وہ سیل فون تک آئی، وہ مسکراتے ہوئے سیل فون چارج سے نکال رہی تھی، سیل فون پر Unknown نمبر دیکھ کر وہ کال اٹینڈ کر چکی تھی۔

''السلام علیکم!'' اس نے مسکرا کر سلام کیا تھا۔

''اصلاح! میری جان! تم کیسی ہو؟'' حدید کی آواز پر اسے کرنٹ لگا اس کے طرز تخاطب سے تو اس کے بدن میں آگ لگ گئی۔

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟'' وہ کسی اور کے نکاح میں تھی خود حدید بھی اب شادی شدہ تھا، اس طرح کی چھچھوری گفتگو تو وہ اس وقت بھی ناپسند کرتی تھی جب وہ اس کی منگیتر تھی، اس کے بارہا منع کرنے پر بھی حدید اکثر اسے اس طرح مخاطب کیا کرتا تھا، جس پر وہ ہمیشہ ناراض ہو جایا کرتی تھی۔

''نہیں، میرا دماغ خراب ہو گیا ہے، جب سے تم مجھے چھوڑ کر گئی ہو میں پاگل ہو گیا ہوں''۔ اس کے لہجے میں بے چارگی تھی۔

''آئندہ مجھے کال مت کرنا''۔ اس نے سختی سے کہا۔

''اصلاح! تم ایسا کیسے کہہ سکتی ہو؟ تم بھول گئیں کہ تم ایک ایسے شخص کے ساتھ رہ رہی ہو جس نے ایک سازش کے تحت تمہیں حاصل کیا، تم یہ سب کیسے بھول سکتی ہو اصلاح؟'' وہ کہہ رہا تھا۔

''میں لائن ڈسکنیکٹ کر رہی ہوں آئندہ مجھے کال کی تو میں دادا جی سے کہہ دوں گی''۔ اس نے اسے ڈرایا۔

''اوہ.....تو اب تم مجھے دھمکی دو گی؟ لگتا ہے تم اوصاف کے ساتھ بہت خوش ہو، کہیں ایسا تو نہیں کہ تم دونوں نے مل کر میرے خلاف سازش کی؟ تم دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ چکر ہو گا جب ہی مجھے راستے سے ہٹانے کے لیے تم دونوں نے چال چلی ہو گی، یوں بھی تمہارا رویہ میرے ساتھ بے حد روڈ ہوتا تھا میرے ایک ذرا سا ہاتھ تھامنے پر تمہارا گناہ اور ثواب پر لیکچر شروع ہو جاتا تھا، کب سے چل رہا تھا یہ گھناؤنا کھیل تم دونوں کے بیچ؟''

''منہ بند رکھو تم، اگر ایک بھی لفظ اپنی زبان سے نکالا تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گی اور دادا جی سے کہہ کر تمہارا وہ حشر کرواؤں گی کہ اپنی شکل بھی نہیں پہچان پاؤ گے، تمہیں کچھ بھی بولنے کے قابل نہیں چھوڑوں گی میں''۔ وہ غصے سے کانپ رہی تھی لائن کاٹ کر اس نے سیل فون اٹھا کر پھینک دیا۔

☆.....☆.....☆

''اصلاح! کھانا لگا دو جلدی، مجھے بے حد بھوک لگی ہے''۔ وہ بیڈ پر بیٹھی تھی جب اوصاف گھر میں داخل ہوا تھا۔

''میں نے کھانا نہیں بنایا''۔ اس نے بیزاری سے کہا۔

''کیوں؟''

''میں آپ کی غلام نہیں ہوں جو آپ کے سارے کام کرتی پھروں''۔ اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے وہ ہتھے سے اکھڑ گئی۔

''اچھا چلو غصہ چھوڑو، میں میس سے لے آؤں گا''۔ وہ نرمی سے کہہ کر روم سے نکل گیا، وہ میس سے کھانا لے آیا تھا، کھانا ٹرے میں سجائے وہ روم میں چلا آیا۔

''چلو کھانا شروع کرو''۔ وہ ٹرے بیڈ پر رکھتے محبت سے کہہ رہا تھا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے اور آپ بار بار مجھ سے مخاطب ہونے کی کوشش مت کیا کریں''۔ وہ سرد مہری سے کہہ رہی تھی،

اس کے سرد رویے کو دیکھ کر اس نے اسے مزید کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا اور ٹرے اٹھا کر کچن میں رکھ آیا، اور فرش پر تکیہ رکھ کر دراز ہو گیا۔

''آپ بیڈ پر سو جائیں مجھ پر احسان کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں''۔ وہ کہہ کر روم سے نکلتے ہوئے زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند کر چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ خاموشی سے اوصاف کو آفس جاتا دیکھ رہی تھی، اوصاف کی سرخ آنکھیں شب بیداری کی چغلی کھا رہی تھیں، وہ چائے پیے بنا ہی آفس جا چکا تھا، وہ لاؤنج میں ہی لیٹی رہی، دن بھر ٹی وی دیکھ کر گزار دیا، کھانا بھی نہیں بنایا اور نہ ہی صفائی کی تھی، اوصاف کھانا لے کر آیا تھا اس کے آگے کھانا رکھ کر وہ اپنے روم میں جا چکا تھا، اصلاح نے خاموشی سے کھانا کھا لیا تھا، اگلی صبح اس کی آنکھ کھلی تو اوصاف کو بیڈ پر سوتا پایا، اسے تشویش ہوئی مگر اس نے اس سے پوچھنا ضروری نہ سمجھا، 12 بجے اوصاف بیڈ سے اٹھا تھا، سر میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں سخت بخار نے اسے بے حال کر دیا تھا، دو دن کی بھوک ہڑتال سے اسے کمزوری محسوس ہو رہی تھی، اس نے چائے بنانے کے بعد بریڈ چائے کا ناشتہ کیا اور میڈیسن لے کر دوبارہ لیٹ گیا، اصلاح خاموشی سے اس کی کارگزاری دیکھتی رہی، شام تک اس کی حالت قدرے بہتر ہو گئی وہ شاور لے کر باہر چلا گیا، کئی گھنٹے بعد اس کی واپسی ہوئی، اس کے ہاتھوں میں شاپرز تھے، وہ شاپرز کچن میں رکھ رہا تھا، ٹی وی دیکھتی اصلاح نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا تھا، وہ اپنے کمرے میں جا چکا تھا روم لاک کرنے کی آواز پر اصلاح نے کمرے کی طرف دیکھا تھا، اسے شدید بھوک لگی تھی دن بھر اس نے کچھ نہیں کھایا تھا، کچن میں رکھے شاپر کو اس نے فریزر میں رکھ دیا تھا اور لائٹ آف کر کے سونے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ اسی طرح کئی ہفتے گزر گئے وہ گھر کے کاموں سے یکسر لاتعلق تھی دونوں نے ایک دوسرے کو مخاطب کرنا چھوڑ دیا تھا، اوصاف صبح آفس جاتا اور آ کر کمرے میں بند ہو جاتا، اصلاح نے اس سے بات کرنے کی یا اپنے رویے کی معافی مانگنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''کل دادا جی آ رہے ہیں، اگر کچھ منگوانا ہے تو مجھے لسٹ بنا کر دے دو''۔ وہ اس تک آیا تھا۔ وہ خاموشی سے لسٹ بنانے لگی، اسلام آباد میں دو دن رہ کر ہی وہ اصفہان صاحب کی پسند کو جان گئی تھی، انہیں سی فوڈ اور چکن پسند تھا اور اوصاف کی طرح انہیں بھی آلو بے حد پسند تھے، وہ کچھ دیر بعد لسٹ بنا کر اسے دینے آئی تھی۔

''دادا جی یہاں سے کراچی جائیں گے، تم چاہو تو ان کے ساتھ کراچی جا سکتی ہو جب تک چاہو وہاں رہنا، جب آنا چاہو تو مجھے بتا دینا، میں تمہیں لینے آ جاؤں گا''۔ وہ صفائی کر رہی تھی، اس کی بات سن کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''اگر میں واپس آنا ہی نہ چاہوں تو؟'' اس نے بے رحمی سے کہا۔

''جیسے تمہاری خوشی''۔ آنکھوں میں آئی نمی کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

☆.....☆.....☆

صبح اٹھ کر نماز پڑھنے کے بعد ہی وہ کچن میں چلی آئی، سزلنگ چکن بنانے کے لیے وہ چکن میرینیٹ کرنے لگی اوصاف نے اپنے لیے چائے بنائی تھی، اس کا مگ وہ کچن میں ہی چھوڑ گیا تھا وہ آفس جا چکا تھا، وہ لنچ کا اہتمام کرتی رہی، تمام چیزیں تیار کر چکنے کے بعد وہ خود بھی شاور لے کر ریڈی ہو گئی، کچھ دیر بعد ہی دادا جی کی تشریف آوری ہو گئی، اوصاف

بھی چھٹی لے کر آ چکا تھا۔

''بیٹا! اتنی محنت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' دادا جی اپنے پسندیدہ چیزوں کو دیکھتے کہہ رہے تھے۔

''زیادہ تو کچھ نہیں ہے دادا جی!'' اس نے عاجزی سے کہا۔

''بیٹا! آپ تو ایسا کہو گی ہی کوکنگ ایکسپرٹ جو ٹھہریں''۔ وہ مسکرا کر کہہ رہے تھے۔

''آپ کو پتہ ہے کہ میں کوکنگ ایکسپرٹ ہوں؟'' وہ حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''جی ہاں مجھے اسکندر نے صفا، مروہ کی شادی میں بتایا تھا کہ شادی کا مینوتم نے ڈسائیڈ کیا تھا اور اپنی نگرانی میں تمام ڈشز تیار کروائی تھیں''۔ وہ اسے بتانے لگے تو وہ مسکرانے لگی جبکہ اوصاف اسے دیکھنے لگا، کھانے کے بعد چائے کا دور چلا اوصاف، دادا جی کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا، وہ صرف مسکرانے پر اکتفا کر رہی تھی، وہ دونوں ایک دوسرے کو مخاطب نہیں کر رہے تھے مگر ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھ رہے تھے، تاکہ دادا جی کو ان کے بیچ تناؤ کا علم نہ ہو سکے رات وہ بہت اصرار کر کے دادا جی کو بیڈ روم میں سلا چکے تھے، اپنا تکیہ لیے وہ لاؤنج میں آ گیا تھا، صوفہ میز اور ٹی وی کی وجہ سے دونوں کے لیے زمین میں جگہ ناکافی تھی، وہ اصلاح کے برابر ہی تکیہ رکھ کر دراز ہو گیا، ان دونوں کے درمیان فاصلہ بے حد کم تھا، ٹو سیٹر صوفے پر سونا دونوں کے لیے ناممکن تھا، روئیل اوپن کی بے حد پاس سے آتی خوشبو نے ایک بار پھر اس کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کر دیا تھا، وہ جاگ رہی تھی جب کروٹ بدل کر اوصاف اس کے بے حد پاس آ گیا، وہ گہری نیند میں تھا اس کا دایاں ہاتھ اصلاح کے کاندھے پر تھا، جبکہ اس کا سر اصلاح کے تکیے پر آ پڑا، وہ اس کے بے حد نزدیک تھا اوصاف کی سانسوں کی گرمی اصلاح کو اپنی گردن پر محسوس ہو رہی تھی، اس کا دل زوروں سے دھڑکنے لگا، دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے اس کا ہاتھ اپنے کاندھے سے ہٹایا تھا، عین اسی لمحے اوصاف کی آنکھ کھلی تھی، خود کو اصلاح کے اتنا قریب پا کر شرمندہ سا ہو گیا۔

''سوری!'' وہ کہہ کر اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اور اپنا تکیہ ٹو سیٹر صوفے پر رکھ چکا تھا، اپنے دونوں پیروں کو موڑے وہ دوبارہ سونے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ اصلاح کے دل کی دھڑکنیں ہنوز منتشر تھیں۔

☆.....☆.....☆

وہ اپنے تمام تر سامان کے ساتھ دادا جی کے ہمراہ کراچی جانے کے لیے تیار تھی، ایکوامرین کلر کے ڈریس میں ملبوس میک اپ سے بے نیاز وہ دادا جی کے ساتھ کھڑی مسکرا رہی تھی، اوصاف نے جلتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

''اگر یہ واپس نہ آئی تو میں کیسے جیوں گا اس کے بغیر؟'' وہ ہر بار خود سے یہی سوال کر رہا تھا، اوصاف پر نظر پڑتے ہی اصلاح کے مسکراتے لب بھنچ گئے تھے، وہ دادا جی کے ساتھ کراچی آ گئی تھی، صفا امی کے گھر ہی تھی چھوٹے سے اوزان کو اس نے بہت پیار کیا تھا، مما، پپا، دادا جی سب اسے دیکھ کر بے حد خوش تھے، خود وہ بھی ان سب سے مل کر بے طرح خوش ہوئی تھی، مروہ سسرال میں تھی اصلاح نے اسے کال کر کے امی کے گھر آنے کی تاکید کی تھی، مروہ نے کل رات آنے کا وعدہ کر لیا تھا، وہ اپنے روم میں آئی تو نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، ایک اداسی ایک ویرانی نے اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر رکھا تھا۔

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

نائلہ طارق

قسط نمبر 8

سلسلے وار ناول

کبھی ٹوٹا میرے دل ٹوٹا

''خبردار! مجھے اپنے باپ بھائیوں کو شکل دکھانی ہے، تم میرے لیے نامحرم ہو''۔ منیزہ جس طرح بدک کر دور ہٹتی بولی تھی، خرمن اور بیلا کی ہنسی عثمان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بلند ہوتی چلی گئی تھی، ہنسی سے بے حال ہوتے ہوئے خرمن نے

نوٹ: رِدا کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی رِدا کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

کیمرہ عارش کو تھمایا تھا اور اس کے بازو کا سہارا لیتی اس کی پشت کی طرف چہرہ چھپا گئی تھی، سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ عارش نے پہلے اپنے بازو پر رکھے اس کے نازک ہاتھ کو دیکھا تھا اور پھر اسے جواب دوبارہ عثمان کی طرف متوجہ ہو رہی تھی، ہنسی روکنے کی کوشش میں اس کے دہکتے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ دل میں عہد کر رہا تھا کہ یہ کھلکھلاتی ہنسی اس کے رس بھرے ہونٹوں پر ہمیشہ کے لیے سجا دے گا۔

☆............☆............☆

ڈرائنگ روم کے باہر رکی وہ سانس روکے اندر سے ابھرتی آوازوں کو سن رہی تھی، اسے لگ رہا تھا کہ روح اس کے

جسم کا ساتھ چھوڑ رہی ہے، اندر اس کی زندگی اور موت کا فیصلہ ہو رہا تھا۔

''دیکھو برہان! جس کام کے لیے میں پہلے ہی انکار کر چکا ہوں، بار بار اس کا ذکر کر کے تم یا کوئی اور میرے فیصلے کو بدل نہیں سکتا، مگر میں شرمندہ ضرور ہوتا ہوں، بہتر ہے کہ تم سب بھی قبول کر لو کہ ایسا ممکن نہیں ہے''۔ فاروق کی سرد آواز ابھری تھی۔

''فاروق بھائی! آپ میرے بڑے ہیں، میں آپ پر کوئی دباؤ نہیں ڈالنا چاہتا، بس آپ سے التجا ہی کر سکتا ہوں، بیلا آپ کی بہن ہے آپ کو اس کے لیے ہر فیصلہ لینے کا حق ہے، مگر وہ مجھے بھی اپنی بہن کی طرح ہی عزیز ہے، میں نے کبھی آپی اور بیلا کے درمیان فرق نہیں رکھا ہے، بیلا اور عثمان دونوں سمجھدار ہیں، وہ دونوں ایک ساتھ بہت اچھی زندگی گزاریں گے، مجھے ان دونوں پر بہت اعتماد ہے''۔ برہان نے بہت سنجیدگی سے ایک بار پھر انہیں قائل کرنا چاہا تھا۔

''میں تمہیں یہی سمجھانا چاہتا ہوں کہ دو مختلف انسان کبھی ایک اچھی متوازن زندگی نہیں گزار سکتے، ان دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے، بیلا کا مزاج جتنا ٹھنڈا ہے عثمان کا اتنا ہی گرم، غصے میں وہ تمہیں، تمہاری بہن کو خاطر میں نہیں لاتا، اپنے ماں باپ کا لحاظ نہیں کرتا، تو پھر میری یا میری بہن کی کیا حیثیت ہوگی اس کی نظروں میں''۔ فاروق کے لہجے میں ناگواری ہی ناگواری تھی۔

''آپ کی کسی بات سے میں اختلاف نہیں کروں گا، مگر وہ دونوں بچپن سے ہی ایک دوسرے کے مزاجوں سے واقف ہیں، آپ ان کی مرضی کو بھی تو مدنظر رکھیں، یہ ان کی بھی زندگی کا فیصلہ ہے، آپ کے اندیشے اپنی جگہ مگر ایک بار آپ صرف اور صرف بیلا کی خوشی کے بارے میں سوچیں، عثمان کی ذمے داری میں لیتا ہوں، بیلا کو کبھی اس سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی''۔ برہان کا لہجہ التجائی تھا وہ التجا ہی کر سکتا تھا، سامنے بیٹھا شخص اس کی بہن کا شوہر ہے، اسے یاد رکھنا تھا، بھائی کی محبت میں وہ بہن کی زندگی عذاب میں نہیں ڈال سکتا تھا۔

''امریکا میں بیٹھ کر تم کہاں تک اور کس کس کی ذمے داری اٹھاؤ گے برہان؟ ماں باپ کا حق ہے تم پر، مگر تمہارا بھائی ناسمجھ بچہ نہیں ہے، جس کی انگلی تم ساری زندگی تھامے رکھو گے، مجھے تو آج تک اس کی سرگرمیاں سمجھ نہیں آئیں، کوئی ڈھنگ کا کام اسے سوٹ نہیں کرتا، ایک اکیڈمی شروع کی ہے وہ بھی عارش کے ہی کندھوں پر چلے گی ورنہ تمہارے بھائی میں ایسے کوئی گڈز نہیں ہیں کہ یہ کام کرتا''۔ فاروق کے تلخ لہجے پر برہان نے ایک نگاہ عروسہ پر ڈالی تھی، جو سپاٹ نظروں سے شوہر کو ہی دیکھ رہی تھیں، اس وقت وہ چاہ کر بھی بھائی کی طرفداری میں کچھ نہیں کہہ سکتی تھیں، بھائی کے سامنے انہیں شوہر کے ہاتھوں بے عزت ہونا گوارا نہیں تھا، اور یہ بھی سچ تھا کہ برہان کی خواہش کے باوجود ان کے لیے زبان کھولنا نہ کھولنا ایک برابر ہی تھا۔

''میری جگہ اگر تم ہوتے تو تم بھی یہی سب کہتے جو میں کہہ رہا ہوں، تمہارے نزدیک تمہارا بھائی لاکھوں میں ایک ہو سکتا ہے، مگر اس کے اندر ایسی کوئی خوبی نہیں جس کی بناء پر میں اپنی عزت اس کے حوالے کر دوں اور ساری زندگی کے لیے اپنے ہاتھ پیر بندھوا لوں''۔ یکدم رک کر انہوں نے فاران کو دیکھا تھا جو ایک جھٹکے سے اٹھتا ڈرائنگ روم سے نکل گیا تھا، کوئی شک نہیں تھا کہ بیٹے کو باپ کی باتیں ناگوار گزری ہیں۔

''برہان! تمہیں میری باتیں یقیناً ناگوار گزری ہوں گی، شکایت تم کر سکتے ہو، میں سنوں گا، مگر ایک بات تو طے ہے

کہ ایسا ہونا ناممکن ہے، اسی میں دونوں گھروں کی بھلائی ہے، ویسے بھی اس قسم کے ادل بدل کے رشتے باقی سارے رشتوں میں بھی دراڑیں ڈال دیتے ہیں''۔

''ایسا صرف آپ کو لگتا ہے، آپ کو اگر لگتا ہے کہ اسی فیصلے میں سب کی بھلائی ہے تو میں اب اور کیا کہہ سکتا ہوں''۔ برہان کے لہجے میں مایوسی تھی۔

''عثمان کو ذرا سمجھا دینا، خوامخواہ کے واویلے مچا کر اپنے گھر میں اور میرے گھر میں ڈسٹربنس نہ پھیلائے، ویسے تو اسے سمجھانے کے لیے فرشتے ہی زمین پر آئیں تو وہ سمجھے''۔

''آپ بیلا کو سمجھا سکتے ہیں؟'' فاروق کے تلخ لہجے پر برہان بولے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

''اس کا دماغ درست کرنے کے لیے میں کافی ہوں، ابھی اسے کیا معلوم کہ اسے اپنی زندگی کے اچھے برے کے لیے کیسے سوچنا چاہیے، یہ کام کرنے کے لیے ابھی میں موجود ہوں''۔ فاروق کا لہجہ حتمی تھا۔

''ٹھیک کہا آپ نے''۔ گہری سانس لے کر برہان نے اٹھتے ہوئے ایک نگاہ ساکت بیٹھیں عروسہ کو دیکھا تھا۔

''کل کی دعوت کا یاد ہے تمہیں؟ کل یہاں رات کے کھانے پر تم سب نے لازمی آنا ہے اور ذرا جلدی آنا، پھر پتہ نہیں کتنے عرصے بعد مل بیٹھنے کا موقع ملے''۔ برہان سے مصافحہ کرتے ہوئے فاروق بولے تھے۔

''عثمان نہیں آئے گا، لہٰذا اسے مجبور مت کرنا، اس کا یہاں کیا کام''۔ عروسہ کے سرد لہجے پر برہان نے بغور فاروق کے بدلتے تاثرات کو دیکھا تھا اور پھر خدا حافظ کہتا ڈرائنگ روم سے نکل گیا تھا۔

اپنے کمرے کی دہلیز پر رکی وہ خالی خالی نظروں سے برہان کو دیکھ رہی تھی جو اس کو دیکھتے رک گیا تھا، بیلا کا ہلدی کی طرح زرد چہرہ دل کو مٹھی میں جکڑ گیا تھا، برہان کے لیے بہت مشکل تھا اس سے نظر ملانا۔

''مجھے معاف کر دینا میں تمہاری امیدوں پر پورا نہیں اتر سکا، مگر ہمت مت ہارو، کوئی نہ کوئی راستہ نکل ہی آئے گا''۔ اس کے سر کو تھپتھپاتے ہوئے وہ بمشکل بول سکا تھا اور اگلے ہی پل اس کی آنسوؤں سے لبریز ہوتی آنکھوں سے نظر چراتا آگے بڑھ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ایک عجیب سا جوش و ولولہ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بڑھ رہا تھا، وہ بہت خوش تھی کیونکہ فاطمہ اور احمد حسین کے چہرے سے پھوٹتی خوشی اس کے لیے سکون کا باعث تھی، عمرہ کے لیے روانگی میں اب کچھ ہی دن تو رہ گئے تھے۔

اس وقت وہ اپنے کمرے میں ہی تھی جب احمد حسین کی آمد ہوگئی تھی۔

''بابا! کوئی کام تھا تو مجھے بلا لیتے؟'' وارڈروب بند کرتی وہ فوراً ان کی طرف بڑھی تھی۔

''مانگنے والے کو دینے والے کے پاس خود چل کر جانا پڑتا ہے بیٹا! پھر میں کیسے خود آنے کے بجائے تمہیں بلاتا''۔ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ بولے تھے۔

''آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟'' خرمن بری طرح دنگ ہوئی تھی۔

''بیٹھ کر بات کر لیں؟'' احمد حسین کے کہنے پر وہ شرمندہ سی ہوئی تھی، فلور کشن کرسی کے قریب کرتی وہ ان کے قدموں میں ہی بیٹھ گئی تھی۔

''اس طرح مت بیٹھو خرمن! یا پھر مجھے نیچے بیٹھنے دو''۔

''نہیں آپ اوپر کرسی پر رہیں مجھے یہیں بیٹھنا ہے''۔ وہ بضد تھی، اسے اندازہ بھی ہو چکا تھا کہ احمد حسین بہت سنجیدہ نوعیت کی گفتگو کرنے والے ہیں اور اس کی چھٹی حس اسے ایک انجانے خوف میں مبتلا کر رہی تھی۔

''کبھی کبھی بہت مشکل ہو جاتا ہے اپنی ہی اولاد سے کچھ کہنا''۔ احمد حسین تذبذب کا شکار ہوئے تھے۔

''بابا! میں آپ کی بیٹی ہوں، آپ مجھے حکم دیں، ایسا بھی کیا ہے جو آپ مجھ سے مانگنا چاہتے ہیں، مگر اتنا سوچ کر مجھے شرمندہ نہ کریں''۔ اپنی پریشانی کو چھپائے وہ کچھ ناراضی سے بولی تھی۔

''جب اولاد جوان ہو جاتی ہے تو ماں باپ کو بولنے سے پہلے ناپ تول تو کرنا ہی ہوتا ہے''۔ وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے تھے۔

''ماں باپ کے سارے خواب اور ان کی خواہشیں اولاد سے بندھ جاتی ہیں، وہ ہمیشہ اپنی اولاد کو خوش اور کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں''۔ تمہید باندھتے ہوئے وہ ایک پل کو خاموش ہوئے تھے اور یہی پل خرمن کو اضطراب میں مبتلا کر گیا تھا۔

''ہر ماں باپ کی طرح میری اور فاطمہ کی ساری خوشیاں تمہاری خوشیوں سے وابستہ ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ تم کامیاب زندگی گزارو، محفوظ رہو، ہر آفت اور پریشانی سے، میرا یہ چاہنا فطری ہے کہ میرے بعد کوئی ہو جو تمہاری حفاظت کرے، تمہیں اس طرح سنبھال کر گرم سرد سے بچا کر رکھے جس طرح میں رکھتا آیا ہوں، مجھے بتاؤ خرمن! کیا میرا ایسا چاہنا غلط ہے؟'' وہ اس سے پوچھ رہے تھے جو ساکت نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''مجھے کبھی نہ کبھی اس بارے میں تم سے کھل کر بات کرنی تھی کیونکہ تمہاری ماں نے مجھے بتا دیا تھا کہ تم نے شادی کبھی نہ کرنے کا فیصلہ اسے سنایا ہے، میں جانتا ہوں کہ اس کی وجہ کیا ہے، تم کچھ کہتی نہیں ہو، مگر تمہارے دل میں جو ہے میں اس سے بے خبر نہیں ہوں، میں تمہیں دنیا کی بھیڑ میں تنہا نہیں چھوڑ سکتا، اس وقت جب مجھے اس دنیا کو چھوڑنا ہوگا، ایک نہ ایک دن تو مجھے....!''

''ایسا مت کہیں بابا! ایسا مت کہیں''۔ دہل کر انہیں روکتے ہوئے خرمن کا چہرہ سفید ہوا تھا۔

''حقیقت کو تسلیم تمہیں کرنا ہوگا بیٹا! آج نہیں تو کل، ہمارے بعد تم تنہا زندگی نہیں گزار سکتیں، اس وقت کے بارے میں سوچ کر میری کیا کیفیت ہوتی ہے میں تمہیں نہیں سمجھا سکتا، تم میری اولاد ہو، میرے کچھ نہ کہنے کے باوجود تم میری کیفیت کو، میری فکر، کو میری اذیت کو محسوس کر سکتی ہو''۔ اس کے بہتے آنسوؤں کو دیکھتے وہ بول رہے تھے۔

''تم رو مت خرمن! میں جانتا ہوں میری باتیں تم کو تکلیف دے رہی ہیں، مگر تم یہ بھی جانتی ہو کہ تمہارے آنسو مجھے اذیت دیتے ہیں، میں نے فاطمہ کو اسی لیے ابھی اپنے ساتھ آنے سے روک دیا تھا کہ تم دونوں کے آنسو مجھے وہ سب کہنے نہیں دیں گے جو کہنا ضروری ہے''۔ احمد حسین کے مضطرب لہجے پر اس نے اپنا سر جھکا لیا تھا۔

''شاید اس وقت میں کچھ خود غرض ہو رہا ہوں، مگر صرف تمہارے لیے، تمہاری زندگی کے لیے، میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، میں اپنی زندگی میں تمہیں ایک محفوظ اور مضبوط سائبان دینا چاہتا ہوں، میری یہ دیرینہ آرزو پوری ہوگی یا نہیں، یہ فیصلہ تمہارے ہاتھوں میں ہے''۔ تھکے تھکے لہجے میں انہوں نے خرمن کا لرزتا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔

''ابھی میں اللہ کے گھر حاضری لگانے جا رہا ہوں، تو مجھے تمہاری فکر چین نہیں لینے دے رہی تو پھر اس وقت کیا ہوگا

جب مجھے اس دنیا سے جانا ہوگا، کیا تم چاہتی ہو کہ مجھے قبر میں بھی سکون نہ ملے؟''

''یہ سب مت کہیں''۔ بری طرح سسکتے ہوئے خرمن نے سر ان کے گھٹنوں سے ٹکا دیا تھا۔

''تم صرف آج دیکھ رہی ہو اور میں تمہارا کل دیکھ رہا ہوں، میں تمہیں تمہارے مستقبل کو محفوظ دیکھنا چاہتا ہوں خرمن! اپنے لیے کوئی غلط فیصلہ لے کر تم میری ساری ریاضتوں پر پانی مت پھیرو''۔ اس کے سر پر ہاتھ رکھے وہ مزید بولے تھے۔

''ایسا کون ہے آپ کے اور امی کے علاوہ جو مجھے میری حقیقت کے ساتھ قبول کرے گا، جو مجھے کوئی طعنہ نہیں دے گا؟'' بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ بمشکل ان سے پوچھ سکی تھی۔

''ہے ایسا انسان جو ہمارے درمیان ہے، قریب ہے، جس سے کچھ چھپا نہیں ہے''۔ اس کے چہرے پر پھیلتے خوف کے سائے دیکھتے وہ بولے تھے۔

''آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟'' خرمن کی آواز گھٹ گئی تھی۔

''تم ٹھیک سوچ رہی ہو، وہ انسان عارش کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے''۔ احمد حسین نے جیسے اس کے کانوں میں صور پھونک دیا تھا۔

''نہیں.... عارش نہیں، بابا! آپ اس کے لیے ایسا نہیں سوچ سکتے''۔ وہ بلبلا اٹھی تھی۔

''اگر میں نے عارش کے لیے یہ سوچا ہے تو یہ اس کی ہی خواہش ہے''۔ احمد حسین اسے یقین دلانے کی کوشش کر رہے تھے۔

''آپ اس کی بات مت سنیں، اس نے ہمارے لیے اس گھر کے لیے، بہت کچھ کیا، بہت کچھ کرنا چاہتا ہے، وہ آپ کی محبت میں یہ سب سوچ رہا ہوگا، آپ اسے سمجھائیں، میری وجہ سے اسے بھی اپنے خاندان سے کٹنا پڑے گا، آپ اسے روکیں''۔ زار و قطار روتی وہ بولی تھی۔

''کس خاندان کا کن لوگوں کا خوف ہے تمہیں؟'' احمد حسین کا لہجہ کچھ سخت ہوا تھا۔

''اپنے مستقبل کو تم ان لوگوں کے خوف سے تباہ کرنا چاہتی ہو، جن لوگوں نے مجھے شہر بدر ہونے پر مجبور کر دیا تھا، ان لوگوں کی پرواہ کر کے تم میری ریاضت خاک میں ملانا چاہتی ہو؟ تمہارے لیے یہ کافی نہیں کہ میرا نام تمہارے نام کے ساتھ ہے؟ میں نے ایک ایک لمحہ تمہاری شخصیت کو پروان چڑھانے میں لگا دیا کہ تمہیں کسی دوسرے انسان سے کم تر ہونے کا احساس نہ ہو لیکن تم.... میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں مگر یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ تم خود کو حقیر سمجھو اور اللہ کی ناشکری کرو''۔ وہ شدید تاسف کے ساتھ بولتے اس کی گھٹی گھٹی سسکیوں کو سن رہے تھے۔

''اللہ کے سوا تمہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، اللہ نے تمہیں اس دنیا میں بھیجا ہے، یہاں تمہارے لیے بہت کچھ اچھا رکھا ہے، جس پر تمہارا حق ہے، اس حق کو تم سے کوئی نہیں چھین سکتا، یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ عارش میرے لیے قربانی دے رہا ہے، وہ نا سمجھ نہیں ہے، تم سے زیادہ دنیا کو اور لوگوں کو جانتا ہے، سمجھتا ہے، اس نے کبھی مجھ سے کوئی فرمائش نہیں کی، کچھ نہیں مانگا اور مانگا بھی تو بس تمہیں، وہ بھی اس طرح کے انکار کے لیے میرے پاس کوئی وجہ نہیں رہی تھی، لیکن میرے لیے سب سے اہم تمہاری رضا ہے، اس وقت میں تم سے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی مانگنے آیا ہوں تو عارش کے لیے نہیں، میں نے صرف اپنے لیے تمہارے سامنے ہاتھ پھیلایا ہے اور یہ سچ ہے کہ میرے پھیلے ہاتھوں میں سب کی

خوشیاں اور بھلائی پوشیدہ ہے، عارش کی امید مجھ سے وابستہ ہے اور میری تم سے، مگر میں کبھی تم پر اپنی مرضی مسلط نہیں کروں گا، تم مجھے اب خالی ہاتھ بھی لوٹا دو گی، تو مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی"۔ احمد حسین بول رہے تھے تب ہی فاطمہ بہت خاموشی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئیں تھیں۔

"میری زندگی آپ کی امانت ہے بابا! آپ کو مجھ سے کچھ مانگنے کی ضرورت نہیں، میری زندگی کے لیے ہر فیصلہ لینے کا حق آپ کو ہے، آپ کو یہ ایک خوشی دینے کا موقع گنوا کر میں اللہ کو ناراض نہیں کر سکتی، ایسا کر کے میں زندہ کیسے رہوں گی؟" مدھم سسکیوں کے درمیان بولتی وہ احمد حسین کو فخر و طمانیت سے سرشار کر گئی تھی۔

"تم نے آج ثابت کر دیا ہے کہ تم اللہ کی طرف سے میرے لیے انعام ہو"۔ احمد حسین نے اس کے سر پر بوسہ دے کر کہا تھا۔

"تم ہماری بہت فرمانبردار بیٹی ہو، اللہ ہمیشہ تمہارا اچھا کرے گا، اتنا کہ تم اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتیں"۔ فاطمہ کے نم لہجے پر خرمن نے ڈبڈبائی نظروں سے انہیں دیکھا تھا اور اگلے ہی پل وہ ان کے گلے سے لگی سسک اٹھی تھی۔

☆.....☆.....☆

رات کی گہری تاریکی میں وہ تخت کے کنارے بیٹھی کسی غیر مرئی چیز کو گھورتی جانے کس سوچ میں گم تھی، آہٹ پر اس نے کچھ چونک کر قریب آتے سائے کو دیکھا تھا اور اگلے ہی پل چہرہ دوسری سمت پھیر لیا تھا۔

"اب تک جاگ رہی ہو؟" عارش کے سوال پر اس نے کوئی توجہ نہیں دی تھی، چند لمحوں تک وہ منتظر رہا تھا، مگر پھر گرل سے پشت لگا کر اس رخ سے کھڑا ہو گیا کہ تاریکی میں کسی حد تک اس کے چہرے کو دیکھ سکتا تھا، جو سفید دوپٹے میں قید تھا۔

"پریشان ہو؟" سینے پر بازو باندھے وہ اس سے پھر سوال کر رہا تھا مگر جواب ندارد۔

"میں جانتا ہوں تم مجھ سے ناراض ہو"۔ عارش کے کہنے پر اس بار خرمن نے اسے دیکھا تھا۔

"ساری دنیا میں ایک میں ہی نظر آئی تمہیں؟" اس سپاٹ لہجے پر وہ ایک پل کے لیے خاموش رہا مگر پھر کہا تھا۔

"ہاں... تم ہی نظر آتی ہو"۔

"شاید اسی دن کے لیے میں خلاف تھی تمہارے اس گھر میں قدم رکھنے پر"۔ وہ بولی نہیں تھی، غرائی تھی۔

"تم جو کہنا چاہو کہہ سکتی ہو، وہ سب کچھ جو تم ماموں جان سے نہ کہہ سکی تھیں"۔ عارش کا لہجہ پرسکون تھا۔

"تمہیں ذرا سی بھی شرم نہیں آئی؟" وہ پھر غرائی تھی۔

"ہاں، مجھے شرم آئی تھی، کئی دن تک میں خود سے بھی نظریں نہیں ملا سکا تھا، لیکن پھر مجھے احساس ہوا کہ میں نے ایسا کوئی گناہ نہیں کیا کہ شرم سے ڈوب مروں"۔

"تم کیوں ڈوب مرتے، یہ کام تو مجھے اس وقت کرنا چاہیے تھا جب میں نے عثمان سے ہونے والی تمہاری گفتگو سنی تھی"۔ خرمن نے سلگ کر اس کی بات کاٹی تھی۔

"اگر اس دن مجھے اندازہ ہو جاتا کہ تمہارے دماغ کا خناس اس حد تک بڑھ جائے گا تو.....!" شدید غصے میں وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی۔

"تمہیں یہ لحاظ بھی نہ رہا کہ میں عمر میں تم سے بڑی ہوں؟"

"دو سال کے فرق سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، زیادہ ہوتا تو بھی نہیں"۔ وہ اسی سکون سے بولا تھا۔

"مجھے تمہاری ہمدردی کی ضرورت نہیں تھی"۔ وہ بھپر کر بولی تھی۔

"میں نے ہمیشہ تمہیں ملنے والی محبتوں پر رشک کیا ہے، تمہارے اندر ایسا کچھ نہیں تھا کہ میں تم سے ہمدردی کرتا"۔

"میرے اندر ایسا بھی کچھ نہیں تھا کہ مجھ سے شادی کا خواب دیکھا جائے"۔ وہ تیز لہجے میں بولی تھی۔

"ہاں، تمہارے اندر ایسا کچھ نہیں تھا مگر میرے دل میں ہے، تمہاری محبت"۔ عارش کے مدھم لہجے پر وہ ایک جھٹکے سے اٹھتی اس کے مقابل آ رکی تھی۔

"اس دنیا میں اپنے ماں باپ کے علاوہ کسی انسان پر نہ مجھے بھروسہ ہے اور نہ اس کی محبت پر"۔ وہ زہریلے لہجے میں بولی تھی۔

"میں اللہ سے دعا کروں گا کہ اپنے ماں باپ کے بعد کسی انسان پر اور اس کی محبت پر تم بھروسہ کرو تو وہ میں ہوں"۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ بولا تھا، جو بل کھا کر رہ گئی تھی۔

"کیا کمی تھی منیزہ میں؟" اس کے سلگتے لہجے پر عارش بس ایک پل کے لیے دنگ ہوا تھا۔

"اگر اس میں کوئی کمی ہوتی تو وہ میری بہت اچھی دوست نہ ہوتی، میری زندگی میں اس نے میری بہن کی کمی پوری کو پورا کیا ہے، کوئی مجھ سے اس کی کمی کے بارے میں سوال کرے، یہ میری غیرت گوارا نہیں کرے گی"۔ عارش کے مضبوط لہجے میں کچھ تھا جو وہ فوری طور پر کچھ بول نہیں سکی تھی۔

"جو کچھ تم چاہتے ہو ایک دن اس پر پچھتاؤ گے"۔ چند لمحوں بعد وہ سرد لہجے میں بولی تھی۔

"یہ تمہارا خیال ہو سکتا ہے، مگر مجھے یقین ہے کہ ایک دن تمہارے دل میں مجھے وہ مقام ضرور ملے گا جو مقام میرے دل میں تمہارے لیے ہے"۔ اس کے پریقین لہجے پر خرمن نے تلملا کر ایک جھٹکے سے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے۔

"معاف کر دو مجھے"۔ غرا کر اس کے سامنے سے ہٹتی وہ تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی جبکہ اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے عارش کے لبوں پر مدھم مسکراہٹ لہرا گئی تھی، حالانکہ وہ بہت جرأت کرنے کے بعد اس کا سامنا کر سکا تھا، لیکن کچھ بھی تو نہیں ہوا تھا، احمد حسین نے واقعی اس کے لیے راستے آسان کر دیئے تھے، یہ کام تو وہ ہمیشہ ہی اس کے لیے کرتے آئے تھے، اور یقیناً یہ معرکہ بھی سر کر لینے میں اس کی نیت اور جذبوں کی سچائی کا بڑا عمل دخل تھا یہ وہ جانتا تھا۔

☆.....☆.....☆

جلتی آنکھیں کھول کر اس نے ایک بار پھر اپنے نام کی پکار کو سنا تھا، ایک جھٹکے سے بیڈ سے اٹھتی وہ بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر آئی تھی، اس کی حد درجہ سوجی سرخ آنکھوں اور ابتر حالت نے عثمان کو اپنی جگہ ساکت کر دیا تھا، جبکہ عثمان کو دیکھتے ہی وہ ضبط کے سارے بندھن توڑ چکی تھی۔

"تم نے مجھے کہا تھا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا، مگر دیکھو یہ کیا ہو گیا ہے، وہ مجھے تم سے الگ نہیں کرنا چاہتے، وہ مجھے مارنا چاہتے ہیں"۔ اس کا گریبان جھنجھوڑتی وہ حواسوں میں نہیں تھی۔

"عثمان! مجھے یہاں سے لے چلو نا، پھر میرا اگلا گھونٹ دو، تمہارے علاوہ میں کسی دوسرے شخص کو اپنی زندگی میں جگہ نہیں دے سکتی، تمہارے علاوہ کوئی میرے نزدیک نہیں آ سکتا، میں مر جاؤں گی، مگر تم سے الگ نہیں ہو سکتی، عثمان! کچھ کرو

ورنہ میں خود کو ختم کر دوں گی''۔

''ہوش میں آؤ بیلا! میری بات سنو''۔ اسے شانوں سے تھام کر عثمان نے سخت لہجے میں کہا تھا۔

''تم میری بات سنو اب''۔ بیلا نے اس کے ہاتھ اپنے شانوں سے جھٹکے تھے۔

''میں بزدل نہیں رہی، میں تمہارے ساتھ مل کر دنیا کا سامنا کر سکتی ہوں، میرے قدم پیچھے نہیں ہٹیں گے، مجھے اس زندان سے نکال لو عثمان! خدا کے لیے''۔ اس کے سامنے ہاتھ جوڑتی وہ بلک اٹھی تھی، سرعت سے اس کے جڑے ہاتھ اپنے ہاتھوں سے جکڑتے ہوئے عثمان کا دل جیسے مٹھی میں جکڑا تھا۔

''ماموں! آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، آپ ان کو لے جائیں یہاں سے، مجھ سے ان کی حالت نہیں دیکھی جاتی، آپ کی بے عزتی اور پاپا کی سنگدلی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی''۔ خاموش کھڑے فاران نے سرخ چہرے کے ساتھ غصے کا اظہار کیا تھا۔

''بیلا! خود کو سنبھالو، تم اگر اس طرح کمزور پڑ گئیں تو میں حالات کو اپنے حق میں نہیں کر سکوں گا، میں جانتا ہوں تم بزدل نہیں ہو، اگر تم میرے ساتھ ہو تو میں نے بھی تمہارا ساتھ نہ چھوڑنے کی قسم اٹھائی ہے، کوئی تمہیں مجھ سے الگ نہیں کر سکتا، یہ جرأت کسی انسان میں نہیں، مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ وہ برہان بھائی کی بھی نہیں سنیں گے، ان حالات کے لیے میں پہلے سے تیار تھا، اپنی بہن کی وجہ سے میں جتنا جھک سکتا تھا، جھک گیا، میرے گھر کا ایک ایک فرد ان سے التجا کر چکا ہے، مگر اب اور نہیں، اب صرف وہی ہوگا جو میں اور تم چاہتے ہیں، مجھ پر تم بھروسہ رکھو، اگر وہ اپنے فیصلے کو نہیں بدل سکتے تو میں بھی اپنے ارادوں سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹوں گا''۔ اس کی جل تھل آنکھوں میں دیکھتا وہ بھنچے لہجے میں بولا تھا۔

''بھائی کے ساتھ امی ابو کی روانگی میں بس کچھ ہی دن ہیں، صرف میری خاطر یہ چند دن اور گزار لو اس کے بعد یہ میرا تم سے وعدہ ہے، میں تمہیں پلٹ کر یہاں واپس نہیں آنے دوں گا''۔ اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں جکڑے وہ یقین دے رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

''جگ ہنسائی کا جو کام سالوں پہلے احمد حسین نے کیا تھا، وہی کام اب تم کرنا چاہتے ہو، کم از کم تمہیں تو اپنے خاندان کی عزت کا خیال رکھنا چاہیے، یہ احمد حسین کی غلط فہمی ہے کہ تمہارے آگے پیچھے کوئی بولنے والا نہیں تو وہ اپنا سنبھال کر رکھا ہوا گناہ تمہارے کاندھوں پر ڈال دے گا، تم لاوارث نہیں ہو، میں ابھی زندہ ہوں تمہارے سر پر''۔ مصطفیٰ حسین شدید اشتعال میں بولے تھے۔

''ماموں! آپ نے یہ سب اس وقت کیوں نہیں کہا جب مجھے اپنے سر پر آپ کے ہاتھ کی ضرورت تھی؟'' عارش کے لہجے میں کچھ تھا جو مصطفیٰ حسین سناٹے میں رہ گئے تھے۔

''اس وقت آپ نے یہ حق کیوں استعمال نہیں کیا، جب میں بے سائبان تھا، جب ماموں جان اور مامی کے علاوہ سب نے میرا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا تھا، آپ سمیت سب نے قدم پیچھے ہٹا لیے تھے، ہے کوئی جواب آپ کے پاس؟'' عارش نے بغور ان کے بدلتے تاثرات کو دیکھا تھا۔

''تمہاری ماں نے احمد کو تمہارے لیے چنا تھا''۔ مصطفیٰ حسین نظر ملائے بغیر بولے تھے۔

''اور یہ راز چند سال پہلے میں نے ہی آپ کو بتایا تھا، ورنہ میری اماں کیا چاہتی تھیں وہ صرف ماموں جان ہی جانتے تھے، صرف اختلافات بڑھنے کے خوف سے ماموں جان نے آپ کو اور بڑے ماموں کو آگے رکھنا چاہا، مگر اس کی تو نوبت ہی نہیں آئی تھی''۔ پہلی بار عارش کے دل میں موجود ماضی کے شکوے آج لبوں تک آ ہی گئے تھے اور بروقت آئے تھے۔

''عارش! ماضی کی باتیں اگر ہم دل کو دسیع کر کے ماضی تک ہی محدود کر دیں تو آج بھی سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے''۔ منیزہ کو اپنے باپ کی خاموشی محسوس ہوئی تھی جو وہ چپ نہ رہ سکی تھی۔

''میں بھی ایسا ہی چاہتا ہوں منیزہ! لیکن صرف میرے ایسا چاہنے سے کچھ نہیں ہوگا، ہمارے بڑوں کو بھی اپنے دل میں وسعت رکھنی پڑے گی''۔ عارش نے کہا تھا۔

''میں یہاں کوئی بحث و مباحثہ کرنے نہیں آیا، میں تو بس تم سب کو اپنی خوشیوں میں شریک رکھنا چاہتا ہوں''۔

''کیا میں نے اپنے دل کو احمد حسین کے لیے بڑا نہیں کیا، جھک تو گیا ہوں اس کے سامنے، اگر ایسا نہ ہوتا تو میں اور میرے بیوی بچے اس کی عیادت کے لیے ہاسپٹل نہ جاتے، جبکہ وہ تو میرے گھر کی پہلی خوشی میں میرے بیٹے کی شادی تک میں نہیں آیا تھا''۔ مصطفیٰ حسین نے فوراً جتایا تھا۔

''اگر آپ شادی کا کارڈ خود انہیں دے کر گلے شکوے دور کر دیتے تو وہ ایسا نہ کرتے، انہیں وہ عزت ہی نہیں ملی جس کی بنا پر وہ قدم آگے بڑھاتے، البتہ میں نہیں آیا تھا، اس بات کے لیے میں منیزہ سے اور آپ سب سے بھی معذرت کر چکا ہوں، آپ نے اپنے بھائی کے لیے دل کو بڑا کیا تھا، تو مجھے یقین ہے کہ میری نادانیوں کو بھی نظر انداز کر دیں گے، آپ اگر ماموں جان کی عیادت کے لیے گئے تھے تو میری نظر میں ہی نہیں ماموں جان اور مامی کی نظر میں بھی آپ کا قد بہت اونچا ہو گیا ہے''۔ عارش نے پوری سچائی سے کہا تھا۔

''تم نے اپنا فیصلہ مجھے سنا دیا ہے عارش! تم اچھی طرح میری زبان بند کر چکے ہو''۔ مصطفیٰ حسین کا لہجہ بہت کمزور تھا۔

''ماموں! مجھے غلط مت سمجھیں، میرا یہ فیصلہ میری پوری زندگی پر محیط ہے اور مجھے اس میں آپ کی اجازت اور آپ کی خوشی بھی درکار ہے ورنہ سب کچھ ادھورا رہے گا''۔ عارش نے کہا تھا۔

''عارش! احمد حسین جسے اپنی اولاد کہتا ہے میرے دل میں کبھی اس کے لیے جگہ نہیں بن سکتی، وہ ہم بھائیوں کے رشتوں میں پڑی دراڑ ہے، اس کے لیے تم مجھے مجبور نہیں کر سکتے''۔ مصطفیٰ حسین قطعی لہجے میں بولے تھے۔

''ابو! ایسا مت کہیں، وہ بہت اچھی ہے، میں اس سے بالکل اپنی بہنوں جیسی محبت کرتی ہوں، آپ بھائیوں کے رشتے کمزور ہوں گے جو دراڑ پڑ گئی، خرمن اس وقت بھی معصوم تھی اور آج بھی''۔ عارش کی ناراضی کے ڈر سے نہیں، مگر خرمن کے خلاف باپ کے جملے منیزہ سے برداشت نہیں ہوئے تھے۔

''تم خاموش رہو، میرے سامنے اس کی معصومیت کے ڈنکے نہ بجاؤ، اس کی محبت اپنے تک ہی رکھو''۔ مصطفیٰ حسین نے بری طرح بیٹی کو جھڑکا تھا۔

''عارش اور خرمن کے نکاح میں آپ نہیں ہوں گے تو میں کیا منہ دکھاؤں گی چچا جان اور چچی کو، خرمن کے لیے نہ سہی عارش کے لیے تو مان جائیں وہ خود چل کر آیا ہے''۔ منیزہ غصے میں بولتی تقریباً رو ہانسی ہوئی تھی۔

''عارش! خود چل کر آیا ہے تو کوئی احسان نہیں کیا اس نے، یہ کام تو احمد حسین کو کرنا چاہیے تھا مگر وہ کیوں آنے لگا

میرے پاس دعوت نامہ لے کر''۔ مصطفیٰ حسین کے ناگوار لہجے پر عارش نے گہری سانس لے کر انہیں دیکھا تھا۔

''میں یہاں آج صرف اپنی خوشی اور فیصلہ آپ سب سے شیئر کرنے آیا تھا، دعوت نامہ لے کر تو ماموں جان اور مامی آئیں گے''۔

''تمہارے کہنے پر آرہے ہیں یقیناً؟''، مصطفیٰ حسین طنزاً بولے تھے۔

''جب میرے کہنے پر آپ ان کی طرف قدم بڑھا سکتے ہیں تو میرے کہنے پر وہ ایسا کیوں نہیں کریں گے؟'' وہ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

''عارش! اپنے جنتر منتر مجھے بھی سکھا دو، میرے کہنے پر تو کوئی دو قدم بھی نہیں چلتا''۔ منیزہ بولتے ہوئے مسکرائی تھی۔

''میں ذرا دیکھ لوں میری اماں بھابی نے تمہارے لیے ٹیبل سجادی یا نہیں ورنہ تم تو فوراً بھاگ لوگے''۔ منیزہ اسے جتاتے ہوئے کمرے سے نکل گئی تھی۔

''ماموں! کیا واقعی آپ میری خوشی میں خوش نہیں ہیں؟'' وہ مصطفیٰ حسین نے سوال کر گیا تھا۔

''اگر ایسا ہوتا تو میں تمہارے نکاح میں آنے سے ابھی انکار کر دیتا''۔ وہ جواباً بولے تھے۔

''آپ کی رضا کے بغیر میری ہر خوشی نامکمل ہے، میں جانتا ہوں کہ میں جتنی محبت آپ سے کرتا ہوں آپ اس سے زیادہ محبت مجھ سے کرتے ہیں''۔

''اسی بات کا فائدہ اٹھاتے ہو تم''۔ وہ ناگواری سے بولے تھے۔

''اور میری بیوی اور بیٹی کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیتے ہو''۔

''یہ آپ کا بڑا پن ہے ماموں! کہ میں آپ کی محبت سے فائدہ اٹھا لیتا ہوں، اور مجھے یقین ہے کہ ماموں جان اور مامی کی اولاد کے لیے آپ کے دل میں جگہ ہو یا نہ ہو، مگر میری بیوی کے لیے آپ کے دل میں بہت جگہ ہوگی''۔ مسکراتی نظروں سے اس نے مصطفیٰ حسین کو دیکھا تھا جو بس اسے دیکھ کر رہ گئے تھے۔

''منیزہ نے آپ کو سب کچھ بتا دیا ہوگا، آپ اطمینان رکھیں یہ سو فیصد میرا فیصلہ ہے، ماموں جان کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہے، اتنا تو آپ بھی اپنے بھائی سے واقف ہوں گے کہ وہ کبھی مجھ پر اس قسم کا دباؤ نہیں ڈال سکتے تھے''۔ عارش نے انہیں یہ باور کروانا ضروری سمجھا تھا۔

☆.....☆.....☆

حیرت انگیز طور پر جب احمد حسین نے فون پر اپنے بڑے بھائی کو عارش اور خرمن کے نکاح کے بارے میں آگاہ کیا تو انہوں نے نیک خواہشات کا اظہار کیا تھا، احمد حسین کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ مصطفیٰ حسین کو ڈوز دے کر شانت کرنے کے بعد عارش نے ان کے بڑے بھائی کو بھی سارے معاملات سے آگاہ کر دیا ہوگا، نہ صرف یہ بلکہ ان کا اس حد تک برین واش کر دیا تھا کہ انہوں نے احمد حسین کی بات سن کر کوئی مخالفت کی نہ کوئی سوال کیا تھا، فاطمہ سے بھی انہوں نے بات کر کے مبارکباد دی تھی اور معذرت بھی کی تھی کہ اپنی خراب صحت کی وجہ سے وہ سفر کے قابل نہیں ہیں، ان کا راضی خوشی اجازت دینا ہی احمد حسین اور فاطمہ کے لیے بہت تھا، نکاح عجلت میں اس لیے بھی ہو رہا تھا کہ دوسرے ہی دن فاطمہ اور احمد حسین کی عمرہ کے لیے فلائٹ کنفرم تھی، یہ ذمے داری پوری کر کے ایک مقدس فریضے پر جانے کی ان دونوں کی دلی

خواہش پوری ہو رہی تھی اور وہ رب کائنات کے شکر گزار تھے، نکاح سے دو دن پہلے سے خرمن کی طبیعت کی ناسازی بڑھ گئی تھی، وہ اپنے کمرے تک ہی محدود ہو گئی تھی، ڈپریشن اور ان ہیلر کے ساتھ۔

فاطمہ کے فون پر نکاح والے دن صبح سے ہی منیزہ آ پہنچی تھی، اس نے ہی زبردستی خرمن کو بیڈ سے اتارا تھا، نکاح کی تقریب گھر میں ہی سادگی سے ہونی تھی، جو تھوڑا بہت انتظام تھا اور مہمانوں کی تواضع وغیرہ سب احمد حسین اور عثمان نے مل کر لیا تھا، مگر عثمان کی یہ مدد عارش کو بہت مہنگی پڑی تھی، آفس سے اسے سیدھا اپنے انسٹیٹیوٹ جانا تھا، کیونکہ عثمان کے پاس تو وقت ہی نہیں تھا ادھر ادھر دیکھنے کا آخر عارش کے نکاح کی بھاری ذمے داری اس کے کندھوں پر تھی اور پھر منیزہ بھی ارد گرد تھی، خرمن نے تو آج کچھ بولنا ہی نہیں تھا، دوپہر تک بیلا بھی آ گئی تھی، اب اتنے سارے جھمیلے چھوڑ کر وہ کیسے انسٹیٹیوٹ جا سکتا تھا۔

مصطفیٰ حسین کا پورا گھر آج احمد حسین کے گھر میں موجود تھا، اس سے بڑی انہونی کیا ہو سکتی تھی، احمد حسین جانتے تھے کہ اس میں ان کا کوئی کمال نہیں سب عارش کی مرہون منت ہے، مصطفیٰ حسین نے نہ خرمن سے ملنے کی خواہش ظاہر کی نہ ہی احمد حسین نے ایسی کوئی کوشش کی، وہ عارش کے لیے اس کی خوشی میں شامل ہونے آ گئے یہی بہت تھا، خرمن کی اس وقت ذہنی حالت کیا ہوگی احمد حسین جانتے تھے، اوپر سے اس کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی اب ایسے میں وہ جا کر اسے مجبور نہیں کر سکتے تھے کہ اسے ان کے بھائی کے پاس آ کر سلام دعا کرنی چاہیے، اگر وہ ایسا کر بھی لیتے تو انہیں یقین نہیں تھا کہ مصطفیٰ حسین، خرمن کے ساتھ فراخدلی سے پیش آئے، اور پھر عثمان کے تمام گھر والے بھی موجود تھے، اس موقع پر کسی ناگوار صورتحال سے بچے رہنے کے لیے احمد حسین کو بھائی اور بیٹی کو قریب لانے کی خواہش کو ملتوی کرنا پڑی تھی۔

☆.....☆.....☆

ترحم آمیز نظروں سے بیلا اسے دیکھ رہی تھی، جو گھٹنوں میں چہرہ چھپائے لرز رہی تھی، اسکارف میں چھپے اس کے سر سے زرق برق کرتا سرخ رنگ کا وہ دوپٹہ پھسل کر شانوں پر آ ٹھہرا تھا جو نکاح کے وقت اسے پہنایا گیا تھا۔

''خرمن! اب بس کر دو، ورنہ تمہارے ساتھ میں بھی رونا شروع کر دوں گی''۔ اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بیلا نے کہا تھا تب ہی کمرے میں منیزہ اور عروسہ داخل ہوئی تھیں۔

''یہاں دیکھیں ذرا، ابھی تک رونے دھونے کا سیشن چل رہا ہے''۔ منیزہ نے خشمگیں لہجے میں عروسہ سے کہا تھا۔

''خرمن! بس اب ایک آنسو مت بہانا ورنہ مار کھاؤ گی میرے ہاتھوں، سیدھی ہو کر بیٹھو، اس طرح روئے جا رہی ہو جیسے ابھی رخصت ہو کر میلوں دور جا رہی ہو''۔ بری طرح گھرکتے ہوئے عروسہ نے زبردستی اس کا چہرہ گھٹنوں سے اٹھایا تھا۔

''دیکھو! ذرا کیا حشر کر لیا ہے چہرے کا، ابھی ہمارے علاوہ کوئی یہاں آ گیا تو تمہیں اس طرح دیکھ کر جانے کیا کچھ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا، ذرا ہوش کے ناخن لو''۔ عروسہ نے سختی سے اسے ڈانٹا تھا جو اپنی سسکیاں روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''خرمن! یہ پانی پیو اور بالکل ریلیکس ہو جاؤ، تمہیں اس طرح دیکھ کر تو ہم بھی ٹھیک سے خوشی کا اظہار نہیں کر پا رہے''۔ بیلا نے تاکید کرتے ہوئے خود ہی پانی کا گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا تھا۔

''ایسی ڈھیٹ لڑکی ہے یہ کہ کہنے کے باوجود ہلکا سا میک اپ تک نہیں کیا، اگر بیلا یہاں آ کر مہندی نہ لگاتی تو یہ خود بھی ہوش میں نہ آتی''۔ عروسہ مزید ڈپٹنا نہیں بھولی تھی۔

''آپی! یقین کریں، میں تو کہہ کہہ کر تھک گئی، مگر یہ محترمہ تو آج سادگی کا دامن چھوڑنے کے لیے تیار ہی نہیں تھیں''۔ منیزہ نے کہا تھا۔

''اور تو اور عثمان کو کیمرے کے ساتھ اس کمرے میں آنے کی اجازت بھی نہیں ہے، محترمہ کی طرف سے''۔ بیلا نے مسکراتے ہوئے خرمن کو دیکھا تھا جو سر جھکائے بار بار بہتے آنسو صاف کر رہی تھی۔

''مجھے اگر معلوم ہوتا تو عین وقت پر نہ آتی، دیکھتی پھر میں اس کے نخرے، یہ کوئی طریقہ ہے، خوشی کے موقع پر نہ کوئی ہار نہ سنگھار، نہ چہرے پر رونق، تم تو دنیا سے ہی نرالی نکلیں کہ تصویریں بھی نہیں بنواؤ گی، اسے دوپٹہ ٹھیک سے پہناؤ میں عثمان کو بلاتی ہوں، دیکھتی ہوں میں کہ یہ کیسے تصویریں نہیں بنواتی، ایسے یادگار موقع بار بار نہیں آتے''۔ عروسہ شدید ناراضی سے بولتیں اندر آتے عثمان کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

''قسم سے میں نے آج سے پہلے کبھی ایسی نفسیاتی دلہن نہیں دیکھی، بس کر دو اب یہ رونا، کچھ آنسو عارش کے لیے بھی چھوڑ دو، نکاح کے وقت تو ایسے کھٹا کھٹ سائن کر رہی تھیں جیسے تمہاری ٹرین چھوٹ رہی تھی، اب ہمارے سامنے ڈرامے کر رہی ہو، ابھی باہر جا کر سب کو بتا دوں گا کہ تم عارش سے کتنی بڑی ہو''۔

''عثمان! میں بہت ماروں گی تمہیں''۔ عروسہ نے ہنستے ہوئے اسے گھر کا تھا۔

''تم اتنے جذباتی نہ ہو، ہمیں پتہ ہے تمہارے زخم آج پھر سے کھل گئے ہیں''۔ منیزہ نے کہا تھا۔

''مجھ سے اتنی ہمدردی ہو رہی ہے تو سینے آ جاؤ میرے زخم''۔ عثمان نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''اچھا بک بک بند کرو، ہماری تصویریں بناؤ خرمن کے ساتھ، بلکہ عارش کو بھی بلاؤ''۔ عروسہ نے کہا تھا۔

''اسے کہاں سے بلاؤں، اسے میں نے واپس دوڑا دیا ہے اکیڈمی، وہاں بہت کام ہیں، ویسے ہی یہاں دو گھنٹے اس کے برباد ہو گئے''۔ عثمان فوراً بولا تھا۔

''تم جا کر اکیڈمی نہیں سنبھال سکتے تھے، بے شرم، آج اس کی زندگی کا اتنا اہم دن تھا اور تم نے اس بے چارے کو کام پر لگا رکھا ہے''۔ بیلا نے حیرت و ناگواری سے اسے شرمندہ کرنا چاہا تھا۔

''کاہے کا بے چارہ، بیٹھے بٹھائے نکاح ہو گیا اس کا، مولوی صاحب کو میں لے کر آیا، چھواروں کا بندوبست میں نے کیا، بانٹے بھی میں نے اور مجھے بدلے میں کیا ملا؟ بس ایک چھوارہ؟''

''ہائے عثمان! وہ ایک بھی مجھے دے دو، مجھے تو ایک بھی نہیں ملا تھا''۔ منیزہ کو اچانک یاد آیا تھا۔

''افسوس وہ تو میں کھا چکا ہوں، مگر تم فکر نہ کرو، ہم اپنے نکاح کے چھوارے جی بھر کر کھائیں گے''۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' منیزہ نے ابرو چڑھا کر اسے گھورا تھا۔

''اس کا مطلب ہے، اپنے اپنے نکاح کے چھوارے، بہن! میرا یہ بھائی بہت معصوم ہے، تم اس کی باتوں سے غلط فہمی کا شکار نہ ہونا''۔ عروسہ مسکراہٹ چھپا کر بولی تھیں۔

''جی ہاں، یہ تو اتنا معصوم ہے کہ میں تو لوگوں کو مشورہ دیتی ہوں، ابھی بھی وقت ہے، جان چھڑا لو اس معصوم سے''۔ منیزہ نے معنی خیز نظروں سے بیلا کو دیکھا تھا۔

''لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا تو پھر تم ہی رہ جاؤ گی میرے لیے، اپنے راستے آسان نہ کرو چالاک''۔ عثمان نے حساب برابر کیا تھا۔

''بڑی خوش فہمی ہے''۔ منیزہ نے ناک پر سے مکھی ہٹائی تھی۔

''بس رہنے دو، تمہارے امی، ابو ایسے غور غور سے مجھے دیکھ رہے تھے، مگر میں نے ان سے کہہ دیا ہے، میں گھر داماد نہیں بنوں گا، اپنی بیٹی کے لیے کوئی اور ڈھونڈیں''۔

''میری توبہ.... کیا کیا بول رہے ہو''۔ منیزہ اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر ہیبت زدہ ہوئی تھی۔

''کن باتوں میں لگا دیا ہے مجھے بھی، خرمن کے لیے کھانے کا بندوبست کرو، مجھے گھر واپس جانا ہے''۔ عروسہ نے عجلت میں کہا تھا۔

''بیلا! عارش سے ٹریٹ لینی ہے، کم از کم آئسکریم کھائے بغیر تو نہیں جاؤں گی، تم اتنی جلدی مت جانا، ابھی رکو''۔ منیزہ یاد آنے پر بولی تھی۔

''کھا تو لیا ہے تم نے مرغن کھانا، اب کیا عارش کو کھا کر جاؤ گی، چلو اپنے اماں، ابا کے ساتھ گھر جانے کی تیاری کرو''۔ عثمان چٹکی بجاتے ہوئے اسے بھگانے کے لیے تیار تھا۔

''تم اپنے نکاح پر میری ٹریٹ ہضم کر جانا کنجوس! مگر ابھی چپ کر کے بیٹھو، تمہاری جیب سے روپے نہیں جا رہے ہیں''۔

''مجھے کنجوس کہہ رہی ہو، بھول گئیں وہ یونیورسٹی کے دن؟''

''خدا کا خوف کر لو، صرف ایک بار تم نے مجھے کولڈ ڈرنک خرید کر دی تھی''۔ منیزہ پر حیرت کا دورہ پڑا تھا۔

''اور اس وقت تمہیں یاد نہیں آیا تھا کہ میں نامحرم ہوں؟'' عثمان نے فوراً بدلہ لیا تھا، بیلا بے ساختہ ہنستی ہوئی بیڈ سے اٹھ گئی تھی۔

''بھابی! میں خرمن کے لیے کھانا لے کر آتی ہوں، آپ اپنے سامنے اسے کھانا کھلا کر جائیے گا''۔ بیلا بولتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

''منیزہ! تم تو عارش کے آنے تک رکو گی، وہ تمہیں گھر ڈراپ کرنے جائے گا تو بیلا کو بھی ساتھ لے کر نکلنا''۔ عروسہ کی تاکید پر عثمان کے تاثرات بدلے تھے۔

''فکر نہ کریں، اسے ساتھ لے کر میں نہیں آؤں گا''۔ اس کے ناگوار لہجے پر عروسہ خاموش رہی تھیں۔

''عثمان! جلدی سے تصویریں لے لو''۔ بگڑتی صورتحال پر منیزہ بروقت بولی تھی۔

''استانی کو تو ٹھیک طرح بٹھاؤ، کل یہی ہوں گی اور وہی قینچی کی طرح چلتی زبان، ادھر دیکھو میری آنکھوں کی طرف، مطلب کیمرے کی طرف''۔

''بتاؤں ابھی تمہیں.... ایسے ہی لو تصویریں''۔ عروسہ نے عاجز آ کر عثمان کو گھرک دیا تھا، سالن کی ڈش ٹرے میں رکھتے ہوئے اس نے سنجیدہ نظروں سے کچن میں داخل ہوتے عثمان کو دیکھا تھا۔

''تم بہت اچھے اداکار ہو، پریشانی چھپا کر چہرے پر مسکراہٹ سجانا خوب آتا ہے تمہیں''۔ وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

''اپنوں کی خوشی کے لیے ایسا کرنا پڑتا ہے، آج عارش کی سب سے بڑی خواہش پوری ہوگئی ہے، میرے لیے اس کی خوشی ہر چیز سے بڑھ کر اہم ہے''۔ مدھم لہجے میں بولتے ہوئے عثمان نے بغور اس کے صبیح چہرے پر پھیلی سوگواری کو دیکھا تھا۔

''اور تمہاری خوشیاں بھی''۔ اس کی ٹھوڑی کے بھنور کو شہادت کی انگلی سے چھوتا وہ دھیرے سے بولا تھا۔

''معلوم ہے''۔ نم آنکھوں سے اسے دیکھتی وہ مسکرائی تھی۔

☆..........☆..........☆

درد سے پھٹتے سر کو اس نے ہاتھوں سے تھام لیا تھا، بڑھتی اضطرابی کیفیت اسے کہیں بھاگ جانے پر مجبور کر رہی تھی، کسی پل قرار نہ تھا۔

''میں جانتا ہوں تم اندر سے مطمئن نہیں ہو، شاید مجھ سے خفا بھی ہو، لیکن تمہیں مجھ پر اتنا یقین تو ہوگا کہ میں کبھی تمہارے لیے غلط فیصلہ نہیں لے سکتا''۔ نکاح کے بعد احمد حسین نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا تھا، آنسوؤں کے سیلاب میں بہتی وہ انہیں بتا نہیں سکی تھی، اسے اللہ کے بعد ان پر ہی یقین اور بھروسہ تھا، وہ اگر اسے کھائی میں بھی کودنے کا حکم دیتے تو وہ کوئی سوال کیے بغیر ان کا حکم بجالاتی، وہ کتنی ہی ضدی اور خودسر تھی، مگر کبھی اپنے باپ کے دل کو تکلیف دینے کا گناہ نہیں کر سکتی تھی، ایک ایک کر کے کئی آنسو اس کے رخساروں پر پھسلتے چلے گئے تھے، دم گھٹ رہا تھا، سانس لینے میں وقت ہو رہی تھی، مگر وہ انجان رہنا چاہتی تھی کہ اسے ان ہیلر کی ضرورت ہے۔

''اکثر وقت گزرنے کے بعد ہمیں احساس ہوتا ہے کہ جو ہوا تھا وہی ہمارے حق میں بہتر تھا، تمہیں بھی یہ احساس ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا، اللہ نے جو تمہارے لیے چنا، اسی میں تمہاری بہتری ہے''۔ ایک بار پھر احمد حسین کی پرشفقت آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی، چہرے پر پانی کے چھینٹے ڈالتی وہ اپنے اندر سلگتی آگ کو جیسے ٹھنڈا کرنا چاہتی تھی، چیخ چیخ کر دل ہی دل میں وہ خود کو شانت کرنا چاہ رہی تھی کہ اس کے ماں باپ خوش ہیں، بے پناہ خوش ہیں اور وہ ان کی فرمانبردار ہے۔

کچن میں داخل ہوتی جہاں وہ ساکت ہوئی تھی، وہیں عارش بھی چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا، چند لمحوں کے لیے تو وہ خود بھی ساکت ہو گیا تھا، بکھرے بالوں، سرخ متورم آنکھوں نے عارش کو کئی وسوسوں کا شکار کیا تھا، وہ بس ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھی جو کافی کے مگ اٹھائے اس کی سمت ہی آ رہا تھا۔ اس کے سامنے رک کر عارش نے پہلی بار بہت استحقاق بھری نظروں سے اس کی پیشانی پر سوگوار سے بجھے بجھے دودھیا ماہ نیم کو دیکھا تھا، دل میں اسے چھو لینے کی خواہش بہت شدت سے ابھری تھی مگر..... پہلی بار عارش کو اپنے اور اس کے درمیان کوئی پردہ، کوئی حد نظر نہیں آئی تھی، یہ کیسا انوکھا اٹوٹ بندھن تھا کہ بس وہ چند ہی لمحوں میں اس کی روح تک میں سرائیت کر چکی تھی، جس کے لبوں پر اپنے نام کی مسکراہٹ دیکھنا ایک خواب تھا آج وہ اپنا ہر اختیار اسے سونپ گئی تھی، مگر زیادہ دیر تک وہ اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکا تھا۔

''تمہارے کمرے کی لائٹ آن تھی، مجھے معلوم تھا کہ تم جاگ رہی ہو، اس لیے اپنے لیے اور تمہارے لیے بھی کافی

بنانا ہے''۔ اس کی جانب دیکھے بغیر بولتے ہوئے عارش نے چائے کا مگ اس کی سمت بڑھایا تھا۔

''تم اپنے دشمن ہو''۔ اس کے مدھم بھڑکتے لہجے پر عارش نے اسے دیکھا تھا، جس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں، ایک ہی جھٹکے میں وہ چائے کا مگ اس سے لے کر فرش پر پھینکتی بس ایک پل کو رکی تھی اور اگلے ہی پل اپنے اندر چیختے چنگھاڑتے طوفان کو ضبط کرتی کچن سے نکل گئی تھی اور وہ جو بالکل دنگ ہو گیا تھا، اب فرش پر بکھری کرچیوں پر نظر ڈالتا سناٹے میں گھر گیا تھا، خرمن کا یہ جارحانہ ردعمل اسے آسمان سے کھینچ کر زمین پر بہت اچھی طرح پٹخ چکا تھا۔

☆..........☆..........☆

تخت کے کنارے بیٹھی وہ خالی خالی نظروں سے صحن میں دیکھ رہی تھی، ہر سمت عجیب سے سناٹے کا راج تھا، فاطمہ اور احمد حسین کو گئے ہوئے ابھی چند گھنٹے ہی تو ہوئے تھے، مگر در و دیوار سے برسوں کی ویرانی ٹپک رہی تھی، ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی، الجھتی سانسوں کا گولہ سینے میں پھنسنے لگا تھا۔

''مجھے بتاؤ خرمن! وہاں جا کر میں تمہارے لیے کیا مانگوں؟'' جانے سے پہلے احمد حسین نے اس سے پوچھا تھا۔

''اللہ نے مجھے ہر چیز سے تو نواز رکھا ہے، سب ہی کچھ تو ہے میرے پاس''۔ لرزتے لہجے میں بولتے ہوئے اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں، ایسی اذیت اس کے چہرے پر بکھری تھی کہ احمد حسین کا دل تڑپ اٹھا تھا۔

''تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، میں جانتا ہوں کہ مجھے تمہارے لیے کیا کچھ مانگنا ہے، تمہیں حق ہے یہ جاننے کا کہ وہ کون ہیں جو تمہیں اس جہان میں لانے کا ذریعہ تھے''۔ اسے سینے میں چھپائے احمد حسین اس کے دل میں کسی زخم کی طرح رستے اس سوال کو اپنی زبان تک لے آئے تھے، اور یہ سوال تو اس کی زندگی کا ایک ایسا خلا تھا کہ جسے پر ہونے کے لیے کسی معجزے کی ہی ضرورت تھی۔

''مجھے معاف کر دیں بابا! جانے انجانے میں، میں آپ کے دل کو اذیت پہنچا دیتی ہوں، مگر آپ بھی تو جانتے ہیں کہ دنیا کی کوئی طاقت میرے اندر پلتی محرومیوں کو مٹا نہیں سکی، یہ آپ کی ناکامی نہیں میرے دل کا ناسور ہیں''۔ کرب سے سوچتے ہوئے اس نے بے دردی سے اپنی بھیگی آنکھوں کو رگڑ ڈالا تھا۔

اپنے کمرے سے باہر نکلتے عارش نے دنگ نظروں سے اسے دیکھا تھا، تیز خنک ہواؤں سے وہ بالکل بے پرواہ تھی، حالانکہ طبیعت کی ناسازی کے باعث اس کے لیے یہ سرد ہوائیں نقصان دہ تھیں، فاطمہ اس کی طرف سے بہت پریشان تھیں، کتنی تاکیدیں اس کے حوالے سے وہ عارش کو کر گئی تھیں، کتنا کہا تھا عروسہ نے کہ فاطمہ واپسی تک خرمن کو ان کے گھر بھیج دیں، برہان اور اس کی بیوی نے بھی خرمن کو اپنے ساتھ رکھنے کی بات کی تھی، عثمان کی والدہ نے خاص طور پر براہ راست احمد حسین سے اس بارے میں بات کی تھی، مگر فاطمہ اور احمد حسین نے سب کو ایک ہی جواب دے کر خاموش کر دیا تھا کہ خرمن اگر گھر میں نہیں ہوگی، تو پھر عارش کا خیال کون رکھے گا؟ خرمن کیا سوچ رہی تھی وہ نہیں جانتا تھا، مگر اسے دلی خوشی ہوئی تھی کہ فاطمہ اور احمد حسین واقعی اس پر سب سے زیادہ بھروسہ کرتے تھے، اس کا صحیح معنوں میں احساس عارش کو آج ہوا تھا، اور سچ تو یہ تھا کہ وہ خود بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی خرمن کو اس سے الگ کر دے، نہ چند دنوں کے لیے نہ چند گھنٹوں کے لیے۔

(جاری ہے....)

☆..........☆..........☆

افسانہ

محبت یا فرض

منابل کی آج برتھ ڈے کا دن تھا، علی نے اسے ایک بہت شاندار سے ہوٹل میں سیلیبریٹ کرنے کے لیے بلایا تھا، منابل بہت حیران سی بیٹھی تھی کہ آج علی نے اس کی برتھ ڈے پر اسے ہوٹل میں انوائٹ کیا ہے، تبھی وہ علی سے

مخاطب ہوئی۔

"تھینک یو سو مچ علی! اتنے شاندار سے ڈنر کے لیے"۔ وہ بہت ستائشی نظروں سے علی کو دیکھ کر بولی تو علی بولا۔

"تمہیں کھانا اچھا لگا ناں، اس ریسٹورنٹ کا؟" علی ہنس کر بولا۔

"ہاں کافی ٹیسٹی تھا، تھینک یو سو مچ علی! اتنے شاندار سے ڈنر کے لیے"۔ منابل مسکرائی۔

"کسی دن اماں اور ماموں وغیرہ کے ساتھ بھی آئیں گے یہاں"۔ وہ جوش سے بولی۔

"ہاں انکل، آنٹی کی ویڈنگ اینیورسری یہیں سیلیبریٹ کریں گے، آئی ایم شیور انکل کو یہاں کا کھانا بہت پسند آئے گا"۔ وہ پر یقین تھا۔

"ویسے ایک بات تو بتاؤ علی! تم نے آج مجھے یہ اتنے سارے گفٹس کیسے دے دیئے؟ پہلے تو ایک بھی اتنی مشکل سے دیتے تھے، مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ میرا لاسٹ برتھ ڈے ہو"۔ وہ شرارت سے اسے چھیڑتے ہوئے بولی۔

"منابل! فضول باتیں نہیں کرو"۔ وہ جلدی سے

بولا۔

''او کے بھئی! نہیں کرتی، تم غصہ تو نہ کرو پلیز، اور مجھے ذرا جلدی گھر ڈراپ کرو بابا میرا انتظار کر رہے ہوں گے''۔ وہ اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے بولی۔

☆.....☆.....☆

وہ جیسے ہی آفس پہنچی اسے سر نے اپنے روم میں بلا لیا تھا۔

''سر! میں آپ کو یقین دلاتی ہوں، میں اپنا کام پوری ایمانداری سے کروں گی انشاء اللہ!'' وہ پرعزم لہجے میں بولی۔

''مناہل! آپ نے یہ کام ایمانداری اور نہایت ہوشیاری سے بھی کرنا ہے، یہ بہت رسکی ہے، آپ جانتی ہیں نا یہ ایک نہایت ہی خطرناک نیٹ ورک ہے''۔ وہ اسے باخبر کرتے ہوئے بولے۔

''جی سر! خطرناک کے ساتھ ساتھ انتہائی مطلوب بھی، مجھے خوشی ہے سر! آپ نے اتنے اہم مشن کے لیے مجھے سلیکٹ کیا، مجھے خوشی ہے میں انسانیت اور اپنے ملک کے شہریوں کے لیے کچھ کرنے جا رہی ہوں''۔ وہ پرجوش اور عزم سے بولی۔

☆.....☆.....☆

''ہیلو علی! مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے بزی تو نہیں ہو؟''

''نہیں تم بیورو آ جاؤ''۔ وہ سر سیٹ کی پشت سے لگاتے ہوئے بولا۔

''او کے میں آ رہی ہوں''۔ وہ جلدی سے بولی، پھر وہ سیدھی علی کے آفس پہنچ گئی تو علی اسے دیکھتے ہی بولا۔

''بولو مناہل! کیا بات ہے؟''

''وہ علی.....!'' وہ بولتے بولتے رک گئی۔

''کیا ہوا بولو ناں جلدی''۔ اسے جاننے کی بے چینی تھی۔

''علی! مجھے سر احمر نے ایک نیا ٹاسک سونپا ہے''۔

''اچھا کیا کام دے دیا اب تمہیں سر نے؟'' وہ تفصیل بتانے لگی۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ جانتی بھی ہو یہ کتنا خطرناک کام ہے، تم سر احمر سے ایکسکیوز کر لو''۔ علی نے پوری بات سننے کے بعد فوراً کہا۔

''نہیں علی! میں سر احمر سے ایکسکیوز نہیں کروں گی، یہ میرے لیے گولڈن چانس ہے، تم تو جانتے ہو ایسے مشنز پر کام کرنا میرے بچپن کا خواب تھا، میں بہت خوش ہوں کہ سر احمر نے اتنے اہم مشن کے لیے مجھے منتخب کیا، میں اس طرح اپنے ملک کا کچھ تو قرض اتار پاؤں گی''۔

''مگر تم یہ سب کیسے مینج کر پاؤ گی؟ تم نئی ہو ابھی اس فیلڈ میں''۔ علی کو اس کی فکر تھی۔

''نئی ہوں اسی لیے تو مجھے سلیکٹ کیا گیا ہے، کیوں کہ مجھے ابھی زیادہ لوگ نہیں جانتے اور اس مشن کی Requirement یہی ہے، تم فکر نہ کرو، میں سب کچھ مینج کر لوں گی۔ جب جذبہ سچا ہو تو چاہے کتنی ہی مشکلیں آ جائیں وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں''۔ اس کے لہجے میں ایک پختہ عزم تھا۔

''وہ سب تو صحیح ہے مناہل! مگر پھر بھی تم سب کچھ سوچ سمجھ کر کرنا''۔ اس نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''علی! ایک اور بات بابا بتا رہے تھے، آنٹی ہماری شادی کی ڈیٹ فکس کرنے کا کہہ رہی ہیں، تم پلیز ان سے کہو کہ وہ شادی تھوڑی delay کر دیں''۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ اماں صرف تمہاری اسٹڈیز کمپلیٹ ہونے کا انتظار کر رہی تھیں، اب تو بی جان نے بھی ہماری شادی کی رٹ لگائی ہوئی ہے، وہ کہتی ہیں نمرہ (علی کی بہن) کی شادی سے پہلے وہ میری شادی کریں گی''۔ علی نے اسے صورتحال سے آگاہ کیا۔

''علی! تم پلیز آنٹی اور بی جان کو سمجھاؤ، پہلے کی بات اور تھی مگر اب یہ مشن، اس پر میرا کام کرنا بہت ضروری ہے، سر چاہتے ہیں جلد سے جلد اس پر کام شروع کیا جائے اور پھر پتہ نہیں اس کام میں کتنا عرصہ لگ جائے، تم پلیز کوآپریٹ کرو میرے ساتھ''۔ وہ لجاجت سے بولی۔

''او کے، تمہاری بات میں کبھی ٹال سکتا ہوں بھلا، اور ہمارا کوآپریٹ آپ کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اچھا یہ بتاؤ کیا لوگی، سینڈوچ منگوا لوں؟'' وہ محبت سے بولا۔

''ہاں بٹ، مرنڈا بھی ساتھ میں منگوانا''۔ وہ پرسکون لہجے میں بولی۔

☆.....☆.....☆

''آخر تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟ تم ہر بار مجھ سے ہی کیوں ٹکراتی ہو؟'' وہ غصے سے جھنجھلا کر بولا۔

''ایکسکیوزمی مسٹر XYZ! میں کوئی جان بوجھ کر آپ سے نہیں ٹکرائی، یہ محض ایک اتفاق ہے''۔ وہ تنفر سے بولی۔

''ہونہہ برا اتفاق''۔ وہ نخوت سے بولا۔

''ارے! یہ تو وہی لڑکی ہے، پاگل تو تھی ہی اندھی بھی ہے، آج پتہ چلا''۔ وہ جھنجھلایا۔

''پانی، پانی!'' وہ بری طرح پانی مانگ رہی تھی۔

''پاگل لڑکی! اب میں تمہیں پانی کہاں سے لا کر دوں؟ گاڑی میں پٹرول ہے وہی لا دوں، اوہ اس کا تو کافی خون بہہ گیا ہے، بے ہوش بھی ہو گئی ہے اسے فوراً اسپتال لے کر جانا پڑے گا، مگر میں اسپتال.....!'' پھر وہ اسے تیزی سے اٹھا کر اپنی گاڑی کی جانب بڑھا تھا اور گاڑی گھر کے راستے پر ڈال دی تھی۔

''م...م...میں کہاں ہوں؟'' وہ ہوش میں آتے ہی گھبرا کر بولی۔

''اوہ...تم!'' وہ اسے ہوش میں آتا دیکھ کر قریب آیا تھا۔

''جی میں''۔

''آپ محترمہ اس وقت میرے گھر میں موجود ہیں''۔

''کیا...میں تمہارے گھر میں کیسے؟'' وہ گھبرا کر بولی۔

''کل رات آپ اندھوں کی طرح چل رہی تھیں اور میری گاڑی سے ٹکرا گئی تھیں''۔ وہ غصے سے بولا۔

''تو تم مجھے اسپتال لے جانے کے بجائے اپنے گھر کیوں لے آئے؟ کیا اسپتال لے جانے کے پیسے نہیں تھے جو مجھے یہاں لے آئے یا پھر تم ایکسیڈنٹ سے ڈر گئے تھے؟'' وہ سوال پر سوال کیے جا رہی تھی۔

''چپ کرو پاگل لڑکی! دماغ مت کھاؤ میرا''۔ وہ چڑ کر بولا۔ تبھی اس کا فون بجنے لگا اس نے کال ریسیو کر لی۔

''معافی، معافی باس! کل والے کام میں دیر ہو گئی، کل رات ایک لڑکی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا مجھ سے، آئندہ دیر نہیں ہو گی''۔ وہ گھبرا کر جلدی جلدی بول رہا تھا۔

''آخر تم مجھے بتاتے کیوں نہیں ہو مجھے یہاں قید کیوں کر رکھا ہے؟ تم نے میرا موبائل فون بھی لے لیا، واپس دو میرا فون''۔

''اے لڑکی! شور مت مچاؤ، یہاں پر جو بھی آتا ہے واپس نہیں جاتا، تم بھی اب کبھی واپس نہیں جا سکتیں، اس لیے شور مچانا اور رونا دھونا بند کرو''۔ وہ غصے سے اسے ڈانٹنے لگا۔

''کیوں میں یہاں سے واپس نہیں جا سکتی؟''

''آرام سے بات.....سمجھ نہیں آ رہی تمہیں؟ دیکھو مجھے سختی پر مجبور نہ کرو''۔ وہ اس کو وارن کرتا روم سے نکل گیا اور وہ خالی کمرے کو تکتی رہ گئی، جاتے جاتے وہ دروازہ بند کرنا نہیں بھولا تھا۔

☆.....☆.....☆

''چائے...!'' وہ چائے کا کپ لیے اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''کس لیے؟'' اس نے چونک کر پوچھا۔

''تمہارے لیے اور کس کے لیے، اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟ میں تمہاری طرح ظالم نہیں، اپنے لیے بنائی تھی سوچا تمہیں بھی دے دوں''۔ وہ اطمینان بھرے لہجے میں بولی۔

''اچھا اچھا اب جاؤ یہاں سے''۔

''پتہ نہیں کیا کام کرتے ہو، ہر وقت وحشیوں کی طرح دھاڑتے رہتے ہو، ویسے تم کام کیا کرتے ہو؟'' وہ تجسس سے بولی۔

''لڑکی! زیادہ فری ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، جاؤ یہاں سے''۔ وہ کچھ چیخ کر بولا۔

☆.....☆.....☆

''تم نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟ میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں لڑکی!'' وہ اس کے کمرے میں کھانے کی ٹرے کو یوں ہی پڑا دیکھ کر بولا۔

''پہلی بات تو یہ کہ میرا نام لڑکی نہیں ماہی ہے اور رہی بات کھانے کی تو میرا دل نہیں چاہ رہا، پچھلے ایک ماہ سے تم نے مجھے یہاں قید کر رکھا ہے، دم گھٹتا ہے میرا اس کوٹھڑی میں''۔ وہ اداس لہجے میں بولی۔

''اب دنوں اور مہینوں کا حساب لگانا چھوڑ دو، اب تمہیں ساری زندگی یہیں قید رہنا ہے اور اس اتنے عالیشان بے گھر کو کوٹھڑی کہنا زیادتی ہے، تمہیں یہاں سب سہولیات تو میسر ہیں''۔

''میں نے اتنے دنوں سے آسمان کو نہیں دیکھا، کھلی فضا میں سانس نہیں لیا، میں کتنا گھٹن محسوس کرتی ہوں اپنی فیملی کو اور تم بات کرتے ہو سہولیات کی''۔

''ارے آج سورج کہاں سے نکلا ہے، تم اور رو رہی ہو؟''

''تم میری بے بسی کا مذاق اڑا رہے ہو؟''

''نہیں، اچھا اب یہ رونا دھونا بند کرو، میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لاتا ہوں''۔ وہ نرم لہجے میں بولتا پلٹا تھا۔

''شکر ہے اس کا رویہ تو بدلا میرے ساتھ''۔ وہ دل ہی دل میں بولی۔

☆.....☆.....☆

''وہ سب تو ٹھیک ہے بیٹا! مگر آپ نے اس بارے میں علی سے ڈسکس کیا؟'' ان کے لہجے میں اس کے لیے فکر تھی۔

''جی بابا! میں گئی تھی کل بیورو''۔ وہ نرم لہجے میں بولی۔

''پھر کیا کہا اس نے بیٹا؟'' وہ سوالیہ لہجے میں بولے۔

''وہ مان گیا اور کہہ رہا تھا جس بھی قسم کی ہیلپ کی ضرورت ہو تو اس سے کانٹیکٹ کرلوں''۔

''مان گیا مگر منا ہل بیٹا...!'' وہ تذبذب میں تھے۔

''بابا! میں نے اسے شادی والی بات نہیں بتائی ہے''۔

''مگر کیوں بیٹا! وہ آپ کا منگیتر ہے، اس کے علم میں ہر بات کا ہونا ضروری ہے''۔ انہوں نے اسے سمجھانا چاہا۔

''صحیح وقت آنے پر بتا دوں گی''۔ وہ بے فکری سے بولی۔

''نہیں بیٹا! آپ ابھی علی کو ساری بات بتائیں گی اور ویسے بھی جب اسے احمر صاحب سے پتہ چلے گا تو وہ بہت ہرٹ ہوگا، ہر قدم سوچ سمجھ کر رکھنا ہے بیٹا! آپ کو زندگی کے معاملات اور رشتوں کی ڈوریں بڑی نازک ہوتی ہے''۔

''بابا! میں آج ہی علی کو فون کر کے بتا دوں گی، اور آپ فکر نہیں کریں، میں سب سنبھال لوں گی انشاء اللہ! آپ بس میرے لیے دعا کریں اللہ مجھے اس مشن میں کامیابی دے''۔ وہ پرعزم لہجے میں بولی۔

''ماں باپ کی دعائیں تو اولاد کے ساتھ ہمیشہ ہوتی ہیں''۔ وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے روم سے باہر چلے گئے۔

''تمہیں پتہ بھی ہے تم کیا کہہ رہی ہو؟''

''علی پلیز! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو، تم تو کہتے تھے کہ تم ہر کام میں میرا ساتھ دو گے، میں خود کو کبھی اکیلا نہیں پاؤں گی، تمہاری سپورٹ ہمیشہ میرے ساتھ ہوگی''۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے بولی۔

''ماہی! میں تمہارا ساتھ دے رہا ہوں اور ہمیشہ دیتا رہوں گا، مگر یہ بات قابل برداشت نہیں میرے لیے، تم سر احمر سے کہو کہ وہ شادی والی بات ختم کریں''۔ علی اس کے ہاتھ جھٹک کر بولا۔

''علی! سر احمر نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے، تم اس کیس کی نزاکت کو تو سمجھو پلیز''۔ اس نے منت بھرے لہجے میں کہا تو علی اس کی طرف دیکھ کر خاموش بیٹھا رہ گیا۔

☆.....☆.....☆

''اگر تم نے مجھے اسی طرح قید کر کے رکھنا ہے تو تم مجھ پر ایک احسان کردو پلیز، تم مجھ سے نکاح کرلو، میں اس طرح تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی''۔ وہ التجا کرتے ہوئے رو پڑی اور پھر اس کے آنسوؤں کو دیکھتے ہوئے اس نے اسی شام اس سے نکاح کرلیا تھا، مگر دونوں کے بیچ فاصلے ہنوز باقی تھے۔

''تم نے آج تک اپنے بارے میں نہیں بتایا؟'' وہ اس کے بارے میں سب جان لینا چاہتی تھی۔

''کیا کرو گی جان کر؟ کچھ نہیں میرے پاس بتانے کو''۔

''تم مجھے اپنا دوست مانتے ہو ناں اور پھر بیوی ہوں تمہاری، کیا میرا اتنا حق نہیں کہ تمہارے بارے میں جان سکوں؟''

''حق ہے بالکل ہے، مگر ایک دہشت گرد تمہیں اپنے بارے میں کیا بتائے، یہ کہ اب تک کہاں کہاں اور کتنے بم دھماکے کر چکا ہوں''۔ وہ دکھی لہجے میں بولا۔

''ک.....کیا.....یہ تم کیا کہہ رہے ہو، تم دہشت گرد ہو؟'' وہ خوفزدہ سی بولی۔

''ہاں میں ایک دہشت گرد ہوں اور تم ایک دہشت گرد کی بیوی ہو''۔ وہ چیختے ہوئے اٹھ کر وہاں سے باہر چلا گیا تھا اور وہ اس کے جانے کے بعد ساکت سی بیٹھی رہ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

''ہیلو!'' مناہل بولی۔

''بولو! سن رہا ہوں''۔ اس کے لہجے میں ناراضی تھی۔

''علی پلیز! تم ایسا تو مت کرو، آج رات سے مجھے اپنے مشن پر روانہ ہونا ہے اور تم مجھے Good Luck کہنے کے بجائے میری ہمت بڑھانے کے بجائے ناراض بیٹھے ہو مجھ سے، تم اگر ناراض رہو گے تو میں اپنے اتنے اہم مشن پر بھی اداس رہوں گی، تم جانتے ہو ناں علی! تم میرے لیے کتنے امپورٹنڈ ہو، تم میرے بیسٹ فرینڈ ہو''۔ وہ محبت بھرے لہجے میں بولی۔

''مناہل! میں تم سے ملنا چاہتا ہوں''۔ وہ ہار مانتے ہوئے بولا۔

''ہاں میں بھی تم سے ملنا چاہتی ہوں، گھر آجاؤ تم پلیز، میرے پاس اتنا ٹائم نہیں کہ میں آسکوں تم سے ملنے، دو گھنٹے بعد مجھے سر احمر سے بھی ملنا ہے''۔

''او کے میں بس 15 منٹ میں آرہا ہوں''۔ وہ سیل فون بند کرتے ہوئے ٹیبل سے چابیاں اٹھاتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔

''بابا!''

''جی بابا کی جان؟'' وہ محبت سے اسے دیکھ کر بولے۔

''بابا! میں آج رات اپنے مشن کے لیے روانہ ہورہی ہوں، اس لیے چاہتی ہوں کچھ وقت آپ کے ساتھ گزاروں''۔ وہ ان کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

بابا نے مناہل کو اپنے کندھے سے لگالیا تھا، مناہل ان کی اکلوتی بیٹی تھی اور کل متاع تھی اسے خود سے الگ اتنے خطرناک مشن پر بھیجتے ہوئے وہ بھی فکرمند تھے اور اداس بھی، مگر مناہل کے جذبے کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اسے اجازت دے دی تھی۔ انہوں نے ہمیشہ مناہل کو حب الوطنی اور ملک کے لیے کچھ کرنے کی تلقین کی تھی۔

''بابا! آج اماں ہوتیں تو میں ان کے گلے لگ کر ڈھیر ساری دعاؤں کے ساتھ اپنے مشن پر روانہ ہوتی، آج میں اماں کو بہت مس کررہی ہوں''۔ وہ اداسی سے بولی۔

''مناہل! میری جان، آپ کی اماں آپ کے ساتھ موجود نہیں تو کیا ہوا، ان کی دعائیں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہیں، آپ کی اماں بھی میری طرح آپ پر فخر کرتی ہوں گی کہ اللہ نے ہمیں اتنی بہادر بیٹی کا ماں باپ بنایا''۔ وہ محبت سے بولے۔

''بابا! میرے لیے یہ مشن اس لیے بہت اہم ہے کیونکہ یہ میرے ملک کے دشمنوں کے خلاف ہے، ایک ایسے گروہ کے خلاف ہے جو میرے ملک کے معصوم لوگوں کی زندگیوں کو پل میں ختم کردیتا ہے، مگر مجھے پتہ نہیں ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے میں اپنا کچھ کھو رہی ہوں''۔ وہ ہنوز اداس لہجے میں بول رہی تھی۔

''ارے مناہل بیٹا! ایسی باتیں نہیں کرتے، آپ نے جو قدم اپنے ملک کے دشمنوں کے خلاف اٹھائے ہیں ان پر ثابت قدم رہنا ہے، اللہ آپ کی مدد کرے گا اور پھر آپ کے بابا کی بھی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں''۔ وہ تسلی بھرے لہجے میں اس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے بولے تبھی ملازم آکر بولا۔

''مناہل بی بی! علی صاحب آئے ہیں، آپ کا پوچھ رہے ہیں، میں نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھادیا ہے''۔

''بابا! وہ میں نے علی کو بلایا تھا ملنے کے لیے''۔ وہ انہیں انفارم کرتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے بیٹا! آپ جایئے میں بھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں''۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام!''

''یہ تمہارے لیے...!'' وہ فلاور بوکے آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''واؤ... فلاورز، تھینکس، اس کا مطلب ہے کہ اب ناراضی ختم؟''

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو علی؟'' وہ اس کی نظروں سے کنفیوژ ہوتے ہوئے بولی۔

''آخری بار دیکھ رہا ہوں اپنے حق سے، اس کے بعد تم میری ہو یا نہیں یہ تو قسمت جانے''۔ وہ اسے آنکھوں کے حصار میں لیتے ہوئے بولا۔

''علی پلیز! ایسی باتیں مت کرو، میں واپس آؤں گی''۔

''ہاں واپس آؤ گی مناہل! انشاء اللہ مگر پتہ نہیں مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے میں تمہیں ہمیشہ کے لیے کھو رہا ہوں''۔ وہ اداس لہجے میں بولا۔

''علی! ایک بات یاد رکھنا، منگیتر ہونے کا حق رہے یا نہ رہے مگر ایک دوست ہونے کا حق تمہارا مجھ پر ہمیشہ رہے گا، تم میرے بہت اچھے دوست ہو، میری زندگی میں بابا اور تمہارے علاوہ کوئی نہیں، تم نے میرا ہر قدم پر ساتھ دیا ہے، ہمیشہ میری رہنمائی کی ہے''۔

''تم مجھے ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤ گی، میں یہ دعا کرتا ہوں کہ ماموں اور میں ہی ہمیشہ تمہارے لیے اہم رہیں،

میری جگہ کوئی اور نہ لے''۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے دل سے بولا۔

''تمہاری جگہ کوئی اور لے بھی نہیں سکتا علی! اب مجھے سر احمر کے پاس جانا ہے، بیورو سے بھی کال آرہی ہے، تم پلیز میرے پیچھے بابا کا خیال رکھنا''۔

''تم فکر مت کرو، میں ایک دو دن بعد ماموں کو گھر لے جاؤں گا''۔ وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔

''علی! میں لوٹوں گی ضرور انشاء اللہ!''

''ہاں تم لوٹو گی مناہل! مگر میری مناہل ہوگی تب بھی یا نہیں یہ خدا جانے، اللہ حافظ اینڈ Good Luck'' وہ یہ کہتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔

☆.....☆.....☆

''تمہارا اتنا بڑا نیٹ ورک ہے؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''ہاں اور اس پورے کو میں اکیلا ہینڈل کرتا ہوں، باس تو بس آرڈر دیتا ہے کہ کہاں ٹارگٹ کرنا ہے، باقی سارا کام میرا ہے، جانتی ہو ماہی! میرے باس نے میری زندگی میں رنگ بھر دیئے، پتہ ہے کیسے؟ اس رات جب تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور میں تمہیں گھر لے آیا تھا، کیوں کہ میں نے اس وقت اپنا گیٹ اپ نہیں بدلا ہوا تھا، میں تمہیں ہاسپٹل نہیں لے کر جاسکتا تھا، ویسے ہی ایکسیڈنٹ کیس تھا، پوچھ گچھ شروع ہوجاتی تو میرے لیے مسئلہ ہوجاتا، تمہارے ٹھیک ہونے پر میں تمہیں تمہارے گھر واپس چھوڑنا چاہتا تھا، مگر باس کا حکم تھا کہ تم اس گھر میں آگئی ہو، تمہیں ہمارے بارے میں پتہ چل گیا ہے کہ ہم کچھ غلط کرتے ہیں، اگر تمہیں باہر چھوڑا تو تم ہمارے لیے مسئلہ بن سکتی ہو، ماہی! تم نے مجھ پر ایسا کیا جادو کیا ہے کہ مجھ جیسا سخت انسان تم سے محبت کر بیٹھا ہے، ماہی! تم نے میری زندگی میں رنگ بھر دیئے ہیں، مجھے تمہاری عادت سی ہوگئی ہے، پلیز ماہی! مجھے کبھی چھوڑ کر مت جانا، مجھے کبھی دھوکہ مت دینا وعدہ کرو ماہی! مجھے کبھی چھوڑ کر نہیں جاؤ گی اور نہ ہی کبھی دھوکہ دو گی''۔ وہ محبت سے اس کا ہاتھ تھامے بولے جارہا تھا۔ اس لمحے پہلی بار مناہل کو لگا تھا، جیسے یہ جو کچھ ہورہا ہے ٹھیک نہیں ہورہا۔

''آج تو تم بہت حسین لگ رہی ہو''۔ وہ اس کے بال چہرے سے ہٹاتے ہوئے اسے بڑی پرشوق نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''تم دہشت گرد بھی رومینٹک ہوتے ہو؟'' وہ شرارت سے بولی۔

''کیوں.... کیا ہم دہشت گردوں کا دل نہیں ہوتا؟'' وہ چڑ کر بولا۔

''ہاں نہیں ہوتا، جبھی تم لوگ ماؤں کا دل چیر دیتے ہو، زندہ دلوں کو مردہ کردیتے ہو، لوگوں کی ہنستی بستی زندگیوں کو پل بھر میں ختم کردیتے ہو، لمحہ لگاتے ہو تم دہشت گرد لوگوں کی خوشیوں کو غموں کے اندھیروں میں دھکیلتے ہوئے''۔ وہ تنفر سے بولے جارہی تھی۔

''ماہی! تم سے کتنی بار کہا ہے مجھ سے اس طرح کی باتیں مت کیا کرو''۔ تبھی اس کا سیل بجنے لگا تو اس نے کال ریسیو کرلی۔

''ہاں باس! ہوگیا کام، شام کو خبروں میں ہماری کامیابی دیکھنا، ہاہاہاہا! ہاں میں تو کہتا ہوں ان نیوز چینل والوں کا کام ہماری وجہ سے ہی چل رہا ہے، اب سارا وقت روتے رہیں گے اسی واقعے کو''۔ وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا اور ماہی دکھ اور بے بسی سے اسے دیکھے جارہی تھی۔

☆.....☆.....☆

''مناہل! ہم نے آپ کے ساتھ چیپ فٹ کردیا ہے، اس سے ہمیں پتہ چلتا رہے گا سب، آپ کو اگر ہم سے فوری رابطہ کرنا ہو تو یہ ڈیوائس ہے، آپ اس کے استعمال

سے ہم سے رابطہ کر سکتی ہیں، مگر آپ کو نہایت ہی ہوشیاری سے سب کام کرنا ہے، ابھی آپ کا ہم گیٹ اپ بھی چینج کر رہے ہیں، آپ کو بالکل بھی نہیں بھولنا کہ وہ لوگ خطرناک ہیں، یہ بہت رسکی کام ہے، آپ کو اس کے سامنے اپنے آپ کو مختلف شو کرنا ہے، یہ بیگ آپ اپنے ساتھ لے کر جائیں گی، اس میں آپ کا شناختی کارڈ، ڈرائیونگ لائسنس ودیگر اہم کاغذات ہیں اور ایک موبائل فون بھی ہے جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ آپ لندن میں رہتی ہیں پاکستان کچھ عرصے کے لیے آئی ہوئی ہیں، مناہل! مجھے میری ٹیم کو اور ہمارے ادارے کو آپ سے بہت امیدیں ہیں، گڈ لک ... بٹ بی کیئرفل"۔ سر احمر اسے مشن سے متعلق اہم باتیں بتاتے ہوئے سمجھا رہے تھے وہ سیکورٹی فورس میں تھی اور اس نے حال ہی میں اس ادارے کو جوائن کیا تھا، اپنے معصوم چہرے اور کم عمری کی وجہ سے وہ کہیں سے بھی سیکورٹی ادارے سے منسلک نہیں لگتی تھی بلکہ یوں لگتا تھا کوئی کالج کی لڑکی ہو۔

"او کے سر! انشاء اللہ میں آپ سب کی امیدوں پر پورا اترنے کی کوشش کروں گی"۔ وہ سر احمر کو یقین دلاتے ہوئے بیگ اٹھائے باہر کی جانب بڑھ گئی۔

☆.....☆.....☆

"ہائے میرے خدا! تین دھماکے ایک ساتھ، ظالموں نے مسجد اور کالج کو بھی نہیں چھوڑا، نمازی اور طالب علموں کو بھی نہیں بخشا"۔ وہ نیوز چینل دیکھتے ہوئے بولی۔

"ٹی وی بند کر دو ماہی! اب یہ رونا دھونا کس خوشی میں ہو رہا ہے؟" وہ اسے روتے ہوئے دیکھ کر بولا۔

"فراز! تم کہتے ہو تم مجھ سے محبت کرتے ہو، میں تمہارے لیے بہت اہم ہوں، سوچو اگر اس دہشت گردی کا نشانہ میں بن جاتی تو؟"

"بکواس مت کرو ماہی!" وہ کانپ سا گیا یہ سن کر۔

"یہ بکواس نہیں ہے، جس طرح تم مجھے کھونے سے ڈرتے ہو، اسی طرح کتنے ہی لوگ اپنے پیاروں کو کھونے کا سوچ بھی نہیں سکتے، مگر تم لوگ ان سے ان کے پیارے چھین لیتے ہو، زندگیوں کو راکھ میں ملا دیتے ہو، معصوم بچے تو پھول ہوتے ہیں، تم لوگ ان پھولوں کو بھی مسل دیتے ہو"۔

"بس ماہی! اسٹاپ....!" وہ چیختے ہوئے بولا۔

"فراز.... تم!"

"بس اب ایک لفظ اور نہیں"۔ وہ میز کو ٹھوکر مارتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔

"میں کچھ زیادہ ہی ایموشنل ہوگئی ہوں اس کے سامنے اس طرح کام خراب ہوسکتا ہے، مگر میں کیا کروں میرے اللہ! میں یہ سب اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتا دیکھ کر خاموش کیسے رہوں، کیسے برداشت کروں یہ سب؟" وہ بے بسی سے سر تھامتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

"تم اپنا غصہ کھانے پر کیوں نکال رہے ہو؟" وہ ٹرے اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔

"تمہیں کیا میں کھاؤں یا نہیں، ویسے بھی تم تو مجھ سے نفرت کرتی ہو، میں تو بہت برا ہوں"۔ وہ غصے سے بولا۔

"میں تمہارے کام کو برا سمجھتی ہوں، اسی لیے تم سے کہتی ہوں اس کام کو چھوڑ دو"۔ وہ محبت سے بولی۔

"اور میں تمہیں ہزار بار کہہ چکا ہوں کہ میں یہ کام نہیں چھوڑ سکتا، مر جاؤں گا مگر یہ کام نہیں چھوڑوں گا"۔ وہ سختی سے بولا۔

"تم برائی کو کیوں نہیں چھوڑ سکتے، اچھائی کی راہ کیوں نہیں اپنا سکتے؟" وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"تم یہ اپنا درس دینا بند کرو، یہ اچھائی، برائی کی باتیں اپنے پاس رکھو"۔ وہ اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولا، تبھی اس کا

سیل بجنے لگا۔

"ہاں شیر! بول کیا ہوا ہے؟ کیا....! یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟ ٹھیک ہے تم سب کو الرٹ رہنے کو کہہ دو"۔ وہ سیل بند کرتے ہوئے بولا۔

"کیا ہوا ہے؟" ماہی جلدی سے پوچھنے لگی۔

"ہمارے کچھ بندے پکڑے گئے ہیں، ہمارے شمالی علاقے والے اڈے کا سیکورٹی ادارے والوں کو پتہ چل گیا ہے، وہاں اس وقت سیکورٹی اہلکاروں میں اور ہمارے بندوں میں جھڑپ ہو رہی ہے، مجھے تو یہ سمجھ نہیں آ رہا ہمارے خفیہ اڈے کا آخر انہیں پتہ کیسے چل گیا، کوئی بہت بڑی سازش ہو رہی ہے، کوئی ہماری مخبری کر رہا ہے، پتہ چل جائے ایک دفعہ چھوڑوں گا نہیں اس کو"۔ وہ غصے سے بولے جا رہا تھا اور ماہی اس کا چہرہ دیکھے جا رہی تھی، تبھی وہ واش روم کی جانب بڑھ گیا تو ماہی نے جلدی سے اس کا سیل فون اٹھا لیا۔

"اف پتہ نہیں ایک تو اس کے باس کے کتنے نمبر ہیں، سارے نمبرز ہی میں سر احمر کو دے دیتی ہوں"۔ وہ نمبر نوٹ کرتے ہوئے خود سے بولی۔

"مناہل! میرا فون دینا مجھے جلدی"۔ وہ واش روم سے باہر آتے ہوئے بولا۔

"فو... فون کہاں ہے، مجھے نہیں پتہ کہاں ہے"۔ وہ گھبرا کر بولی۔

"یہ رہا... تم اس ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو حیرت ہے تمہیں نظر نہیں آیا"۔ وہ سیل فون اٹھاتے ہوئے بولا۔

"وہ میں پانی پی رہی تھی، تو میرا دھیان نہیں گیا اس طرف"۔ وہ جلدی سے اپنی صفائی میں بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے"۔ وہ یہ کہتا باہر نکل گیا۔

"شکر آج تو میں بال بال بچ گئی، ورنہ آج تو مجھے فراز نے پکڑ لینا تھا"۔ وہ شکر کا سانس لیتی خود سے بولی۔

"اے اللہ! یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟ مجھے ایک دہشت گرد سے محبت کیسے ہوسکتی ہے؟ میرے اللہ! میرے لیے اپنے فرض یا محبت میں سے کسی ایک کو چننا مشکل ہے، میری مدد فرما میرے مالک!" وہ نماز پڑھتے ہوئے دعا کر رہی تھی، آنسو پلکوں کی اوڑھ سے گرتے چلے جا رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

"صاب! پپو آیا ہے"۔ ملازم نے آ کر بتایا تھا۔

"ٹھیک ہے بھیجو اسے"۔ وہ چیئر سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"یہ کیا بکواس کر رہا ہے تُو؟" وہ غصے سے چیخا۔

"پکی خبر لایا ہوں فراز! جو کرنا ہے جلدی کر، ایک گھنٹے کے اندر اندر ریڈ پڑنے والا ہے"۔ پپو اسے انفارم کرنے آیا تھا۔

"ہاں باس! میں اپنا یہ اڈہ چھوڑ رہا ہوں، پپو ریڈ کی خبر لایا ہے، ہاں میں نئے اڈے کا کسی کو نہیں بتا رہا کوئی ہے جو مخبری کر رہا ہے اس مسئلے سے نمٹ لوں، ذرا پھر اس سے نمٹوں گا، جلدی کرو نکلو یہاں سے"۔ وہ ماہی کے پاس آتے ہوئے بولا، پپو جا چکا تھا۔

"کس بات کی جلدی؟" ماہی گھبرا کر بولی۔

"یہاں ریڈ پڑنے والا ہے جلدی نکلو"۔ وہ ضروری سامان اٹھاتے ہوئے بولا۔

"مگر اب ہم جا کہاں رہے ہیں؟" وہ اس سے پوچھنے لگی۔

"یہ تمہارا جاننا ضروری نہیں"۔ وہ سخت لہجے میں بولا۔

"پلیز بتاؤ تو صحیح؟" وہ بضد تھی۔

"تم جان کر کیا کرو گی اور تم یہ خود جان کر دیر کیوں کر رہی ہو؟ فکر نہیں کرو تمہیں محفوظ جگہ لے کر جا رہا ہوں، اب بیٹھو گاڑی میں جلدی سے"۔ وہ اسے گاڑی میں بیٹھنے کا

بولتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ پر خود بھی جلدی سے بیٹھا تھا اور گاڑی جلد ہی فراٹے بھرتی اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی، پھر وہ شہر سے دور ایک گھر کے پاس جا کے رکے تھے۔

"یہ ہم کہاں آ گئے ہیں؟"

"جہاں بھی ہیں اب یہاں پر کوئی نہیں پہنچ سکتا کوئی ہمیں نہیں ڈھونڈ سکتا"۔ وہ پراطمینان لہجے میں بولا۔

"فراز ے! میں نے پتہ لگا لیا ہمارے خلاف آپریشن کو علی لیڈ کر رہا ہے"۔ پپو نے کال پر بتا دیا تھا۔

"تو تم نے اسے ایسے ہی چھوڑ رکھا ہے؟ اڑا دے فوراً"۔

"ٹھیک ہے میں کچھ کرتا ہوں، آج ہی اس کا کام ختم کرواتے ہیں"۔ فراز نے پپو سے بات ختم کرتے ہوئے سیل آف کیا تھا اور اندر کی جانب بڑھ گیا، ماہی اس کے پیچھے تھی اس نے بھی پوری بات سن لی تھی۔

"یا اللہ خیر! علی کی حفاظت فرما، اسے ان درندوں سے محفوظ رکھ"۔ وہ دل ہی دل میں دعا کرنے لگی۔

"یہ تمہاری حالت کو کیا ہوا ہے؟" وہ پیچھے مڑ کر بولا۔

"ک.....کچھ نہیں"۔ وہ اس کے ہم قدم ہو کر بولی پھر وہ لوگ اندر ایک بڑے سے کمرے میں پہنچ گئے۔

"یا اللہ! میں اپنے ملک کے غدار سے محبت کیسے کر بیٹھی، یا اللہ میرے قدموں کو ڈگمگانے سے بچا"۔ ماہی اپنے دل میں موجود فراز کے لیے جذبات سے اب خود بھی پریشان تھی۔

"فراز! اس دن تم کسی انسپکٹر علی قریشی کی بات کر رہے تھے کیا ہوا اس کا؟"

"بچ گیا، قسمت اچھی تھی اس کی"۔ وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔

"شکر.....!" بے ساختہ اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

"یہ تم شکر کس بات کا کر رہی ہو؟" وہ چونک کر بولا۔ مناہل کے منہ سے بے ساختہ نکلنے والا شکر اسے مشکل میں پھنسا سکتا تھا، مگر فراز کے باس کی کال نے اس کی بچت کر لی تھی۔

"سر احمر کو کیسے پتہ چلے گا اب کہ میں کہاں ہوں؟ یہاں چپ نے بھی اپنے سگنلز دینا بند کر دیئے اور وہ ڈیوائس اس دن فراز کی جلدی کرنے میں وہیں گر گئی"۔ وہ خود سے بولے جا رہی تھی۔

"یہ تم خود سے کیا باتیں کر رہی ہو؟" وہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

"کچھ نہیں"۔ وہ سر جھٹک کر بولی۔

"واہ بھئی، مجھ سے میرا سب کچھ پوچھ لیتی ہو اور اپنا کچھ نہیں بتاتیں"۔ آج فراز بڑے ہی موڈ میں تھا، وہ اسے کندھوں سے پکڑ کر بڑی ہی شریر نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، اس سے پہلے کہ وہ کوئی محبت بھری شرارت کرتا کچھ لوگ وہاں اندر گھس آئے تھے۔

"کون ہو تم لوگ اور یہاں کیا کر رہے ہو؟" ماہی ابھی فراز کے حصار سے نکل کر سنبھلی ہی تھی کہ اس کی نظر اس پر جا ٹھہری اور ماہی کو ایسا لگا جیسے وہ زمین میں دھنس رہی ہو۔

"میں سینئر انسپکٹر علی قریشی اور یہ سر احمر، حیرت ہے فراز! تم ہمیں نہیں پہچان پائے؟" علی آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ اتنے میں احمر، مناہل کی طرف بڑھے تھے۔

"مناہل! پچھلے تین دن سے آپ کی چپ نے سگنل دینا بند کر دیئے تھے، ہم سب آپ کے لیے متفکر تھے، آج اچانک آپ کی چپ نے سگنل دینا شروع کر دیئے اور آپ کا مشن کامیابی کے ساتھ کمپلیٹ ہوا مناہل!"

"انسپکٹر مناہل.....!!" فراز بے یقین نظروں سے ماہی کو دیکھے جا رہا تھا۔

"ہاں یہ پاکستان کے سیکورٹی ادارے کے لیے کام کرتی ہیں اور تمہیں ٹریپ کرنے کے لیے یہ اہم مشن ان ہی کے سپرد کیا گیا تھا"۔ سر احمر بولے۔

یہ کیا راز افشاں ہوا تھا اس پر وہ جس سے نمٹنے کی باتیں کرتا تھا وہ کوئی اور نہیں ماہی تھی۔

"ماہی.....!" اسے پیچھے سے فراز کی آواز آئی تھی، اس لمحے اگر وہ کرسی کو نہ پکڑتی تو زمین پر گر جاتی۔

"سر!" علی، سر احمر سے مخاطب ہوا تھا۔

"ہاں علی!"

"سر! ابھی رپورٹ ملی ہے اس نیٹ ورک کے ماسٹر مائنڈ اور اس فراز کے باس کو پولیس نے اریسٹ کر لیا ہے"۔

"گڈ...ویلڈن علی اینڈ مناہل! آج پوری قوم، ہر پاکستانی آپ دونوں پر فخر کرے گا"۔ سر احمر خوشی سے بول رہے تھے، پھر وہ سب باہر موجود گاڑی میں بیٹھ کر شہر کی جانب بڑھ گئے تھے، فراز نے پھر کوئی بات نہیں کی تھی۔

☆.....☆.....☆

"مناہل! اس بدھ کو فراز کو پھانسی ہو جائے گی"۔

"علی! میں ایک بار صرف ایک بار اس سے ملنا چاہتی ہوں"۔ مناہل کے جذبات دیکھتے ہوئے اس نے سر احمر سے بات کر لی تھی، مناہل اور فراز کے بیچ کے رشتے کی حقیقت تو وہ اسی دن وہاں داخل ہوتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔

"کیوں آئی ہو یہاں اب؟ تم نے مجھے دھوکہ دیا ماہی! تم مجھ سے جھوٹی محبت کا ڈرامہ کرتی رہیں اور میں سمجھ ہی نہیں پایا"۔ وہ دکھ سے بول رہا تھا۔

"نہیں فراز! میں نے تم سے جھوٹی محبت نہیں کی، میری محبت کو جھوٹا مت کہو پلیز! میں نے ہمیشہ تم سے سچی محبت کی ہے فراز! مگر ہاں یہ سچ ہے میں تم سے محبت اپنے ملک سے زیادہ نہیں کر پائی، میں اپنی محبت کو قربان کر سکتی ہوں، مگر اپنے ملک سے غداری نہیں کر سکتی، میں تم سے جدائی برداشت کر سکتی ہوں مگر اپنے ملک کے ساتھ دھوکہ نہیں کر سکتی، اگر مجھے تم سے محبت ہے تو اپنے ملک پاکستان سے عشق ہے"۔ وہ محبت کی شدت سے بے حال بول رہی تھی۔

"ماہی! میں بہت نادم ہوں، کاش! میں نے تمہاری بات مان کر بھلائی کی راہ چن لی ہوتی، ماہی! میرے سر بہت سے معصوموں کا خون ہے، تم مجھ سے وعدہ کرو تم ہمارے ملک کے دشمنوں کے خلاف، انسانیت کے دشمنوں کے خلاف اپنا مشن جاری رکھو گی، بولو ماہی! تم مجھ سے کیا وعدہ پورا کرو گی نا؟ تم مزید کسی ماہی اور فراز کو بچھڑنے سے بچا لو گی ناں؟"

"ہاں فراز! میں تم سے وعدہ کرتی ہوں، میں اپنا مشن مرتے دم تک جاری رکھوں گی، میں محبت کرنے والوں کو بچھڑنے سے بچاؤں گی"۔ اس کا ہاتھ تھامے روتے ہوئے وہ بولی اور پھر وہاں سے تیزی سے پلٹ آئی، فراز اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہ گیا تھا آنسو اس کی آنکھوں میں بھی تھے۔

"مناہل! لوٹ آؤ پلیز، میں اب بھی تمہارا منتظر ہوں"۔ علی اسے پرپوز کر رہا تھا۔

"نہیں علی! میں نہیں لوٹ سکتی، میں محبت اور فرض میں سے کسی ایک کو نہیں چن پائی، میں اپنے ملک کے دشمنوں کے خلاف مشن جاری رکھوں گی مرتے دم تک، مگر میں اپنی محبت کے سہارے جینا چاہتی ہوں، تمہیں صحیح لگتا تھا علی! کہ تم مجھے ہمیشہ کے لیے کھو رہے ہو، میں لوٹی ضرور ہوں، مگر تمہاری مناہل بن کر نہیں، میں اب صرف ماہی فراز ہوں"۔ وہ یہ بولتی ہوئی باہر کی جانب بڑھ گئی۔

☆.....☆.....☆

زاہدہ ہاشمی زاہی

افسانہ

خواب، خواہش اور حسرت

"جاجو....اری او جاجو!" اماں کی تیسری آواز پر اس نے جھنجھلا کے کمرے کی طرف دیکھا تھا، وہ کب سے صحن میں لگے بیری کے درخت پر جھولا ڈالنے کی کوشش میں ہلکان رسی کو بار بار اوپر اچھال رہی تھی، مگر رسی تھی کہ بار بار اس کے گلے کا ہار بن جاتی تھی، اماں کی آواز پھر آئی تھی۔

"اری او کمبخت.....کہاں مرگئی؟" اماں اب کمرے سے برآمدے میں آ گئی تھیں، مگر وہ اپنے کام میں اتنی گم تھی کہ پتہ ہی نہ چلا اور اماں کی مسلسل آوازوں سے اور رسی کے بار بار گرنے سے اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا، تب ہی زور سے بولی تھی۔

"کیا ہے اماں! کیوں چلاّ رہی ہیں؟" جواب میں اماں کی جوتی نے اس کی نازک کمر کا بوسہ لیا تھا۔

"اوئی اللہ...!" تڑپ کر برآمدے کی طرف دیکھا تھا، جہاں سے جوتی آئی تھی، اماں غضبناک تیور لیے اسے گھور رہی تھیں۔

"آئے حد ہو گئی لڑکی! کب سے آوازیں دے رہی ہوں، مجال ہے جو سن لے، اپنے فضول شغل میں لگی ہوئی ہے"۔ اماں کی تکرار جاری تھی، اچانک اماں کی نظر جاجو کے ہاتھ میں موجود رسی پر پڑی تھی۔

"ہاہائے یہ نئی کی نئی پائیند کہاں سے لی تو نے؟ ادھر دے یہ رسی....چار پائی کے لیے منگوائی ہے میں نے"۔ اور جاجو حسرت سے خیالی جھولے کو دیکھ رہی تھی۔

"اری....اب کیا ٹکر ٹکر میرا منہ تک رہی ہے، جالا و مرغی کب سے ادھر ادھر چھلانگیں لگاتی پھر رہی ہے، اس کو ڈربے میں بند کردے"۔ جاجو نے بیزاری سے اماں کی تکرار سنتے ہوئے مرغی کو دیکھا تھا، تب ہی غصے سے چلا کر بولی تھی۔

"اللہ کرے یہ ساری مرغیاں مرجائیں نامراد، ناک میں دم کیے رکھتی ہیں"۔ جھولا نہ ڈالنے کا قلق اس کے دماغ کو مزید کھولا رہا تھا، کھا جانے والی نظروں سے مرغی کی طرف دیکھا تھا، مرغی جو کہ انڈہ دینے کے لیے جگہ تلاش کررہی تھی، جاجو کے غصے کا نشانہ بننے والی تھی، کمر کو سہلاتے بڑبڑاتے ہوئے مرغی کو بند کرنے لگی، مگر مرغی بھی اپنے نام کی بڑی کائیاں تھی، کبھی دیوار پر چڑھ جاتی، کبھی ڈربے کی چھت پہ تو کبھی صحن میں پڑے تخت پہ، بڑی مشکل سے مرغی اس کے ہاتھ آئی تھی، جسے بڑی بے دردی سے ڈربے میں پھینک دیا گیا تھا، اماں سب دیکھ رہی تھیں۔

"ہائے لڑکی! رحم نام کی چیز نہیں تیرے اندر؟ جو یوں ظالموں کی طرح اچھال دیا تو نے"۔

"مرتی ہے تو مرے، میری بلا سے"۔ اس کا غصہ بھی اب آسمان کو چھونے لگا تھا، کمر سے مسلسل ٹیسیں اٹھ رہی تھیں، جوتی بڑی زور سے لگی تھی، اماں کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا، تب ہی چمکار کے پکارا۔

"اری ادھر آ!" پیاری نے ان کو چڑچڑا کردیا تھا۔

"بس اماں! رہنے دیں، اتنے پکے نشانے لگاتی ہیں آپ کہ حد نہیں"۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اماں کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی، اور اماں کمر پر تیل لگا رہی تھیں، جوتی نے اپنا نشان چھوڑ دیا تھا کمر پر۔

"پیاری نے چڑچڑا کردیا ہے، مجھے تو غصہ نہ دلایا کر"۔ اور وہ کب کی اماں کی گود میں سر رکھے سو چکی تھی، پندرہ سال کی عمر میں ابھی بھی دس سال والا بچپنا تھا اس میں۔

☆.....☆.....☆

"ہیلو! ہائے کہاں ہو جناب؟" اعزاز حسن نے چٹکی بجا کر زری کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

"کن خیالوں میں گم ہیں ہماری بیگم صاحبہ، کب سے آوازیں دے رہا ہوں جناب کو"۔

"کچھ نہیں اعزاز! بس یوں ہی اماں یاد آرہی تھیں"۔ اس نے آزردگی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اماں کو جدا ہوئے دس سال ہوگئے، مگر یوں لگتا ہے کہ جیسے کل کی بات ہے، کاش! آج بھی آکر مار لیں، ڈانٹ دیں، مگر ایک بار نظر تو آجائیں"۔ بولتے بولتے زائرہ کی آواز بھرا گئی۔

"ارے یار! سب نے ہی جانا ہے، سب ہی کا دن مقرر ہے، یوں مت رویا کرو، ان کے حق میں دعا کیا کرو زری"۔ اعزاز حسن نے پیار سے اسے اپنے بازوؤں کے حلقے میں لیتے ہوئے کہا اور ڈھیروں تسلیاں دی تھیں۔

زائرہ قریشی اپنے گھر میں اپنے شوہر اعزاز حسن کے ساتھ بہت خوش و خرم زندگی گزار رہی تھی، ایک خیال رکھنے والا شوہر اور شفیق طبیعت کے حامل سسر جو کہ اسے بیٹیوں سے بڑھ کر چاہتے تھے، ایک سال شادی کو گزرا مگر ان سب کی محبتوں میں پتہ ہی نہ چلا، لیکن زائرہ کو والدین کی یاد آج بھی بہت تڑپاتی تھی اور کب اس کے نین کٹورے ان کی یاد میں بھر جاتے کہ اسے پتہ بھی نہ چلتا۔

☆.....☆.....☆

آج موسم ابر آلود تھا، گھنگور گھٹائیں جھوم جھوم کے آرہی تھیں، ہوا کے زور پہ پتے الگ تال بجا رہے تھے، قریب تھا کہ بارش زور سے شروع ہوجاتی، اسے ماضی میں جانے میں دیر نہ لگی، بڑی دیوانی ہوا کرتی تھی وہ اس موسم کی، بارش میں نہانا، ساون کے گیت گانا، بارش کی بوندوں کو چہرے پہ گرا کے ہنسنا، بہت اچھا لگتا تھا، اسے رنگوں، خوشبوؤں، بادلوں اور تتلیوں سے چاندنی راتوں سے بے حد عشق تھا، آندھی آتی، بادل آتے، اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا، جھولے پہ بیٹھ کے زور سے جھولا

جھولتی تب ہی ایک ننھی سی خواہش دل میں چٹکی لیتی کے اودے اودے بادلوں کو ہاتھ لگا آؤں، کبھی ہم جولیوں کے ہمراہ نہر کنارے کھڑی بارش کی بوندوں کو نہر میں گرتا بڑی محویت سے دیکھا کرتی، جب بھی ساون آتا زائرہ کی اماں کئی طرح کے پکوان پکوایا کرتی تھیں، اسے آج بھی یاد تھا کہ چھاجوں مینہ برس رہا تھا اور برآمدے میں رکھے لوہے کے چولہے میں لکڑیاں بھڑ بھڑ جل رہی تھیں، اور بڑی سی کڑاہی میں اماں اور بڑی بھابی ڈھیروں گلگلے بنا رہی تھیں اور جاجو اٹھا اٹھا کے کھاتی جاتی تھی، اور کچھ اپنی فراک میں چھپا کے اپنی سہیلی کاکی کے لیے لے جاتی، پھر دونوں خوب مزے لے لے کر کھاتی تھیں اور کبھی وہ اور کاکی سارا سارا دن بڑی محنت سے مٹی گارے سے بہت خوبصورت ڈھیروں سارے کھلونے بناتیں اور چھت پہ سکھانے کے لیے رکھ دیتیں، ایک مرتبہ بارش اچانک آئی اور اس کے تمام مٹی کے برتن پانی بن کے بہہ گئے تب پہلی بار اسے بارش پہ شدید غصہ آیا تھا۔

"لے کے سارے برتن خراب کردیے، اس بارش نے، اب دوبارہ بنانا پڑیں گے"۔ ایک مرتبہ تو حد ہی کردی جاجو صاحبہ نے، گھر کے پلے ہوئے خوبصورت بلے کی مونچھیں کاٹ دیں، پیار سے سب اس کو نوی بلا کہتے تھے، بلا اس افتاد پہ ایسا بوکھلایا کہ پلٹ کر کبھی جاجو کے گھر کا رخ نہ کیا، اس کی ہنسی تھی کہ رکتی نہ تھی، گھر والے اس کی اس شرارت پہ حیران بھی تھے اور مسکرا بھی رہے تھے، جون جولائی کی شدید گرمی میں آگ برساتا سورج سب کو اپنے گھروں میں آرام کرنے پہ مجبور کردیتا ہے، بھری دوپہر میں ہر طرف ہو کا عالم ہوتا تھا سب گھر والے سو رہے ہوتے تھے، مگر اس کی بے چین روح کو قرار نہ آتا، زیادہ ہی بے چین ہوتی تو سب کی نیند اسے بری لگتی اور وہ مین سوئچ آف کردیتی، گھر والے واپڈا کو کوستے اٹھتے، اور گھر والوں کی حالت دیکھ کر اس کے فلک شگاف قہقہے رکنے میں نہ آتے، ایسے میں سب کو اس کی شرارت کا پتہ چل جاتا، اور یوں کبھی چھوٹی آپی سے مار پڑتی تو کبھی چھوٹی سارہ سے جھگڑا ہوجاتا، گھر میں لگا بیری کا درخت پھل سے لد جاتا اور جاجو چھوٹی سارہ کو اپنے ساتھ لے کر بھری دوپہر میں گھر کے کونے میں بنے باورچی خانے کی چھت پہ چڑھ جاتی، جہاں موٹے موٹے بیر لگے ہوتے تھے، ایک بار جاجو نے بیروں کے مغالطے میں بھڑوں کے چھتے پہ زور سے ڈنڈا مار دیا، پھر کیا تھا خود تو کچن سے دیوار اور دیوار سے صحن میں چھلانگ لگالی اور چھوٹی سارہ کو بھڑوں نے اپنے غصے کا نشانہ بنالیا۔ بچپن یوں ہی شرارتوں سے بھرا ہنستے کھیلتے کب گزر اپتہ ہی نہ چلا اور جاجو نے فرسٹ ڈویژن سے میٹرک پاس کرلیا۔

☆.....☆.....☆

"ارے کوئی سایہ تو نہیں ہوگیا جو اکیلے میں بیٹھی مسکرا رہی ہیں بیگم صاحبہ؟" اعزاز کب کمرے میں آئے اسے خبر ہی نہ ہوئی، وہ یوں ہی اپنے ماضی میں غرق ہوجایا کرتی تھی۔

"کچھ نہیں اعزاز! بس یوں ہی بچپن کی شرارتیں یاد آرہی تھیں"۔

"ارے بیگم صاحبہ! اب ماضی سے نکل کر حال میں آجائیں، بندہ ناچیز کو بڑی بھوک لگ رہی ہے"۔ اور وہ مسکراتے ہوئے کچن کی جانب چل پڑی تھی، بارش کب کی رک چکی تھی، پتا پتا دھل کے نکھر گیا تھا، اس نے چائے کے لیے پانی رکھا، اعزاز بھی چینج کرکے وہیں آگئے تھے۔

"کیا پکایا ہے جناب؟" اعزاز نے ندیدوں کی طرح کچن میں نظریں گھماتے ہوئے پوچھا۔

"آج چکن کڑاہی، ماش کی دال اور میٹھے میں گاجر کی کھیر بنائی ہے"۔ اس نے خوش ہوتے ہوئے اعزاز کو بتایا۔

"واہ جی.....پھر تو مزے ہوگئے، کیا بات ہے شریک سفر ہو تو ایسی"۔ اعزاز کی بھوک کھانے کا مینوس کر مزید بھڑک گئی تھی، چائے کو دم پر رکھ کر وہ بھی کھانا کھانے لگی، اعزاز کی ہمراہی میں دن ہنستے کھیلتے گزر رہے تھے، اور وہ اپنے رب کی

شکر گزار تھی۔

☆.....☆.....☆

میٹرک کے بعد جاجو کو کالج پڑھنے کا بہت شوق تھا، مگر ابا جان کالج جانے کے حق میں نہ تھے، اور یوں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا خواب حسرت میں بدل گیا، جاجو کالج جاتی لڑکیوں کو بڑی حسرت سے تکا کرتی تھی، اس کے سینے میں ایک ہوک سی اٹھتی کہ کاش! وہ بھی یوں ہی کالج جایا کرتی، مگر ضد کرنا اسے آتا ہی نہ تھا اور نہ ہی بڑوں کی نافرمانی کرنا وہ جانتی تھی، ابا کی بات کے آگے سر تسلیم خم کر لیا، مگر اپنے دل میں ایک قبرستان بنا لیا جہاں وہ ہر اس خواہش کو دفنا دیا کرتی تھی جو خواہش حسرت بن جاتی، اعلیٰ تعلیم کی خواہش اور اماں کے صحت یاب ہونے کی خواہش سب حسرتوں میں بدل گئیں، نہ تو وہ مزید پڑھ سکی اور نہ ہی اماں صحت یاب ہو سکیں، ایک دن صبح صبح وہ جاجو کو روتے تڑپتے چھوڑ کر ابدی نیند جا سوئیں، وقت کب رُکا ہے، اس کا کام ہے گزرنا اور وہ گزرتا چلا گیا، اور یوں ایک دن ابا بھی اسے تنہا دنیا کی بھیڑ میں چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملے، تب اسے محسوس ہوا کہ اس پر سے گھنا اور ٹھنڈا سایہ اٹھ چکا ہے اور وہ تپتے گرم صحرا میں آبلہ پا کھڑی ہے، وہ شوخ و شرارتی جاجو تو کب کی غموں اور حسرتوں کی دھول میں دب چکی تھی، اب تو ایک حساس اور غموں سے چُور چلتی پھرتی لاش تھی وہ، ابا کے بعد تنہا رہ جانے کا احساس من ہی من میں اسے ڈستا تھا، والدین کی زندگی میں ان کے مشفق ہاتھوں اور گھنے سایے تلے پیا گھر جانے کا خواب بس خواب ہی رہا، اب تو ہر طرف حسرتوں اور ویرانیوں نے اپنے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے، کبھی کبھی وہ اکیلے میں بیٹھی چونک جاتی، چولہے میں لکڑی ڈالتے ہوئے اور کبھی روٹی ہاٹ پاٹ میں رکھتے ہوئے یوں لگتا کہ جیسے ابا باورچی خانے کے پاس کھڑے کہہ رہے ہیں۔

''جاجو بیٹا! میری روٹی ہاٹ پاٹ میں نہ رکھنا، مجھ سے چبائی نہیں جاتی''۔ حسرت سے چاروں اور دیکھتی نہ ابا نظر آتے اور نہ ان کی آواز، کبھی وہ سوچتی۔

''میری کوئی خواہش کبھی کیوں پوری نہیں ہوتی، ہمیشہ حسرت ہی کیوں بن جاتی ہے، میرے خواب سدا کیوں بکھرتے ہیں؟'' اب تو دل بھی کوئی غم اٹھانے کے قابل نہ رہا تھا، ان ہی حسرتوں، خواہشوں اور خوابوں کے درمیان الجھتے زائرہ کا رشتہ منجھلے بھیّا، بھابی نے اپنے جاننے والوں میں کروا دیا اور یوں بھائیوں، بھابیوں کے سائے میں ماں باپ کے ٹھنڈے میٹھے سائے کو یاد کرتے روتے تڑپتے وہ زائرہ قریشی سے زائرہ اعزاز بن گئی۔

''یار زری! تمہیں بچے کیسے لگتے ہیں؟'' اعزاز پیار سے اسے زری کہتے تھے، وہ کام سے فارغ ہو کر نائٹ کریم چہرے پر لگائے اپنے روم میں آئی تو اعزاز احسن نے بڑی چاہت سے دیکھتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

''بچے تو مجھے بہت پیارے لگتے ہیں اعزاز! مگر میں اس خواہش کو اپنی کمزوری نہیں بناؤں گی، کیونکہ پھر وہ حسرت میں بدل جاتی ہیں''۔ اس لمحے اس کی آنکھوں میں ایسا درد تھا کہ چند لمحے اعزاز بھی خاموش سے ہو گئے تھے، تب زری نے اپنے خیالوں سے چونکتے ہوئے پوچھا تھا۔

''آپ کیوں پوچھ رہے ہیں اعزاز؟'' تب اعزاز پرسوچ انداز سے بولے۔

''بس یار! یوں ہی پوچھ رہا تھا''۔ تھوڑے توقف کے بعد اعزاز حسن نے زری کو پیار سے حوصلہ دیتے ہوئے سمجھایا تھا۔

''تم پرانی باتوں کو یاد مت کیا کرو، اداس نہ رہا کرو، میں ہوں نا، ابا بھی ہیں، پھر کیوں پریشان رہتی ہو؟ اور میری دعا ہے اللہ پاک ہمیں بھی پیارا سا بچہ دے جو ہمارے گلشن میں سدا پھول بن کے مہکتا رہے''۔ تو زائرہ نے فوراً آمین کہا تھا، مگر شادی کے دو سال گزر جانے کے بعد یہ خواہش حسرت بننے لگی، اولاد کی تڑپ دن بہ دن بڑھتی چلی گئی، ایک دن معمول کے مطابق وہ گھر کے کام نبٹا رہی تھی اور طبیعت بوجھل

بوجھل سی تھی وہ کچھ دیر کے لیے لیٹ گئی۔

بہت عجیب سا موسم ہو رہا تھا، عجب گھٹن سی تھی ماحول میں اور پھر اچانک آسمان کالے سیاہ بادلوں سے ڈھک گیا، ہر طرف اندھیرا سا چھا گیا، وہ جولان میں بیٹھی پھول جھولی میں بھر رہی تھی، تیز آندھی چلی اور تمام پھول ہوا میں بکھر گئے، اور وہ جو ہمیشہ اندھیرے سے ڈرتی تھی، اس عجیب طوفان ٹائپ آندھی سے وحشت زدہ ہو کر کمرے کی طرف بھاگی، مگر اسے راستہ ہی نظر نہ آ رہا تھا، ہوا کی تیز شائیں شائیں کرتی آوازیں اسے مزید دہلا رہی تھیں، سرپٹ بھاگتے ہوئے پاؤں بڑی زور سے کسی چیز سے ٹکرایا تھا اور اس نے زور سے چیخ ماری تھی۔

''کیا ہوا زری! کیا ہوا؟ ڈر گئی ہو خواب میں؟'' اعزاز نے حواس باختہ زائرہ کو سنبھالتے ہوئے پوچھا، مگر وہ وحشت سے کبھی کمرے اور کبھی اعزاز کو دیکھ رہی تھی، اعزاز نے اسے پانی دیا۔

''یار! آج تم غلط ٹائم پہ سو گئی تھیں، اسی لیے ڈر گئی ہو''۔

''بہت خوفناک خواب تھا اعزاز!'' اس نے خوفزدہ انداز میں کانپتے ہوئے اعزاز کو بتایا، وہ اب تک اس خواب کے حصار میں تھی، دل ابھی بھی زور سے دھڑک رہا تھا، اعزاز اس کی کیفیت کو محسوس کر رہے تھے، پھر اچانک بولے۔

''چلو یار! کافی دن ہو گئے ہم آؤٹنگ پر نہیں گئے، چلو تم تیار ہو جاؤ پھر چلتے ہیں''۔ اعزاز اس کا ذہن بٹانا چاہتے تھے، اور وہ اپنی اس کوشش میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو گئے تھے، زائرہ نے اٹھ کر شاور لیا اور وائٹ اینڈ لائٹ پنک کنٹراسٹ سوٹ پہننے کے لیے سلیکٹ کیا، وائٹ اینڈ پنک سوٹ میں وہ بے حد حسین لگ رہی تھی، سرو قد اور لمبی بڑی بڑی غلافی آنکھیں، کاجل لگانے سے مزید سج گئی تھیں، پنک لپ اسٹک سے اس کے پنکھڑی سے لب کھلتے گلاب لگ رہے تھے، اعزاز حسن کمرے میں داخل ہوئے تو اسے دیکھتے ہی رہ گئے، تب اپنی جلترنگ بجاتی خوبصورت ہنسی کے ساتھ اس نے اعزاز کو ٹہوکا دیا تھا۔

''چلیں بھی میاں صاحب!'' تو اعزاز نے گاڑی باہر نکالی تھی، شام کا وقت بڑا سہانا ہو رہا تھا، واقعی باہر جانے سے طبیعت کافی بہتر ہو گئی تھی زائرہ کی۔

آج زائرہ کی شادی کو تین سال کا عرصہ ہو گیا تھا، مگر اولاد کی کمی آج بھی تھی، آج صبح سے اس نے گھر کو صاف ستھرا کرنے میں اور کھانا بنانے میں خود کو مصروف رکھا تھا، اب وہ نہا کر آرام کی غرض سے اپنے کمرے میں جا رہی تھی کہ اچانک بہت زور سے اسے اپنے پیٹ میں درد محسوس ہوا، اور وہ وہیں فرش پر درد سے بے حال ہو کر گر سی گئی تھی، اس کے سسر فوراً اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئے، وہاں اس کے کچھ ٹیسٹ ہوئے، جب شام میں وہ اعزاز حسن کے ہمراہ رپورٹس لینے گئی تو ڈاکٹر نے عجیب انکشاف کیا تھا، زائرہ کو معدے کا کینسر تھا، کئی دنوں سے اسے بھوک نہیں لگ رہی تھی، مگر اس نے پرواہ نہیں کی، خواب اور خواہشیں اس کے اندر حسرتیں بن کے کینسر کی شکل اختیار کر گئی تھیں، آج جاجو سفید لباس میں ایک معصوم حور لگ رہی تھی، گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا، اور وہ ملک عدم جانے کی تیاری میں پرسکون نیند سوئی ہوئی تھی، اس کے حسین لب آج بھی مسکرا رہے تھے، اولاد کی خواہش نے اسے توڑ دیا تھا، ایک گونج اس کے آس پاس سنائی دے رہی تھی، اک صدا تھی جو بار بار سوگوار ماحول میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی کہ خواہشیں حسرت کیوں بن جاتی ہیں؟ اس کا باوضو چہرہ آج بھی مسکرا رہا تھا، اک صدا آ رہی تھی ہر طرف جاجو کی۔

ان خواہشوں میں جاناں...
چھپی میری حسرتیں ہیں
میرے خواب جو بھی ٹوٹے
میرے دل میں وہ دفن ہیں
چھپی میری حسرتیں ہیں

☆.....☆.....☆

افسانہ

عجیب اتفاق

''جواد! تم یہاں؟'' ہانیہ نے جواد کو دیکھ کر خوشی سے کہا، وہ یہاں اپنی شادی کی شاپنگ کرنے آئی تھی، شادی کی تقریباً تمام شاپنگ ہو چکی تھی، بس ایک دو چیزیں میچنگ کی رہ گئی تھیں، جنہیں وہ لینے آئی تھی۔

''ہانی! تم کیسی ہو، کہاں ہو آج کل؟'' جواد کے ہاتھوں میں بھی شاپنگ بیگز تھے، وہ بھی بہت خوش تھا ہانیہ کو دیکھ کر، دونوں یونیورسٹی میں ایک ساتھ پڑھتے تھے، پھر ایک دوسرے کو پسند بھی کرنے لگے تھے، لیکن کبھی ایک دوسرے سے اپنے پیار کا اظہار نہیں کیا تھا۔

''چلو کیفے میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں''۔ جواد نے اسے ساتھ چلنے کو کہا اور ہانیہ کو اس کے ساتھ ہمیشہ چلنا بہت اچھا لگتا تھا، وہ سوچ رہی تھی۔

''کاش! یہ سفر ہمیشہ ایسے ہی چلے''۔

''تم سناؤ! کیا کر رہے ہو آج کل؟'' ہانیہ نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے جواد سے پوچھا۔

''اپنا بزنس.... اور آج کل تو بہت مصروف ہوں، خیر تم سناؤ!'' جواد نے اس سے پوچھا اور ویٹر کو کولڈ ڈرنک لانے کا کہا۔

''میں تو اپنی شادی کی تیاری کر رہی ہوں، اس ہفتے میری شادی ہے تم آنا ضرور''۔ ہانیہ نے جواد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا، جہاں تھوڑی دیر پہلے محبت کے جگنو روشن تھے، لیکن اب بجھ چکے تھے۔

''کیا واقعی... عجیب اتفاق ہے، اس ہفتے میری بھی شادی ہے، گلشن میرج ہال "A" میں''۔ جواد نے تھوڑی دیر کے بعد کہا۔

''کیا کہا.... A ہال میں؟ میری B ہال میں اسی دن، واقعی عجیب اتفاق ہے''۔ ہانیہ نے یہ کہا اور پھر اسے دیر ہو رہی تھی، اس لیے اپنی چیزیں سمیٹ کر دروازے سے نکل گئی، جواد اسے اس وقت تک جاتا دیکھتا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔ یونیورسٹی میں بھی دونوں آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے، لیکن عجیب اتفاق تھا کہ نہ ہی کبھی جواد نے ہانیہ سے کہا کہ وہ اسے پسند کرتا ہے اور نہ ہی ہانیہ نے۔ حالانکہ دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے کو دیکھ کر پسندیدگی کا اظہار کرتی تھیں۔

''وہ آج دلہن بنے گی اور میں سوچتا تھا کہ سب سے پہلے دلہن بنتے ہی میں اسے دیکھوں، مجھے لگتا تھا کہ وہ مجھے مل جائے گی''۔ جواد آئینے کے سامنے

دولہا کے روپ میں سجا سنورا کھڑا اسی کے متعلق سوچ رہا تھا، جب وہ یونیورسٹی میں پڑھتا تھا تو اس وقت ہانیہ اسے بہت اچھی لگتی تھی اور وہ چاہتا تھا کہ جب ہانیہ دلہن بنے تو سب سے پہلے جواد ہی اسے دیکھے۔

''جواد! گاڑی آ گئی ہے، چلو دیر نہ ہوجائے''۔ پھر سب لوگ جلدی جلدی گاڑی میں بیٹھ کر ہال کی طرف روانہ ہوگئے۔

''آج کتنا عجیب اتفاق ہے میں سوچتی تھی کہ جواد میرے پہلو میں بیٹھیں گے، جب میں دلہن بنوں گی تو کتنا خوبصورت لگے گا، لیکن دیکھو قسمت.... ہم دونوں کو کیسے ایک ساتھ ایک ہی جگہ کھینچ لائی، وہ میرے پہلو ہی میں ہوگا مطلب ساتھ والے ہال میں''۔ یہ سوچتے ہوئے ہانیہ مسکرائی۔

''کیا بات ہے آج تم بڑی خوش ہو؟'' گاڑی میں بیٹھی آپا نے اسے یوں مسکراتے دیکھا تو پوچھا اور ہانیہ جواب دینے کے بجائے شرمانے لگی، باجی نے اسے گلے سے لگا کر ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں۔

''ارے بھائی صاحب! یہ میرج حال "B" ہے تھوڑا آگے لیں''۔ آپا نے ڈرائیور سے کہا، تبھی ہانیہ نے باہر دیکھا سامنے ہی جواد شیروانی پہنے کھڑا تھا، ہمیشہ کی طرح آج بھی بہت خوبصورت لگ رہا تھا، ہانیہ نے جیسے ہی اسے دیکھا وہ بھی مبہوت سا اسے دیکھ رہا تھا، یہ اس کی بڑی خواہش تھی کہ ہانیہ کو وہ دلہن کے روپ میں سب سے پہلے دیکھے، وہ دلہن کے روپ میں واقعی بڑی پیاری لگ رہی تھی، گاڑی کب کی آگے بڑھ چکی تھی، اب بھی وہ اسی طرف دیکھ رہا تھا اور ان دنوں کو سوچ رہا تھا جن کے بارے میں وہ یونیورسٹی کے دنوں میں سوچا کرتا تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ تھوڑی سی ہمت کر لیتا تو آج ہانیہ ہی اس کی شریک سفر ہوتی، مگر اس نے کبھی ہمت نہیں کی۔

''کیا سوچ رہے ہیں جواد بھائی! اندر چلیں، نکاح پڑھایا جارہا ہے اور دولہا غائب ہے، چلیں بھی''۔ جواد کا کزن عامر اسے ہاتھ سے کھینچتا ہوا اندر لے گیا، جہاں اسے اپنی نئی دنیا کی طرف نئے رشتے کی طرف جانا تھا، زندگی میں کبھی کبھی عجیب اتفاقات ہوتے ہیں، ہم کبھی کبھی جسے ہم سفر سمجھتے ہیں وہ ہمارا ہم سفر نہیں ہوتا، اس کے ساتھ ساتھ تو چلتے ہیں لیکن دونوں کو آخر کار اپنی اپنی منزل کی طرف جانا ہی پڑتا ہے ایک دوسرے کو الوداع کہہ کر۔

☆.....☆.....☆

ادارہ ردّا ڈائجسٹ

کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

تم میرے ہو کے رہو

صالحہ محمود

قیمت -/500 روپے

ملنے کا پتہ:

ویل کم بک پورٹ اُردو بازار کراچی

سائرہ غفار

افسانہ

دلوں کے موسم

ساون کا موسم کتنا سہانا ہے اور چڑیوں کا گیت کتنا بھلا معلوم ہوتا ہے ناں! ایسے جیسے کوئی سریلا جھرنا کسی خوبصورت لے میں بلندی سے نیچے گر رہا ہو۔ برستے ابر کی بوندیں جب ہر چیز کو دھو ڈالتی ہیں تو دلوں کا غبار بھی آنکھوں کے راستے بہہ نکلنے کو بے تاب رہتا ہے۔

میرے دل کا موسم بھی اچانک ہی سے بدلنے لگا تھا، گو موسم خوشگوار تھا مگر ایک گہری اداسی کے دبیز پردے میں لپٹا ہوا تھا۔ مجھے کچھ خبر نہیں تھی کہ میں کن راہوں کی مسافر بن گئی ہوں، بس چلتی چلی گئی اور جب دوراہے پر آ پہنچی تو اندازہ ہوا کہ میں تو غلط سمت کی طرف آ نکلی ہوں۔ جہاں منزل کا دور دور تک کوئی نام ونشان نہیں، ہاں! مگر ایک پچھتاوا اور ایک تجربہ جس کی شدت اس قدر ہے کہ میں چاہ کر بھی بھلا نہیں سکتی۔ آہ! صد افسوس .... مگر اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت! میں کتنے خوبصورت راستوں پر چلتی ہوئی اس غلط سمت پر چلتی چلی گئی اور اس بات کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب میں عمر رواں کے اس حصے میں آ گئی جہاں میرے بالوں میں اترتی سفید چاندنی نے میری ماں کے دن کے چین اور راتوں کی نیند پر پہرے بٹھا دیئے۔ میری ماں دن رات میرے لیے وظائف میں مشغول رہتی تھی لیکن میں کچی نیند کے اسی اچھوتے خواب کے سحر میں کھوئی رہی۔

☆.....☆.....☆

خضر عالم.... اس نام کو سنتے ہی دل میں اب ایک کسک سی اٹھتی ہے، لیکن جب پہلی بار میں نے یہ نام سنا تھا تب دل بے اختیار اسے دیکھنے کو مچلا تھا کیونکہ مجھے پتہ چلا تھا کہ کسی عزیز کی شادی میں موصوف مجھ پر مرمٹے تھے۔ یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے جب سہیلیوں کی بیکار باتوں میں ہم خود کو ہی دنیا کی حسین وجمیل ترین مورت سمجھنے لگتے ہیں اور خیالوں ہی خیالوں میں کوئی شہزادہ پری پیکر ہمارا ہاتھ تھامے ہمیں ہمارے ہی خواب میں پریوں سی وادی کی سیر کروا رہا ہوتا ہے۔ لیکن میں اس نام کے سحر میں زیادہ دیر نہ رہ سکی کیونکہ پہلی جھلک دیکھنے کے بعد میرا دل ہی نہ چاہا کہ میں اس پر دوسری نگاہ بھی ڈالوں۔ وہ تھا ہی ایسا، مجھے اندازہ نہیں کہ میرے خوابوں کا محل جسے میں نے تنکا تنکا جوڑ کر بڑی محنت سے تیار کیا ہے، اس جیسا شخص اس محل کا حقدار.... ہونہہ!! میں نے کوفت اور بیزاری سے اس کی ماں اور بہن کی طرف دیکھا جو اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانے میں مصروف تھیں۔

''ارے لاکھوں میں ایک ہے میرا بھائی''۔

''ہاں بہن! سچ کہتی ہوں باپ کے انتقال کے بعد اسی نے سارے گھر کی ذمے داری اٹھائی ہے، بہت ہی

لائق بچہ ہے، تعلیم میں بھی پیچھے نہیں ہے، ایم بی اے ہے ماشاءاللہ سے اور وہ بھی فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا ہے"۔ اماں نے تعریف کی، بہن فوراً بولیں۔

"ارے امی! یہ بھی تو بتائیں ناں کہ ٹاپ کیا تھا یونیورسٹی میں"۔ امی تو بس اس کی تعریف سن کر ماشاءاللہ ماشاءاللہ کی گردان کیے جارہی تھیں، اور وہ موصوف.... سر جھکائے شرمیلا بابا بنے بیٹھے تھے، میری کوئی بہن تو تھی نہیں لہٰذا ایسے مواقعوں پر میری پڑوسن اور بچپن کی سہیلی نادیہ ہی میرے اور امی کے کام آتی تھی۔ ابھی بھی وہ میرے ساتھ ہی بیٹھی ہوئی تھی، میں نے اسے اشارہ کیا تو اس نے مجھے سہارا دے کر کھڑا کیا اور فوراً سے بات بنائی۔

"ہم لوگ بس ابھی آتے ہیں"۔ اپنے کمرے میں آتے ہی میں نے دوپٹہ زور سے اتار کر بیڈ پر پٹخا۔ نادیہ میرے تیور بھانپ کر ہی خاموش ہوگئی تھی۔ لیکن میں نے خوب زور زور سے بول بول کر اپنی بھڑاس نکالی۔

"سمجھتا کیا ہے خود کو.... آئینہ دیکھا نہیں اور منہ اٹھا کر چل دیئے جناب.... اتنا چھوٹا قد ہے اس کا.... میرے کندھے تک آئے گا بس.... اور رنگ کتنا کالا تھا.... اف.... اور اوپر سے کتنا موٹا تھا توبہ توبہ"۔ میں نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ نادیہ مجھے رسان سے سمجھاتے ہوئے بولی۔

"ایسا نہیں کہتے کسی کے بارے میں امل! ہر کسی کو اللہ نے بنایا ہے اور اس نے ہر کسی کو اپنے حساب سے بہتر بنایا ہے"۔ امی بھی ان لوگوں کو رخصت کر کے میرے کمرے میں آگئیں اور انہوں نے باہر سے ہی ساری باتیں سن لی تھیں اور چپ چاپ سے فون کر کے انکار بھی کر دیا تھا، چند دنوں میں، میں یہ قصہ بھول بھال گئی، انہی دنوں نادیہ کی بہن کی شادی ہو رہی تھی، تیاریاں خوب زور و شور سے جاری تھیں، نادیہ کو ایک دن شاپنگ پر جانا تھا تو وہ مجھے اپنے ساتھ بہت اصرار کر کے لے گئی، شاپنگ سینٹر میں خضر عالم ملے.... اسے دیکھتے ہی میں تو کچھ بول ہی نہیں پائی پر نادیہ نے بتایا۔

"خضر بھائی ضد کر رہے تھے کہ تم سے ملنا ہے اس لیے تمہیں ضد کر کے شاپنگ پر لائی تھی"۔ میں وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی، لیکن میرے قدم جیسے من من بھر کے ہو رہے تھے، خضر عالم مجھے لیے ایک کونے میں بنے چھوٹے سے ریستوران میں لے آئے اور پھر وقت کیسے بیتا کچھ پتہ ہی نہ چلا۔ وہ شخص جسے میں نے پہلی نظر میں ہی ناپسند کر دیا تھا وہ میرے سامنے اپنی شخصیت کے اسرار کھول رہا تھا۔ پرت در پرت.... کیسا شخص تھا.... میں سمجھ نہیں پائی، ایسا پیارا، ایسا دلربا، دل چاہا یہ وقت رک جائے.... تھم جائے اور وہ بس بولتا رہے اور میں بس سنتی رہوں۔ نجانے کتنی دیر گزر گئی، وقت گزرنے کا احساس تب ہوا جب نادیہ نے مجھے آ کر جھنجھوڑا۔

"چلو بہت دیر ہوگئی ہے، گھر نہیں چلنا کیا؟" میں خضر عالم کی طرف دیکھ کر مسکرا دی۔ اس روز گھر آ کر میں نے کالج کے زمانے کی وہ ڈائری کھولی جس میں منتخب شعراء کا کلام لکھا کرتی تھی کہ اس دور میں مجھے تتلیاں گلاب اور خوشبوئیں بہت بھاتی تھیں، ڈائری میں ہر دو تین صفحوں کے بعد کوئی نہ کوئی ادھ کھلی کلی یا کوئی خوشبودار پھول مرجھایا رکھا تھا۔ صفحات پلٹتے ہوئے میری نظر ایک شعر پر آ کر ٹک گئی۔

اگر وہ پوچھ لیں ہم سے تمہیں کس بات کا غم ہے
تو پھر کس بات کا غم ہے اگر وہ پوچھ لیں ہم سے

کئی بار زیر لب اسی شعر کو دہراتے دہراتے کئی صفحات پلٹ دیئے۔ ایک خوبصورت سی نظم پر نظر ٹک گئی۔

سنو!
وہ لڑکی پاگل ہے

آسماں کی بلندی
اُس کی نظر میں ہے لیکن
اُس کے خواب
تیرے قد سے اونچے جاتے ہی نہیں.....!

کئی مرتبہ یہی نظم پڑھتے پڑھتے نجانے کتنی دیر گزر گئی، جب کمرے میں بند ہوئے کافی دیر ہوگئی تو امی کو تشویش ہوئی اور وہ میرے کمرے میں آ گئیں۔ میں نے ان کو ہمراز بنانے کا فیصلہ کیا اور ان کو سب کچھ بتا دیا۔ وہ بہت خوش ہوئیں کہ بالآخر میں نے ایک درست فیصلہ کر ہی لیا۔ انہوں نے میرا ماتھا چوما اور مجھے ڈھیروں دعائیں دیں۔

دنوں پر دن گزرتے رہے، ان حسین دنوں میں، میں بھی بہت زیادہ نکھر گئی تھی۔ شاید کسی کے بہت پاس بالکل ساتھ اور بہت اپنا ہونے کا احساس ہوتا ہی ایسا ہے کہ انسان خود بہ خود خوبصورت ہو جاتا ہے۔ امی نے مجھے کئی بار کہا کہ خضر عالم سے کہو وہ اپنی امی کو لے کر آئے، لیکن خضر ہمیشہ اس بات کو ٹال دیا کرتا تھا، وہ بڑی خوبصورتی سے کہا کرتا تھا۔

"ارے یار! جب دلہا دلہن راضی ہیں تو قاضی نے ضرور بیچ میں پھڈا ڈالنا ہے؟" ایسی ہی باتیں سنتے سنتے ہوئے وہ دن بھی آ پہنچا جب میں نے امی کے سخت ترین اصرار پر خضر عالم سے فائنل بات کرنے کے لیے اسے ایک ریستوران میں بلایا تھا۔ وہ ہمیشہ سے زیادہ پیارا لگ رہا تھا۔ اس نے خود کو حیرت انگیز طور پر بدل لیا تھا، وہ پہلا سا خضر عالم نہیں لگ رہا تھا، اب اس کا وزن اس کے قد کی مناسبت سے بالکل ٹھیک تھا، اس کا رنگ کھلتا گندمی ہو چکا تھا، اس نے آتے ہی ایک دل آویز مسکراہٹ میری طرف اچھالی۔ میں ایک دم جھینپ سی گئی، اس نے اسی دل آویز لہجے میں کہا۔

"آج میں تمہیں ایک سرپرائز دینے والا ہوں"۔
میں نے بے تابی سے پوچھا۔
"کیسا سرپرائز؟" اس نے مسکرانے پر اکتفا کرتے ہوئے ایک کارڈ میری طرف بڑھایا، میں نے نہ سمجھتے ہوئے کارڈ تھاما اور جلدی جلدی اسے کھولنے لگی، جیسے جیسے میں کارڈ پڑھتی گئی، ویسے ویسے میرے چہرے کی رنگت بدلتی گئی، میں نے لرزتی ہوئی آواز میں بمشکل پوچھا۔

"یہ.... یہ کیا....؟" میری آواز کسی گہرے کنوئیں سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر وہی خوبصورت مسکراہٹ رقصاں تھی، اس نے اسی اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔

"یہ اس نفرت کا بدلہ ہے جو مجھے تمہاری آنکھوں میں اس وقت اپنے لیے نظر آئی تھی جب میں پہلی بار اپنی امی اور بہن کے ساتھ تمہارے گھر تمہارے رشتے کے لیے آیا تھا"۔ میری سماعتوں پر جیسے اس نے کوئی بم پھوڑا تھا، میری آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر کارڈ پر لکھے ہوئے اسی کے نام میں جذب ہو گئے، میں گنگ بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی، اس نے جوس کا سپ لیتے ہوئے اطمینان سے کہا۔

"میری بھی کچھ ایسی ہی حالت تھی جب تم نے مجھے ریجیکٹ کیا تھا، کہو امل بیگم! کیسا لگ رہا ہے انا اور محبت کے ٹکڑے پاش پاش ہونا؟" وہ مجھے وہیں چھوڑ کر چلا گیا کہ میں اس کی منزل نہیں تھی، اس کی منزل تو مہ پارہ تھی جس کے ساتھ اس کی شادی اسی ماہ کی بارہ تاریخ کو ہو رہی تھی۔

تُو چلا گیا مجھے چھوڑ کر، میں کبھی نہ تجھ کو بھلا سکی
وہی دوریاں وہی فاصلے میں کبھی نہ ان کو مٹا سکی
یہی سوچتی تھی رات بھر جو کبھی ملے گا تُو راہ پر
تو کروں گی تجھ سے شکایتیں تُو ملا تو لب نہ ہلا سکی

☆.....☆.....☆

صدف سعد

ردا کی ڈائری

ریما نور کی ڈائری سے

ایک خوبصورت نظم

چند دن پہلے کی بات ہے
تم مجھ سے بڑی قربت کی
بڑی باتیں کیا کرتی تھیں
اور.....
جب تک مجھ سے بات نہیں ہوتی تھی
اور آج تم
میری محبت ہو
اور کس قدر دور ہو گئیں
سوچ رہی ہوں
کہ بعض لوگوں کو
محبت راس نہیں آتی

سحر انجم کی ڈائری سے

ایک خوبصورت غزل

جو ہوتے ہیں فقط چاہنے کے قابل
وہ لوگ نہیں ہوتے بھلانے کے قابل
تیرا خلوص اپنی جگہ میری مجبوری بھی سمجھ
کچھ دکھ نہیں ہوتے بتانے کے قابل
اے ساگر کی لہروں ذرا دھیان سے پلٹنا
کچھ زخم نہیں ہوتے مٹانے کے قابل
ہر غم بتانا ضروری نہیں اے دوست
کچھ جذبات ہوتے ہیں چھپانے کے قابل
ہم سولی چڑھ گئے یہ کہہ کر کے
کچھ سر نہیں ہوتے جھکانے کے قابل

راجکماری سارہ احسان کی ڈائری سے

اعتبار ساجد کی غزل

تمہیں جب کبھی ملیں فرصتیں مرے دل سے بوجھ اتار دو
میں بہت دنوں سے اداس ہوں مجھے کوئی شام ادھار دو
مجھے اپنے روپ کی دھوپ دو کہ چمک سکیں میرے خدوخال
مجھے اپنے رنگ میں رنگ دو میرے سارے رنگ اتار دو
کسی اور کو مرے حال سے نہ غرض ہے کوئی نہ واسطہ
میں بکھر گیا ہوں سمیٹ لو میں بگڑ گیا ہوں سنوار دو
تمہیں صبح کیسی لگی کہو میری خواہشوں کے دیار کی
جو بھلی لگی تو یہیں رہو اسے چاہتوں سے نکھار دو
وہاں گھر میں کون ہے منتظر جسے غم ہو دیر سویر کا
بڑی مختصر سی یہ رات ہے اسی چاندنی میں گزار دو
کوئی بات کرنی ہے چاند سے کسی شاخسار کی اوٹ میں
مجھے راستے میں یہیں کہیں کسی گنج گلی میں اتار دو

زینب شاہ کی ڈائری سے

اعتبار ساجد کی غزل

آپس میں بات چیت کی زحمت کیے بغیر
چل رہے ہیں ساتھ شکایت کیے بغیر
آنکھوں سے کر رہے ہیں بیاں اپنی کیفیت
ہونٹوں سے حال دل کی وضاحت کیے بغیر
دونوں کو اپنی اپنی انائیں عزیز ہیں
لیکن کسی کو نظر ملامت کیے بغیر
ٹھہرا ہوا ہے وقت مراسم کے درمیان
بحرِ خلیج میں کوئی وسعت کیے بغیر
حیراں ہیں کہ اتنے برس کیسے کٹ گئے

رہی سا کوئی عہدِ رفاقت کیے بغیر
وہ جا نہیں چکے ہیں مگر اس کے باوجود
تنہا کھڑے ہیں ہم اسے رخصت کیے بغیر
چارہ گروں کو دونوں سے پڑتا ہے واسطہ
لیکن کسی کے حق میں۔ خیانت کیے بغیر

صبا سحر کی ڈائری سے

بہادر شاہ ظفر کی غزل

کبھی بن سنور کے جو آ گئے تو بہار حسن دکھا گئے
میرے دل کو داغ لگا گئے وہ نیا شگوفہ کھلا گئے
کوئی کیوں کسی کا لبھائے دل کوئی کیوں کسی سے لگائے دل
وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے
میرے پاس آتے تھے دم بہ دم وہ جدا نہ ہوتے تھے ایکدم
یہ دکھایا چرخ نے کیا ستم کہ مجھ ہی سے آنکھیں چرا گئے
یہی شوق تھا ہمیں دم بہ دم کہ بہار دیکھیں گے اب کہ ہم
جوں ہی چھوٹے قیدِ قفس سے ہم تو سناخزاں کے دن آ گئے

افشاں علی کی ڈائری سے

ایک خوبصورت غزل

چپ چپ رہنا کچھ نہ کہنا یہ بھی ایک اداسی ہے
ہنس کے سارے صدمے سہنا یہ بھی ایک اداسی ہے
بیٹھے بیٹھے کھو سا جانا یوں ہی دور خیالوں میں
چلتے چلتے رہنا رہنا یہ بھی ایک اداسی ہے
دل کی باتیں سن کر ہنسنا یہ تو سب کی عادت ہے
ان باتوں پر ہنستے رہنا یہ بھی ایک اداسی ہے
مار کے کنکر لہریں گننا بیٹھ کے جھیل کنارے پر
کچھ لوگوں کا ہے یہ کہنا یہ بھی ایک اداسی ہے

فوزیہ صدیقی کی ڈائری سے

وصی شاہ کی خوبصورت نظم

آج وہ مدت بعد آئی بھی
بس یہ کہنے
جاناں!
میرے سارے خط لوٹا دو
سب تصویریں قلم کتابیں
واپس کر دو سارے تحفے
مجھ سے سب کچھ مانگنے والی
جاتے جاتے
میرے کمرے کی چوکھٹ پر
چھوڑ گئی
اپنا آپ

صباء غنی کی ڈائری سے

وصی شاہ کی نظم

ابھی تو آنکھ کی مشعل
مجھے رستہ دکھاتی ہے
ابھی تو آئینہ چہرہ دکھاتا ہے
سراب ہی سہی جاناں!
یہ رستہ پیر کے نیچے
ابھی تو آس لکھتا ہے
ابھی ہے وقت مٹھی میں
اگرچہ ریت کی مانند
پھسلتا جا رہا ہے پر
تمہارے لوٹ آنے تک
سنبھالوں گا کوئی لمحہ
یہ سارا وقت گرنے سے
میرے ہاتھوں سے بہنے سے
ذرا اک لمحہ پہلے تک
اگر تم لوٹ آؤ تو
اگر تم لوٹ آؤ تو میری تکمیل ہو جائے

☆.....☆.....☆

اشعار

نوشی.....دیہاڑی

ہوگئی ایک خوبصورت سی غلطی مجھ سے
تم سے محبت' اور صرف تم سے محبت

رضوانہ آفتاب.....کراچی

سنبھل کر چلنا رستہ بڑا دشوار ہے جاناں
اکثر سفر محبت میں عاشق ڈوب جاتے ہیں

سباس گل.....رحیم یار خان

لو ہم نے دل کو مار لیا
کب دفن کروگے؟ مسجد میں اعلان کراؤ

فرزانہ شوکت.....کراچی

پرکھنا مت پرکھنے سے کوئی اپنا نہیں رہتا
کسی بھی آئینے میں دیر تک چہرہ نہیں رہتا
بڑے لوگوں سے ملنے میں ہمیشہ فاصلہ رکھنا
جہاں دریا سمندر سے ملا' دریا نہیں رہتا

نورعلی.....گجرات

یہیں سے جان گیا میں کہ بخت ڈھلنے لگے
میں تھک ہار کر پیڑ میں بیٹھا تو پیڑ جلنے لگے
جو دے رہا تھا سہارے تو اک ہجوم میں تھا
جو گر پڑا تو سبھی راستے بدلنے لگے

حنا علی.....سیالکوٹ

کل رات چاند کو دیکھا تو یہ احساس ہوا
تم اکیلے ہو تمہیں میری ضرورت ہوگی
اے خدا اس کو کسی اور کا ہونے نہ دینا
زندگی بھر مجھے پھر تجھ سے شکایت ہوگی

عانیہ نیازی.....ربوہ

خواہش جو دل میں تھی اسے مرنے نہیں دیا
دامن پر آنسوؤں کو بکھرنے نہیں دیا
وہ میری ملکیت تھا' رہا میرے پاس ہی
دل میں اسے کسی کے اترنے نہیں دیا

ثناء حیات.....کراچی

تمہارے ساتھ مرے سلسلے نہ ملتے تھے
سفر تھا ایک مگر راستے نہ ملتے تھے
تجھے گنوا کے میری جاں مجھے یقین آیا
کہ لوگ مجھ سے مرے واسطے نہ ملتے تھے

امبرین حیدر.....اسلام آباد

اس کی باتوں کو بھلا دیں یہ تو ممکن ہی نہیں
اس نے جو بھی کہا رونما ہونے کو ہے
اس کے چہرے کی اداسی سے ہی ظاہر ہے محسن
جیسے وہ ایک بار پھر مجھ سے جدا ہونے کو ہے

نوشین مدثر.....لاہور

مجبور تھے ہم وفا اپنی جتا نہ سکے
کھاتے رہے دل پہ زخم کسی کو بتا نہ سکے
چاہتوں کی حد سے بڑھ کر چاہا اسے
صرف اپنا اسے بنا نہ سکے

فرزانہ.....کراچی

زندگی بھر تنہائی کا سفر ملا
نہ کوئی ساتھی نہ کوئی ہم سفر ملا
دیا جلتا چھوڑ آئے تھے ان کے لیے
جب واپس لوٹے تو جلتا ہوا اپنا ہی گھر ملا

شمائلہ قیصر.....کراچی

تم مجھ سے بچھڑ کر میری خواہش میں نہ رہنا
جب دھوپ کو پہنا ہے تو بارش میں نہ رہنا
سچائی کے رستے میں نہیں سائباں کوئی
چلنا ہے تو پھر چھاؤں کی خواہش میں نہ رہنا

ام فروا.....کراچی

رفتہ رفتہ وقت سے مجبور ہوتا گیا

بہت پیار تھا تجھ سے اور تجھ سے دور ہوتا گیا
میں نے التجا کی کہ تیرے بن وقت نہیں گزرتا
یہ سن کر تُو بھی تھوڑا مغرور ہوتا گیا

رشا ممتاز.....جھنگ

آنکھ میں بے کراں ملال کی شام
دیکھنا عشق کے زوال کی شام
میری قسمت ہے تیرے ہجر کا دن
میری حسرت تیرے وصال کی شام

رانیہ عمر.....بھکر

روز یاد آنے کی شکایت ہے آپ سے
کیا جانے کیسی چاہت ہے آپ سے
لوگ تو بہت ہیں کہنے کو لیکن
دل کو نہ جانے کیوں محبت ہے آپ سے

رامین ناز.....حیدرآباد

آج بہت دکھ ہو رہا ہے حالِ زندگی پر جان
کاش! ہم نے حد میں رہ کر محبت کی ہوتی

بشریٰ.....ملتان

خواب میں بھی تم اب نہیں آتے
مطلب نفرتیں ان دنوں عروج پر ہیں

آفرین خلیل.....فیصل آباد

تجھے بھولنا ہوتا تو کب کا بھلا دیتے
تم حسرتِ زندگی ہو کوئی مطلب زندگی تو نہیں

رابعہ منیر.....سرگودھا

اس کو کھونے کا بہت دکھ ہے مگر
ہم اسے پانے کے اسباب کہاں سے لاتے

دھنک ناز.....کراچی

تیری یاد میں کی ہے میں نے سمندروں سے دوستی
نجانے پھر بھی کیوں مجھے تیرے لفظوں کی پیاس رہتی ہے

ام ہانی.....بھکر

رکا ہوا ہے عجب دھوپ چھاؤں کا موسم
گزر رہا ہے کوئی دل سے بادلوں کی طرح

نگہت جبیں.....چنیوٹ

شام تنہائی ڈس رہی ہے مجھے
درد کے بادلوں نے گھیرا ہے
لو چراغوں کی تیز تر کردو
شہرِ دل میں بڑا اندھیرا ہے

ارم خان.....پشاور

رکتا بھی نہیں ٹھیک سے چلتا بھی نہیں ہے
یہ دل کہ تیرے بعد سنبھلتا بھی نہیں ہے
اک عمر کے صحرا سے تیری یاد کا بادل
ٹلتا بھی نہیں ہے اور برستا بھی نہیں ہے

عائشہ عمران.....قصور

تُو نام کا دریا ہے روانی نہیں رکھتا
بادل ہے وہ بے فیض جو پانی نہیں رکھتا
یہ آخری خط آخری تصویر بھی لے جا
میں بھولنے والوں کی نشانی نہیں رکھتا

سیدہ امبر ہاشمی.....کراچی

روٹھ جاتے ہو تو کچھ اور حسیں لگتے ہو
ہم نے یہ سوچ کے ہی تم کو خفا رکھا ہے
سانس تک بھی نہیں لیتے تجھے سوچتے وقت
ہم نے اس کام کو بھی کل پر اٹھا رکھا ہے

شاہین سجاد.....صوابی

یہ جو ڈوبی ہیں میری آنکھیں اشکوں کے دریا میں
یہ مٹی کے پتلوں پر بھروسے کی سزا ہے

عائشہ.....منڈی بہاؤالدین

ساتھ چھوڑ کے بھی ہم سے جدا مت ہونا
وفا چاہیئے آپ سے بے وفا مت ہونا
روٹھ جائے ساری دنیا ہم سے
مگر آپ ہم سے کبھی بھی خفا مت ہونا

زرینہ.....کوئٹہ

جسے مانگا تھا میں نے ہر دُعا میں
وہ بن مانگے کسی کو مل گیا ہے

☆.....☆.....☆

اس ماہ میں

اس ماہ کے اقتباس

محبت

شیکسپیئر نے ''ہیلمٹ'' میں لکھا ہے ''محبت انسان کو پاگل کر دیتی ہے، محبت دماغ کا ایک خلل ہے کہ اگر کوئی انسان اس خلل میں مبتلا ہو جائے تو اس کا علاج مشکل ہے۔ سارے خواب، سارے چہرے، سارے مناظر آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، صرف ایک چہرہ آنکھوں میں منجمد ہو جاتا ہے ''محبوب کا چہرہ''۔

جنت

صاحبو! گھریلو سکون سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ایک دن میرے بابا نے مجھ سے پوچھا:

''مفتی دنیا میں جنت حاصل کرنا چاہتے ہو؟'' میں نے کہا: ''بالکل چاہتا ہوں، آگے ملے نہ ملے یہاں مل جائے''۔ بولے ''آسان بات ہے کہ بیوی کوئی بات کہے جواب میں کہو ہاں جی''۔ صاحبو! اس روز سے میں جنت میں رہتا ہوں۔

(ممتاز مفتی)

انتخاب: شائلہ قیصر.....کراچی

اس ماہ اقوال

☆ آپ کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ آپ کی شخصیت کو ظاہر کرتا ہے۔

☆ اگر شخصیت میں پختگی ہو تو عادات میں سادگی خود بخود آجاتی ہے۔

☆ ہمیشہ اپنی نشست و برخاست ان لوگوں میں رکھو جن کو دیکھ کر اللہ یاد آئے۔

☆ اگر تم والدین کی باتوں پر توجہ دو تو لوہے کی، پتھر کی سلیں بھی تمہارے ہاتھوں موم بن جائیں گی۔

☆ اپنی لاعلمی کے احساس کا نام ہی علم ہے۔

☆ تجسس ذہین لوگوں کی مستقل خصوصیت ہے۔

☆ دکھ انسانی شخصیت کا جزو ہے۔

☆ آدمی اس وقت مرتا ہے جب دل سے اترتا ہے اور زندہ تب ہوتا ہے جب دل میں اترتا ہے۔

☆ سب معاملے تقدیر کے آگے سرنگوں ہیں۔

عانیہ نیازی.....ربوہ

اس ماہ کی غزل

ملکی حالات کو دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے اور بے ساختہ احمد فراز کی غزل ذہن و دل میں گونجنے لگتی ہے۔

اے خدا آج اسے سب کا مقدر کر دے
وہ محبت کہ جو انسان کو پیغمبر کر دے
سانحے وہ تھے کہ پتھرا گئیں آنکھیں میری
زخم یہ ہیں تو میرے دل کو بھی پتھر کر دے
صرف آنسو ہی اگر دست کرم دیتا ہے
میری اجڑی ہوئی آنکھوں کو سمندر کر دے
مجھ کو ساقی سے گلہ ہو نہ تنگ بخشی کا
زہر بھی دے تو میرے جام کو بھر بھر کر دے
شوق اندیشوں سے پاگل ہوا جاتا ہے فراز
کاش یہ خانہ خرابی مجھے بے در کر دے

مسکان.....قصور

اس ماہ کا سچ

انسان دو وجہ سے بدل جاتا ہے کوئی بہت خاص اس کی زندگی میں آجائے، یا کوئی بہت خاص اس کی زندگی سے چلا جائے۔

ثوریشا خان.....حیدر آباد

اس ماہ کی مزاحیہ غزل

ڈالروں کا اسیر ہے ہر شخص
کیا ازل سے فقیر ہے ہر شخص
مانگتا ہے صدارتی ٹکٹ
جیسے الن فقیر ہے ہر شخص
یوں چلاتا ہے طنز کے نشتر
گویا تلوار و تیر ہے ہر شخص
مال کھاتا ہے جو مریدوں کا
مستند کھاؤ پیر ہے ہر شخص
کیا یہ رشوت کوئی حسینہ ہے
اب تو اس کا اسیر ہے ہر شخص

شاعر: مرزا عاصی اختر

انتخاب: صبا سحر.....ہارون آباد

اس ماہ کی معلومات

☆ پاکستان کے سیالکوٹ کے پیدائشی شاعر فیض احمد فیض انگریزی روزنامہ ''پاکستان ٹائمز'' کے ایڈیٹر (مدیر) تھے۔

☆ مصور غم علامہ راشد الخیری خواتین کے لیے ماہنامے نبات، عصمت اور جوہر نسواں نکالتے تھے۔

☆ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کی عظیم تنقید نگاری کی تخلیق ''محاسن کلام غالب'' ہے۔

☆ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی ابتداء کا نام ''محمڈن اینگلو اورینٹل کالج'' ہے۔

☆ ہندوستان پر حکومت کرنے والے آخری مغل شہنشاہ سراج الدین بہادر شاہ ظفر ''سراج الاخبار'' کے بانی تھے۔

☆ سب سے قدیم اردو کے شاعر محترم امیر خسرو ہیں۔

☆ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے گریجویٹ کرنے والے مسلمانوں کے رہنما اور عظیم شاعر مولانا حسرت موہانی کے شاگرد تسلیم لکھنوی استاد سے بھی زیادہ مشہور ہوئے۔

پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی.....کراچی

اس ماہ کی مسکراہٹیں

درخواست

ایک ہالی وڈ اسٹار کی شادی تھی اس کی گاڑی خراب ہو گئی تو اس نے اپنی ہونے والی بیوی کو فون کیا۔

''جیکی! میری گاڑی خراب ہو گئی ہے دیکھو جب تک میں نہ آؤں تب تک کسی سے شادی نہ کرنا''۔

عالمی ریکارڈ

ایک سوئمنگ کلب کے نوٹس بورڈ پر چسپاں ایک عبارت ملاحظہ کیجئے۔ ای این واٹر نے پانی کے اندر رہنے کا عالمی ریکارڈ توڑ دیا ہے وہ مسلسل چھ گھنٹے، بتیس منٹ اور بیالیس سیکنڈ زیر آب رہا۔

مرحوم کی تدفین صبح آٹھ بجے کلب سے ملحق قبرستان میں ہوگی نمبران سے شرکت کی درخواست ہے۔

حاضر دماغی

دو وکیل ایک ہوٹل میں گئے اور دو بوتلوں کا آرڈر دیا اپنے بریف کیسوں سے سینڈوچ نکال کر کھانے لگے، ہوٹل کا مالک ان کے پاس آیا اور کہا:

''آپ یہاں اپنا سینڈوچ نہیں کھا سکتے''۔ وکیلوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، کاندھے اچکائے اور اپنے سینڈوچ تبدیل کر لیے۔

سیدہ امبر ہاشمی.....کراچی

☆.....☆.....☆

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

"مکھی کے ایک پر میں زہر اور دوسرے میں شفا ہے جب وہ کھانے یا پینے کی چیز میں گر پڑے تو اس میں ڈبودو (پھر نکال کر پھینک دو) کیونکہ وہ زہر والا پر آگے اور شفا (والا پر) پیچھے رکھتی ہے"۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت مقدام بن معدی کرب زبیدیؓ سے روایت ہے رسول اکرمؐ نے فرمایا:

"کوئی آدمی اپنے ہاتھ کی کمائی سے زیادہ پاکیزہ (اور عمدہ) روزی حاصل نہیں کرسکتا اور آدمی اپنی ذات پر، اپنے بیوی بچوں پر اور اپنے غلام پر جو کچھ بھی خرچ کرتا ہے وہ صدقہ ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم)

سیدہ نورین.....کراچی

دعاؤں کی برکت

"حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے "میری امت اپنے اپنے گناہ سمیت اپنی قبروں میں داخل ہوگی اور جب باہر نکلے گی تو بے گناہ ہوگی، کیونکہ وہ مومنین کی دعاؤں سے بخش دی جاچکی ہوگی"۔ اس حدیث سے ہمیں اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔ اگر آج ہم کسی کی دعائے مغفرت کے لیے ہاتھ بلند کریں گے تو کل کو ہمارے لیے بھی کوئی نہ کوئی ہاتھ بلند کرے گا۔

(ریما نور.....کراچی)

فرمان علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"زندگی استاد سے زیادہ سخت ہوتی ہے استاد پہلے سبق دیتا ہے پھر امتحان لیتا ہے لیکن زندگی پہلے امتحان لیتی ہے پھر سبق دیتی ہے"۔

ماہ نور نواز.....ملتان

12 کا ہندسہ

☆ ہمارے حضورؐ 12 ربیع الاول کو پیدا ہوئے اور 12 ربیع الاول کو رحلت فرمائی۔

☆ لا الہ اللہ میں 12 حروف ہیں اور محمد رسول اللہ میں بھی۔

☆ ایک ہی پتھر سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے 12 چشمے جاری کیے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے سال کے 12 مہینے بنائے۔

☆ 12 سال تک اذان دینے والے کے لیے بشارت ہے۔

☆ سورۃ الفرقان میں عباد الرحمٰن کی 12 صفات بیان کی گئی ہیں۔

☆ سورۃ یوسف 12 ویں پارے میں ہے اور جس سورۃ میں ذکر آیا ہے اس کا نمبر بھی 12 ہے اور اس سورۃ کے رکوع بھی 12 ہیں۔

☆ حضرت عبدالمطلب، حضرت یعقوبؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے 12، 12 بیٹے تھے۔

☆ حضرت یوسف 12 سال تک قید میں رہے۔

☆ حضرت عیسیٰؑ کے 12 حواری تھے۔

☆ قوم بنی اسرائیل 12 خاندانوں میں تقسیم تھی۔

☆ بروج کی تعداد 12 ہے۔

☆ بنی اسرائیل پر 12 سردار مقرر ہوئے۔

فرزانہ شوکت.....کراچی

پوچھنا منع ہے

☆ خاتون سے اس کی عمر۔

☆ سیاستدان سے اس کی پالیسی۔

☆ کسی مرد سے اس کی تنخواہ۔

☆ شاعر سے اس کا نام۔

☆ ڈاکٹر سے صحت بہتر بنانے کے طریقے۔

☆ حسینہ سے اس کی خوبصورتی کا راز۔

☆ پولیس اہلکار سے مال بنانے کے طریقے۔

حنا علی.....سیالکوٹ

پریشانی

ایک صاحب رات گئے ایک ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے دوست کو ایک کونے کی میز پر فکرمندی کے عالم میں سر جھکائے بیٹھے دیکھا۔

"یار! کیا بات ہے تم ابھی تک گھر نہیں گئے؟" انہوں نے ہمدردی سے پوچھا۔

"کیا بتاؤں میں نے فون پر بیوی سے بہانہ کرکے کہا تھا کہ رات کو دیر سے گھر آؤں گا اور اب یاد نہیں آرہا کہ بہانہ کیا تھا؟" دوست نے اپنی پریشانی بیان کی۔

مہوش.....راولپنڈی

خوش نصیب

ایک وکیل نے اپنے موکل سے کہا۔ "بچپن کی عمر بھی عجیب ہوتی ہے، ایک بار میں نے فلم بہرام ڈاکو دیکھی تو دل میں ڈاکو بننے کی خواش کرنے لگا"۔ موکل بولا۔ "جناب! آپ بڑے خوش قسمت ہیں ورنہ اس دنیا میں بہت کم لوگوں کی خواہشات پوری ہوتی ہیں"۔

مسکان.....قصور

زندگی

زندگی جینے کے دو ہی راستے ہیں۔

(1) بھول جاؤ انہیں جنہیں معاف نہیں کرسکتے۔

(2) معاف کردو انہیں جنہیں بھلا نہیں سکتے۔

وریشا خان.....حیدرآباد

وقت کی قدر کرو

ایک مرتبہ کسی نامہ نگار نے مشہور سائنس دان تھامس ایڈیسن سے پوچھا "مسٹر ایڈیسن! اگر تمہیں اپنی جائے پیدائش کے انتخاب کا موقع دیا جاتا تو تم کون سی جگہ پیدا ہونا پسند کرتے؟" انہوں نے فوراً جواب دیا "سیارہ مریخ پر"۔

"کیوں اس کی وجہ کیا ہے؟ نامہ نگار نے سوال کیا۔

ایڈیسن نے جواب دیا "اس لیے کہ مریخ کا دن ہمارے دن سے چالیس منٹ بڑا ہوتا ہے۔

راجکماری سارہ احسان.....بہاولپور

اہمیت

"اگر کوئی محبت کرنے والا انسان تم پر غصہ کرنا چھوڑ دے تو سمجھ جاؤ کہ تم اس کی نظر میں اپنی اہمیت کھو چکے ہو"۔

امبرین حیدر.....اسلام آباد

پیار

"کسی انسان کا پہلا پیار بننا کوئی بڑی بات نہیں، بننا ہے تو کسی کا آخری پیار بنو، اس لیے سوچو کہ تم سے پہلے وہ کسی اور سے پیار کرتا تھا، کوشش یہ کرو کہ تمہارے بعد اسے کسی اور کے پیار کی ضرورت ہی نہ رہے"۔

سرپرائز

"جب آپ کو اپنی زندگی میں ہر طرف اندھیرا نظر آنے لگے تو پریشان مت ہوں، تھوڑا سا مسکرائیں اور یقین

رکھیں کہ اللہ نے وقتی طور پر ساری ٹینشن آف کردی ہیں آپ کو سرپرائز دینے سے پہلے"۔

لاریب.....کوئٹہ

ویر میرا گھوڑی چڑھیا.....!

بہنوں کو اپنے بھائیوں کے سر پر سہرا سجانے کا بہت شوق ہوتا ہے، اس لیے وہ ایک عدد چندے آفتاب چندے ماہتاب کی تلاش شروع کردیتی ہیں۔ جب بھابی کی تلاش شروع ہوتی ہے تو بہنیں چاہتی ہیں کہ بھابی کا رنگ دودھ کی طرح سفید ہو جبکہ بھیا بے شک توے کو ہی مات دے رہے ہوں۔ لڑکی پڑھی لکھی ہو، بھیا بے شک اپنا نام بھی ٹھیک طرح سے لکھنا نہ جانتے ہوں، لڑکی بولے تو کوئل کی آواز کا گماں ہو، بھیا بے شک پھٹے ہوئے ڈھول کی طرح آواز نکالے۔ لڑکی کی آنکھیں خوبصورت اور بڑی بڑی ہوں۔ بھلے بھیا کی ایک آنکھ مشرق اور دوسری مغرب کی طرف کیوں نہ جارہی ہو۔

ماں اور بہنیں لڑکی کو ایسے دیکھتی ہیں جیسے بکرا منڈی سے بکری خریدنے آئی ہوں۔ بہنیں کہتی ہیں کہ ہم اپنی بھابی کو پلکوں پر بٹھا کر اور اپنے ہاتھ کا چھالا بنا کر رکھیں گی لیکن بھابی کے گھر آتے ہی اسے اپنے جوتے کی نوک پر رکھنے کی کوشش کرتی ہیں اور برتن دھلوا دھلوا کر اس کے ہاتھوں میں چھالے ڈال دیتی ہیں۔

جس بھابی کو بڑے چاؤ سے بیاہ کر گھر لاتی ہیں، پھر اسے ہی گھر سے نکالنے کے طریقے سوچے جاتے ہیں جو بھابی پہلے دنیا کی خوبصورت عورت دکھائی دیتی تھی بعد میں چڑیل نظر آنے لگتی ہے اور دنیا کی ہر برائی اس میں نظر آتی ہے۔ اگر غلطی سے بھیا صاحب بیوی کی سائیڈ لے لیں تو بین شروع ہوجاتے ہیں۔ "ہائے ہائے! اس جادوگرنی نے تو ہمارے بھولے بھالے بھیا پر جادو کردیا ہے۔ بھیا تو زن مرید بن گئے وغیرہ وغیرہ"۔

بھابی سے چھٹکارا پانے اور بھیا کے سر پر دوبارہ سہرا سجانے کے بارے میں غور وفکر شروع ہوجاتا ہے۔ بہرحال یہ تو زمانے کی روایت ہے جو چلتی آرہی ہے اور چلتی رہے گی لیکن اس روایت کو بدلنا چاہیے کیونکہ آپ جب کسی کی بیٹی کو بیاہ کر لاتے ہیں تو وہ صرف ایک رشتے کی خاطر باقی سارے رشتے ناتے پیچھے چھوڑ کر آتی ہے۔ وہ آپ کے بھائی کا گھر آباد کرنے کے لیے اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑ کر آتی ہے لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اسے کھلے دل سے اپنائیں اور اس کی حوصلہ افزائی کریں تاکہ اسے اپنوں کی کمی محسوس نہ ہو۔

ایس۔امتیاز احمد.....کراچی

دوستی

کسی شہنشاہ کے تاج کے قیمتی موتیوں سے زیادہ چمکدار اور چاندرات سے زیادہ پرکشش، اگر کوئی چیز ہے تو وہ ہے دوستی۔ دوستی کا نازک دھاگا فرشتوں نے تھام رکھا ہے۔ محبت اور خلوص کی پریاں اس کی حفاظت کرتی ہیں اسی لیے دنیا کی مخالفت اس کو نہیں توڑ سکتی۔

نشانہ

ایک شخص نے اپنے دوست سے کہا "میری بیوی گزشتہ چھ ماہ سے چیزیں کھینچ کر مار رہی ہے کوئی علاج بتاؤ؟" دوست نے حیرت سے پوچھا "یار! وہ تمہیں چھ ماہ سے مار رہی ہے اور تم اب مشورہ مانگ رہے ہو؟" اس شخص نے کہا "پہلے ڈر اور پریشانی کی کوئی بات نہیں تھی"۔

"پھر اب کیا ہوا؟" دوست نے سوال کیا۔ "پہلے اس کا نشانہ خطا ہوجاتا تھا"۔ اس شخص نے بے بسی سے جواب دیا۔

اُم ہانی.....بھکر

اقوال زریں

☆ چاند کے بغیر رات بے کار ہے اور علم کے بغیر ذہن۔

☆ مرد آنکھ ہے تو عورت اس کی بینائی، مرد پھول ہے تو عورت اس کی خوشبو ہے۔

☆ نیکی کی طرف بلانے والا نیکی کرنے والے کے برابر ہے۔

☆ بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ بدسلوکی ہو۔

☆ محبت تو پتوں کی سائیں سائیں کی طرح ہوتی ہے نہ دکھائی دیتی ہے نہ پکڑ میں آتی ہے بس اپنے حصار میں لے لیتی ہے۔

☆ وہاں رہنا آپ کی نادانی ہے جہاں آپ کی ضرورت اور قدر نہ ہو۔

☆ دنیا تمہیں اس وقت تک نہیں ہرا سکتی جب تک تم اپنے آپ سے نہ ہار جاؤ۔

☆ حوصلہ کبھی یہ نہیں پوچھتا کہ پتھر کی دیوار کتنی اونچی ہے۔

☆ انسان کی باشعور زندگی کسی آزمائش کے بعد شروع ہوتی ہے۔

☆ اعتبار کی دیواروں کو اتنا مضبوط کرلو کہ اسے شک کا کوئی طوفان گرا نہ سکے۔

☆ جب ہمارا خود اپنے دل پر اختیار نہیں تو کوئی دوسرا ہم مزاج کیسے بن سکتا ہے۔

سائرہ کنول.....بہاولپور

زندگی اور یادیں

زندگی بہت خوبصورت ہے لیکن یہ انسان پہ منحصر ہے کہ وہ زندگی کو خوب صورت بناتا ہے یا بدصورت؟ لمحہ، لمحہ مل کر زندگی بن جاتا ہے۔ ہر آنے والا لمحہ گزرے لمحے کی یاد ساتھ لے کر آتا ہے۔

ہم وقتی طور پر بہت کچھ بھلا دیتے ہیں۔ زمانے کے فریب، دنیا کی رنگینیاں اور جیون کی تلخیاں سب کچھ فراموش کرکے خود کو پرسکون ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن پھر ایسا ہوتا ہے کہ کبھی تنہائی میں ماضی کے تمام بند جھروکے وا ہوجاتے ہیں اور کبھی بھری محفل میں کوئی لطیف یا پھر کوئی چبھتا ہوا واقعہ ہمیں یادوں کے سمندر میں پھینک دیتا ہے۔ ہمارے لاشعور کی بند گتھیاں جن پر ہم سمجھوتوں کی مہر لگا چکے ہوتے ہیں، ایک ایک کرکے کھلتی چلی جاتی ہیں اور ہم اردگرد کے ماحول سے بے خبر ان بھول بھلیوں میں کھو جاتے ہیں اور جب ان بھول بھلیوں کے تھکا دینے والے راستوں سے پرنم آنکھوں کے ساتھ واپس لوٹتے ہیں تو اردگرد کے ماحول میں خود کو اجنبی سا محسوس کرنے لگتے ہیں۔

یادیں زندگی کا انمول حصہ ہوتی ہیں، ان کے بغیر جینا بہت مشکل ہے۔ جب انسان اپنے آپ کو بہت تنہا محسوس کرتا ہے تو یادیں انسان کا ساتھ دیتی ہیں۔ زندگی انسان کو بہت کچھ سکھاتی ہے۔ جب تک انسان زندگی کو سمجھنے کے قابل ہوتا ہے، تب تک زندگی کا ساتھ ختم ہوجاتا ہے۔ زندگی ہنساتی بھی ہے اور رلاتی بھی۔ اور اسی ہنسنے ہنسانے اور رونے رلانے کا نام ہی زندگی ہے۔

فوزیہ خان.....لاہور

مددگار

محبت خان میں مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنے کا بے حد جذبہ تھا۔ ایک روز وہ سائیکل پر اپنے گھر جارہے تھے کہ ایک سنسان گلی میں انہوں نے ایک لمبے تڑنگے طاقتور آدمی کو دیکھا، جو ایک کمزور اور پستہ قد آدمی کو مار رہا تھا۔

"خبردار.....رک جاؤ، بزدل کہیں کے!" محبت خان نے طاقتور آدمی کو للکارا اور سائیکل سے اتر کر دو چار زبردست قسم کے گھونسے رسید کرکے اسے بے ہوش کردیا۔

تب کمزور اور منحنی سا آدمی کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھا اور زمین سے ایک بٹوا اٹھاتے ہوئے بولا۔ "اب ہم اس بٹوے کے پیسے آدھے آدھے کرلیتے ہیں، جو میں نے اس آدمی کی جیب سے نکالا تھا"۔

☆.....☆.....☆

ذرا پھر سے کہنا

نعت

سرکار میرے درد کی دوا ہوجائے
میری ہر سانس تیرے در کی گدا ہوجائے
بڑے اوج پہ چمکے گا، پھر میرا نصیب
گر مدینے کو رواں یہ قافلہ ہوجائے
آنکھوں میں لگالوں میں سرمہ بنا کر
گردِ طیبہ میرے لیے خاکِ شفا ہوجائے
ہو مقدر یاوری پہ تو چوموں نعلین مبارک
شاہوں کے مقابل میرا سر اونچا ہوجائے
رُخِ انور کی دید سے بیمار عصیاں شفا پائے
وجود کی تابش سے آنگن میں اُجالا ہوجائے
بجھتی آنکھوں میں تیرا جمال ہو جلوہ گر
دم آخر لب پہ جاری صلِ علیٰ ہوجائے
قسمت کا دھنی ہے جو بنے مہمان تیرا
کرم مجھ پہ بھی شہہ والا ہوجائے
اُن کے کوچے کا مونؔ جو ہے ادنیٰ ثناء گر
تاجداروں کے مقابل وہ اعلیٰ و بالا ہوجائے

حافظہ مون شاہ بخاری

نظم

آداب سے پلکیں جھکا کر کہتے ہیں
اس دل میں تم بستے ہو
نظریں ملا کر کہتے ہیں
یوں کرو محبت ہم سے کہ جل جائے زمانہ
ہم اعلان محبت سرِ عام کرتے ہیں

سائرہ ناز محمد شفیق

نظم

اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں سجالے مجھ کو
میں ہوں تیرا تُو نصیب اپنا بنالے مجھ کو
میں جو کانٹا ہوں، تو چل مجھ سے دور ہو کر
اور جو پھول ہوں....!
تو کالر میں سجالے مجھ کو
مجھ سے تُو پوچھے آ کے وفا کے معنی
یہ تیری سادہ دلی مار ہی نہ ڈالے مجھ کو
میں سمندر بھی ہوں، موتی بھی ہوں، اور غوطہ زن بھی
کوئی بھی نام، میرا لے کر بلالے مجھ کو

سیدہ فرزانہ حبیب فرزین

نظم

سنو!
روز عید یہی کہنا ہے
گئے دنوں کی
دکھوں کی چبھن بھلا کر
اب کے عید
محبتوں کا

گلاب رُتوں کا
استقبال کرنا

فرزانہ شوکت

دل کے آنگن میں

عمر کے ساتھ ہی
کچھ پھول کھلتے ہیں، کچھ مرجھا جاتے ہیں
پہلے دوستی کے، اعتبار کے
ہر سُو خوشیوں چاہتوں کے
پھر محبت کے، قوس وقزح کے
بے وجہ مسکراہٹوں کے
پھر ناراضی کے، بے وفائی کے
جدائی کے
عمر کے ساتھ ہی
کچھ پھول کھلتے ہیں، کچھ مرجھا جاتے ہیں

مریم مغل

نظم

مدتوں شناسائی رہی
اک ملاقات کے بعد
یوں دل کو بھا گیا وہ
اک ملاقات کے بعد
الجھی رہی تم وقت کے چکروں میں زاہیؔ
وہ جیت گیا بازی
اک ملاقات کے بعد
جانے وہ کون سا تھا لمحہ!
ہم جکڑے گئے جس میں
وہ لوٹ گیا قرار میرا
اک ملاقات کے بعد

زاہدہ ہاشمی زاہی

مکمل

میری زیست تم پہ
ختم
تم سے شروع ہوتی ہے
زندگی بنا تیرے
جیسے ایک
سزا ہوتی ہے
تیری یادیں
میرے من کو
سلگاتی ہیں
راتوں کو جگاتی ہیں
میری آنکھیں تجھ ہی
کو دیکھنا چاہتی ہیں
سنو جاناں...!
میری ذات
اب
مکمل ہونا چاہتی ہے

افسانہ آفتاب

کانچ کا پیکر

لڑکیاں کانچ کا پیکر ہوتی ہیں
جب ماں کی نرم آغوش میں
جب باپ کی لاڈ بھری گود میں
جب بھائی کی محبت بھری چھایا میں

بچپن سے جوانی کے زمانے پار کرتی ہیں
کلائیوں میں سجی نازک چوڑیوں کی طرح
کانچ کا خوبصورت مجسمہ سمجھی جاتی ہیں
آنکھوں میں کھینچی کاجل کی دھار کی طرح
آنسوؤں کے نمکین پانیوں کے ساتھ بہہ جاتی ہیں
ذرہ سی ٹھیس لگنے پر ریزہ ریزہ بکھر جاتی ہیں
مگر!
کرچی کرچی ہو کر بکھرتی نہیں
بلکہ موم کی طرح ڈھل جاتی ہیں
جو سختی حالات سے بہتی نہیں
بلکہ پگھل جاتی ہے
ہم لڑکیاں کانچ کا پیکر نہیں
موم کا نرم در حقیقت سخت جان
مجسمہ ہوتی ہیں

اقراء سیف

سنو! چلو اک کام کرتے ہیں

اپنی چاہتوں محبتوں کے سب سنہری موتی تیرے نام کرتے ہیں
کھول کے دریچہ دل ساری الفتیں تیرے نام کرتے ہیں
کر کے آج یہ اقرار محبت یہ عہد پیماں وفا کرتے ہیں
نہ بچھڑیں گے کبھی تم سے یہ وعدۂ پیماں وفا کرتے ہیں
تم سے ہی عشق و محبت کی ابتداء اور انتہا کرتے ہیں
اپنی حیات کے سارے حسین موسم اور یہ پھول تیرے
نام کرتے ہیں
دے کے تجھے اپنی چاہت نذرانہ محبت کچھ اس طرح
تیری خودی عشق محبت میں خود کو فنا کرتے ہیں
کر کے تم سے یہ بس اقرار محبت او جن
جیون کا ہر دن ہر Valentine تیرے نام کرتے ہیں

وفا شاہ

میری ماں

میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے میری ماں
میرے دل کا سکون ہے میری ماں
میری زندگی کی دعا ہے میری ماں
میرے درد بھرے زخموں کا مرہم ہے میری ماں
جب کبھی روٹھوں میں ان سے
تو بڑے پیار سے میرے بالوں کو سہلاتی ہے میری ماں
میرے ماتھے سے ان بکھری زلفوں کو ہٹاتے ہوئے
میٹھی سی پیار بھری آواز میں
میرا نام پکارتی ہے میری ماں
ان کے الفاظوں کی مہک
میری روح تک میں
اک سرشاری سی بکھر جاتی ہے
اپنی محبت بھری آغوش میں
بڑے لاڈ سے سلاتی میری ماں
اپنی سکون بھری چھاؤں میں سمیٹ کر
جنت کی سیر کرواتی ہے میری ماں
اور اس وقت یہی سوچتی ہوں میں
کاش! یہ لمحہ معتبر تھم جائے یہیں پہ
اور یوں ہی گزر جائے
میری پوری عمرِ رواں....!

مدیحہ اعجاز حسین

میرا درد پھر سے غزل بنے

میرا درد پھر سے غزل بنے
کبھی گنگناؤ تو اس طرح
میرے زخم پھر سے گلاب ہوں
کبھی مسکراؤ تو اس طرح
میری دھڑکنیں بھی لرز اٹھیں
کبھی چوٹ کھاؤ تو اس طرح
جو نہیں تو پھر بڑے شوق سے
سبھی رابطے، سبھی ضابطے
کبھی دھوپ چھاؤں میں توڑ دو
نہ شکست دل کا ستم سہو
نہ کسی کا عذاب جان
نہ کسی سے اپنی خلش کہو
یوں ہی خوش رہو، یوں ہی خوش پھرو
نہ اجڑ سکیں نہ سنور سکیں
کبھی دل دکھاؤ تو اس طرح
نہ سمٹ سکیں، نہ بکھر سکیں
کبھی بھول جاؤ تو اس طرح
کسی طور جان سے گزر سکیں
کبھی یاد آؤ تو اس طرح

طاہرہ حسن

زندگی

زندگی کے اوراق دہراتے رہو تم
تم خود ایک کتاب ہو سمجھا کرو تم
ہر واقعہ تمہارا کچھ بتا رہا ہے تم کو
ہر دوسرے کی حقیقت سمجھا رہا ہے تم کو
یہ کتاب تمہاری ہے تم مالک ہو اس کے
اوراق اس کے پلٹتے رہو تم

فرخ سلطانہ

غزل

غم میں ڈوبے ہوئے لمحات رلا دیتے ہیں
لوگ جب ہم کو محبت کی سزا دیتے ہیں
دل سے ہر نقشِ محبت کو مٹا دیتے ہیں
آؤ ہم آج اسے دل سے بھلا دیتے ہیں
شب کی آنکھوں سے برسنے پہ جب آئیں آنسو
طاق پر جلتے چراغوں کو بجھا دیتے ہیں
وقت پڑنے پر بدل لیتے ہیں آنکھیں اپنی
لوگ ایسے ہی محبت کا صلہ دیتے ہیں
اپنی آنکھوں سے بھی ہم آنکھیں ملا سکتے نہیں
اپنی نظروں سے وہ جب ہم کو گرا دیتے ہیں
ہم تہی دست ہیں کیا لائیں گے ان کی خاطر
زندگی آؤ حکیم ان پر لٹا دیتے ہیں

حکیم خان حکیم

غزل

آغوش میں یادوں کے خزانے بھی تھے موجود
تم سے میرے ملنے کے بہانے بھی تھے موجود
گو دل پر تیرے ہجر کی یہ چوٹ نئی تھی
کچھ دل میں میرے زخم پرانے بھی تھے موجود
آسیب زدہ گھر میں وہ تنہا تو نہیں تھی
ناشاد پرندوں کے ٹھکانے بھی تھے موجود
دیکھی نہ کسی نے بھی میرے درد کی تکلیف

مفلس بھی تھا اشکوں کے خزانے بھی تھے موجود
جب ہم کو بڑے کرب سے یاد آئی تھی گھر کی
جنگل جو تھا غاروں کے دہانے بھی تھے موجود
ایک چاند سے لٹکی تھی سیاہ زلف کی ناگن
سپیرا بھی تھا سانپوں کے ٹھکانے بھی تھے موجود
جب آسیب زدہ غم درد مچلتا تو سہلاتی تھی فطرت
غمخوار پرندوں کے ترانے بھی تھے موجود
نظارہ آنکھوں میں کھلتے ہوئے پھولوں کی طرح تھا
چبھتی ہوئی نظروں کے نشانے بھی تھے موجود
لوگوں بھرے اس شہر کراچی میں ہر چیز تھی واجدؔ
صدیاں بھی تھیں قدموں کے زمانے بھی تھے موجود

پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی

غزل

چاند ڈوب گیا دل میرا جلتا رہا
اس شکستہ دل میں پھر غم پلتا رہا
میں نے دیکھا نظر بھر کے پھر اُسے
مجھے دیکھ کے وہ پہلو بدلتا رہا
شرمندہ تعبیر ہوگئے سبھی خواب میرے
ہر شخص اپنے سائے کے ساتھ چلتا رہا
وہ ساتھ نہیں تو کوئی بات نہیں
وقت ہنسی خوشی زندگانی کا کٹتا رہا
کھائے ہیں فریب کسی کی وفا میں جاویدؔ
غم کے ماروں کا دل پھر سے سلگتا رہا

محمد اسلم جاوید

غزل

مجھ سے اک بار جو کہا ہوتا
تو اکیلے نہ غم سہا ہوتا
نہ محبت تو دل لگی ہی سہی
تم سے کچھ میرا رابطہ ہوتا
تم نے بدنام کر دیا ورنہ
ذکر میرا بھی بارہا ہوتا
آگ نفرت کی جو دبا دیتے
تو یہ گھر یوں نہ جل رہا ہوتا
امتیاز چاہت کا کچھ حسیں منظر
آنکھ کیا دل میں بھی رہا ہوتا

ایس۔امتیاز احمد

غزل

وہ خواب زندگی کو سنورتا ہوا دیکھا
ہر پہلوئے حیات نکھرتا ہوا دیکھا
ترکِ عہد سے پہلے جو کرتا رہا پردہ
کل شام سرِ عام گزرتا ہوا دیکھا
افسوس کہ اپنے ہی دیا کرتے ہیں دھوکا
سائے میں آ کے سائے کو مرتا ہوا دیکھا
الجھن سی اتنی میرے خیالوں پہ چھا گئی
خوابوں میں بھی دریا کو بپھرتا ہوا دیکھا
نظریں بھی تیری قابلِ تحسین ہیں ساجدؔ
سپنوں کا محل اپنے بکھرتا ہوا دیکھا

سید ساجد

غزل

ادھورا ساتھ لمبے راستے
شریک ہمسفر ہیں، فاصلے ہیں

میں تم کو جیت لوں گی ہار کر بھی
میرے جذبوں میں اتنے حوصلے ہیں
یہ آنکھیں دید کو ترسی ہوئی ہیں
تمہاری یاد ہے، تنہائیاں ہیں، رتجگے ہیں
یہ چاہت کب کسی کو راس آئی!
کہیں پر دل کہیں پہ پر جلے ہیں
تمہاری راہگزر میں گھر ہے میرا
تمہارے واسطے ہی در کھلے ہیں

رضوانہ ناصر حنفی

غزل

زندگی اک میلا ہے خوشی کا
جو چاہے کچھ پانا قیمت چکاتا ہے
اک اک لمحہ پل پل بکتا ہے جو یہاں
جو چاہے لینا قیمت چکاتا ہے
ہنسی ہو یا مسکراہٹ
سب کی اپنی قیمت ہے یہاں
زندگی اک میلا ہے خوشی کا
جو چاہے کچھ پانا قیمت چکاتا ہے
گر مل جائے خوشی تھوڑی
لمحے بھر کی ہوتی ہے مہ خوشی
زندگی اک میلا ہے خوشی کا
جو چاہے پانا قیمت چکاتا ہے

زارا صدف قمر

غزل

وہ سامنے ہو تو لگتا ہے فلک پڑا ہے
پہلے ہی دن سے میرا دل اس کے لیے ہمک پڑا ہے
اس کی نظریں جب اٹھیں، ایک ہی تو لمحہ گزرا تھا
پھر بھلا کیوں میرا دل دھڑک پڑا ہے
مانگی ہے برسات کی سبھی نے دعائیں
جبھی تو ہر جگہ، ہر سُو اشک پڑا ہے
کل ساری شب اسے روتا دیکھا
کون کہتا ہے شہر خشک پڑا ہے
سنا ہے میرے کوچے سے گزر اس کا ہوا ہے
یوں ہی تو نہیں سارا کوچہ مہک پڑا ہے
مجھے لگتا ہے جیسے وہ بھی کچھ کہنا چاہتا ہے
بار بار میرے پاس آ کر جھجک پڑا ہے
سوچا ہے اس کے سنگ عمر گزارنے کی دعا مانگ لوں
دیکھا ہے آئینے میں ابھی، میرے رخسار پہ پلک پڑا ہے
کہیں ایسا تو نہیں وجدان اس کا بھی پکارا ہو
جبھی عرصے سے میرے خواب میں رک پڑا ہے
سرِعام نہ محبت کا کبھی ڈھنڈورا پیٹنا
دیکھا ہوگا تم نے بھی، جگہ جگہ کالک پڑا ہے
محفل میں رقیب کا صرف ذکر ہی تو ہوا تھا
نہ جانے کیوں آنکھوں سے آنسو چھلک پڑا ہے
غلط بیانی نہ کر شانزے، میں بھلا اسے کیوں یاد کروں

میرے دل سے نکلا کہاں، وہ تو دل میں اٹک پڑا ہے

بسمہ شانزے پارس نواب

نظم

ویران بہت ہوں
وصال سے تشکیل کر مجھے
تُو پیار کر مجھ سے
ذرا تبدیل کر مجھے
صحرا کی تپتی ریت سے
آ کر مجھے بچا
تُو ٹھنڈے میٹھے پانی کی
اک جھیل کر مجھے
ہو جائیں نہ خراب کہیں میری عادتیں
ہر حکم پر نہ اس طرح تعمیل کر مجھے
اب اس طرح سے مجھ کو ادھورا نہ چھوڑ تُو
میں ہوں تیرا وعدہ تو اب تکمیل کر مجھے
چھو کر میرا وجود تجلی سی بخش دے
میں اک اندھیری رات ہوں قندیل کر مجھے

نظم

اُسے جانے کی جلدی تھی
سو...!
میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں
جہاں.....
تک چھوڑ سکتا تھا
وہاں.....
تک چھوڑ آیا ہوں...!

نوشی

تنہا

امید وصل اِک خواب
اِک سراب
اور اس سراب کا حاصل
عمر بھر کی خلش
وحشت زدہ سی زندگی
زنجیرِ ہجر میں جکڑی ہوئی
ترسی ہوئی بکھری ہوئی
اور اس زندگی میں...
میں...!
اِک اکیلی...تنہا...!

سمیرا غزل صدیقی

غزل

وہ سپنا ہے میرے من کا
وہ خواب ہے میری آنکھوں کا
میں ہر دم اس کو سوچتی ہوں
وہ ہی محور ہے میری سوچوں کا
ربّ اُس کو کبھی نہ دکھ دینا
جو سکھ بنا میرے ہر دکھ کا
میرا چہرہ پھول سا کھل اٹھتا ہے
میں چہرہ دیکھوں جب ساجن کا
اس کا آنا عید کی نوید بنا
وہ چاند ہے میرے آنگن کا

سحر انجم

☆.....☆.....☆

صالحہ محمود

سندیسے

شمائلہ دلعباد............بھاولپور

آداب آپی جی! رڈا کی تو بات ہی کیا ہے گوشہ آ گہی اور ردائے جنت دل خوش کر دیتے ہیں۔ رڈا کی پسندیدگی کی سب سے بڑی وجہ پتہ کیا ہے، نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی اور انہیں خوش آمدید کہنا۔ اقراء چنا جی! آپ کے ''اک روشن دیا'' نے من میں سچ میں دیا جلا دیا بہت امپریسیو تھا جی۔ باقی سارا رڈا تو ہے ہی رڈا۔ سارے مستقل سلسلے تو سچ میں کمال کے ہیں۔ آپی جی! ایک رائے ہے کہ مکمل ناول کوشش کیا کریں ایک ہی قسط میں پورا ہو جایا کرے، اللہ کرے رڈا ہمیشہ یوں ہی چمکتا دمکتا رہے کیونکہ یہ نوآموز بچیوں اور میرڈ خواتین سب کے لیے بہترین تفریح ہے اور ایک بہترین استاد بھی ہے جو زندگی جینے کا سلیقہ سکھا رہا ہے۔ اس کی تحاریر اخلاقی و معاشرتی دونوں پیمانوں پر پوری اترتی ہیں۔ ہر کہانی کا ایک الگ ہی اخلاقی پیغام ہوتا ہے اور آپی جی! جو آپ ''گوشہ آ گہی'' میں کہہ جاتی ہیں وہ تو دل کے نہاں خانوں میں اتر جاتا ہے ''اللہ کرے زور قلم اور زیادہ''۔ آپی جی! میں جو افسانہ بھیج رہی ہوں پلیز اس کو ضرور شامل کیجیے گا کیونکہ یہ بظاہر کچھ نہیں مگر معاشرتی توازن کے بگاڑ میں اہم فیکٹر ہے جو صرف اور صرف ہم خواتین کی وجہ سے ہے کافی عرصے سے اس موضوع پر قلم اٹھانا چاہ رہی تھی اب اٹھایا ہے تو پلیز مان بھی رکھیے گا۔ بیٹا اور بیٹی کی تربیت و اہمیت میں فرق روا رکھنا بہت سے مسائل کی جڑ بنا ہوا ہے اس لیے میں نے افسانہ ''لمحہ ادراک'' لکھا، پھر آپ کی فون پر محبت اور شفقت بھرے انداز نے مجھے بہت Motivate کیا۔

نوشی............ویھاڑی

السلام علیکم! پیاری بجو! کیسی ہیں آپ؟ میری طرف سے آپ کو اور آپ کی ٹیم کو سلام! میں پورے ایک سال اور چار ماہ بعد سندیسہ لکھ رہی ہوں، بس کچھ پرابلمز کی وجہ سے میں سلسلہ جاری نہیں رکھ سکی۔ پر اب میں آپ کو بہت مس کر رہی تھی تو سوچا کہ آپ سے بات کی جائے۔ رڈا مجھے لیٹ ملا، اس لیے سندیسے میں لیٹ لکھ رہی ہوں، شاید میرا سندیسہ ستمبر میں شائع ہو۔ مجھے انتظار رہے گا۔ آپ کا ناول بہت اچھا جا رہا ہے۔ کچھ اقساط مجھ سے مس ہو گئی تھیں، پھر وہ میں نے اپنی فرینڈ سے لے کر پڑھیں۔ شازی آپی! آپ کا ناول اینڈ ہو گیا، بہت اچھا اینڈ ہوا، باقی سارے سلسلے بہت زبردست جا رہے ہیں۔ رڈا ہاتھ میں آتے ہی مجھے کالج یاد آ جاتا ہے۔ اپنی ساری فرینڈز کو بہت بہت مس کرتی ہوں، ایک رڈا ہوتا تھا ہر ماہ اور ہم بارہ فرینڈز پڑھنے والی اور اب صرف میں اور میری فرینڈ تہمینہ۔ اور اب جب میں رڈا لوں، تو مجھے ''شیطانوں کا ٹولا'' بہت بہت یاد آتا ہے، شیطانوں! I always miss u۔ اب تک کے لیے اتنا ہی۔ بجو! ہم آپ کے لیے ڈھیر ساری دعائیں کرتے ہیں۔ آپ ہمارے لیے اسی طرح اچھا اچھا لکھتی رہیں۔

ساجدہ عابد............کراچی

السلام علیکم! ردا کے تمام اسٹاف اور قارئین کو عیدالفطر کی خوشیاں مبارک ہوں۔ صالحہ آپی کی خوبصورت کاوش کو خدا دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی اور کامیابی عطا فرمائے (آمین) خداوند قدوس عرض پاک کی ہر ماں، بہن اور بیٹی کے سروں پر رڈا، عزت، سلامت رکھے (آمین) آپ کے پرچے کا نام ہی اتنا خوبصورت اور پاکیزہ ہے کہ اس کا نام لبوں پر آتے ہی سر پر عزت کا احساس ہوتا ہے۔ آپ کے پرچے میں شامل تمام ناول، ناولٹ اور افسانے اچھوتے موضوع اور خوبصورت منظر نگاری سے دل کو موہ لیتے ہیں۔ اس بار ''عید'' کی تکرار کے حوالے سے ناولٹ اور افسانے اچھے لگے۔ ویسے بھی عید سعید ہو اور کہانی کے عنوان میں عید کا لفظ ہو تو مزا دوبالا ہو جاتا ہے۔ نوآموز مصنفہ فریدہ فرید کا افسانہ خوبصورت نام ''یاراں نال بہاراں'' تھا لیکن عید کی مسرتوں نے اس میں چار چاند لگا دیئے۔ محبتوں میں گندھی ہوئی خوبصورت تحریر اچھا تاثر چھوڑ گئی۔ نئے نئے پریمیوں کو جدا کرنے کے حربے تو بزرگوں نے خوب آزمائے مگر شاہ حسن کی ثابت قدمی نے منزل پالی۔ صالحہ آپی! آپ کا ناول رگ رگ کو متوجہ رکھتا ہے اور پلیز! جو رگ جاں سے قریب ہیں انہیں دور مت کیجیے گا۔ خط طویل ہو کر مختصر نہ ہو جائے، قینچی نہ چلائیے گا۔ اجازت چاہوں گی، سب کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا گو، والسلام!

مریم مغل............کراچی

السلام علیکم! سویٹ صالحہ آپی! امید کے ساتھ دعا ہے کہ آپ ٹھیک ہوں گی اور تمام رڈا قارئین بھی۔ مجھے بہت خوشی ہوئی کے میری نظمیں رڈا میں شائع ہوئیں اس طرح آپ نے میری حوصلہ افزائی کی، مجھے کتنی خوشی ہوئی میں بتا نہیں سکتی۔ مجھے آپ کو دیکھنے کا بہت دل چاہتا ہے لیکن آپ سے سندیسے میں بات کر کے بھی بہت اچھا لگتا ہے۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا اور اپنا بہت خیال رکھیے گا۔

مدیحہ اعجاز حسین............کراچی

السلام علیکم! محبت بھرے لفظوں اور پیاری سی آواز والی صالحہ آپی جانی! اللہ تعالیٰ سے دعا ہے آپ جہاں کہیں ہوں، خیر و عافیت سے ہوں (آمین) ایک سال پہلے آپ سے بات ہوئی تھی اور کئی بار سوچا آپ کو دوبارہ سندیسہ لکھوں، بٹ ایگزام اینڈ کورسز میں بزی تھی۔ اس کے علاوہ ایسے بہت سے حالات و واقعات آتے ہیں، جو ہمیں فیس کرنے پڑتے ہیں۔ آپی جی! میں شرمندہ ہوں کہ صحیح طرح آپ کا شکریہ ادا نہ کر سکی، تھینکس کا ورڈ تو بہت چھوٹا ہے اور جتنی بھی آپ کی تعریف کی جائے کم ہے، ہر جملہ چھوٹا ہے۔ گوشہ آ گہی پڑھتے وقت مجھ سے رہا نہیں گیا اور میں نے دوبارہ قلم اٹھا لیا، کوئی غلطی ہو جائے تو درگزر کر دیجیے گا۔ آپی جی! ہر بار گوشہ آ گہی پڑھتے ہوئے لفظوں کے سحر میں جکڑ سی جاتی ہوں۔ آپی جی! جب پہلی بار آپ سے بات ہوئی تھی، آپ کے پیار بھرے انداز نے مجھ میں کانفیڈنس پیدا کیا، جس طرح آپ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں، انہیں سمجھاتی ہیں، خاص طور پر آپ کے سمجھانے کا انداز بہت پیارا ہوتا ہے۔ زندگی میں ایسے بہت کم لوگ آتے ہیں، جو ہم سے مخلص ہوتے ہیں۔ آج کے دور میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اپنے توسط سے کسی کو

راستہ دکھائیں، ان میں سے ایک آپ ہیں۔ آپی جی! آپ کی شان میں ایک چھوٹی سی تعریف! ''ایک ایسا جلتا ہوا چراغ جس کی روشنی سے بجھتے دل بھی منور ہوجائیں'' ردّا ڈائجسٹ نیو جنریشن کا خواب، اس رسالے میں آپ نے میری پوئٹری کو جگہ دی، مجھے ویلکم کیا، میں آپ کی تہہ دل سے شکرگزار ہوں، جنہوں نے میری پوئٹری پڑھی اور جنہیں پسند آئی ان سب کا شکریہ!

وقتِ رفتار میں بچھڑ جاتا ہے ہر ایک رشتہ
یاد ماضی ہی تو ہوتی ہے جینے کا ایک سہارا

آپی جی! آپ کی کہانی ''تم میرے ہو کہ رہو'' میری موسٹ فیوریٹ کہانیوں میں سے ہے۔ یہ کہانی میں نے کئی بار پڑھی اور ہر بار ایک نئی آشنائی حاصل ہوتی گئی، یہ کہانی میں کبھی نہیں بھول سکتی، آپ کی تحریر ''وہ جو رگ جاں سے قریب تھے'' رومی اور اشمل دونوں کا بیوٹی فل اینڈ پرفیکٹ کپل ہے، آپ کی تحریروں کے اینڈ میں سبق پوشیدہ ہوتا ہے جن سے ہمیں بہت سی Knowledge حاصل ہوتی ہے۔ سندیسہ لکھوں اور شازیہ آپی جی کی تعریف نہ کروں یہ تو ناممکن ہے۔ ردا سے پانچ سال پرانا ساتھ ہے اور تب سے شازیہ آپی جی کی قسط وار کہانیاں پڑھنا اسٹارٹ کی تھیں، ان کی کہانیوں کے کردار بیوٹی فل اینڈ رومینٹک سے ہوتے ہیں اور ہر بار ان کی کہانیاں دل کو چھو لیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ گزرتے ہر دن کے ساتھ وہ تمام رائٹرز کی قلمی طاقت کو اور روشن کرے (آمین!)

شازیہ خان.....کراچی

ونڈرفل! واؤ، بیوٹی فل، ٹائٹل سو، سو مگر اندر جناب اس بار بھی آپ بازی لے گئیں، آپی! کچھ مجبوریوں کی بناء پر میں عید نمبر کے لیے نہیں لکھ سکی مگر حیرت کی انتہا اس وقت ہوئی جب ردّا نے دستک دی آپ نے ہمیں یاد رکھا بڑی بات ہے، حالانکہ میں تو ناطہ توڑ چکی تھی۔

یاد ماضی عذاب ہے یا ربّ
چھین لے حافظہ مجھ سے میرا

آپی! یادآوری کا شکریہ، مجھے اور امی کو تو یقین بھی نہیں آرہا تھا کہ آپ نے مجھے یاد کیا ہے، ہماری موسٹ فیوریٹ رائٹر شازیہ جی تھیں اور آج بھی ہیں۔ شادی کے بعد ہم تو سب گھن چکر سے ہوکر رہ گئے نہ گھر کے نہ گھاٹ کے۔ جاب اور بچے.... قلم تو بھول چکے ہیں۔ آپی! اس بار نہ شازیہ جی تھیں نہ ہماری ایک پرانی رائٹر نوشابہ فاروق ان کے بارے میں کچھ حال احوال لکھیے شابینہ ملک بھی جا چکی ہیں یقیناً نورین ملک آج کل کام کر رہی ہیں۔ سب یاد ہے ذرا ذرا ....آپ کا اداریہ سب سے پہلے پڑھا آپی! بس بے ساختہ آپ یاد آگئیں ماں کی دعا امی نے دو بار پڑھی، میں آج کل امی کے پاس ہی رہ رہی ہوں، ان کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی، آپی جی! کبھی فرصت ملے تو چکر لگالوں گی، میں نے ابھی آپ کی سلسلے وار ناول ردّا میں پڑھی، پڑھ کر یوں لگ رہا تھا آپ سامنے بیٹھی بول رہی ہوں۔ آپی! پرانے لکھنے والے سب کہاں چلے گئے، شاید وہ بھی ہماری طرح گمنام زندگی گزار رہے ہیں، یارو! کہاں ہو تم سب؟ عشرت شفیع، تہمینہ الیاس، سیما سحر، نوشابہ فاروق، غزالہ شہزاد، اجالا خان، سویرا فلک، ثناء خان اور مجھے پہچانا میں ہوں شازیہ خان۔ آپ کے درمیان کبھی میں بھی ہوا کرتی تھی سب کو سلام کہیے گا اور مجھ نااہل کو معاف کردیں۔

نوشین مدثر.....لاہور

سوئیٹ آپی! ڈھیروں دعاؤں کا تحفہ لیے ہم سندیسے کی محفل میں حاضر ہیں۔ اس بار کا ردّا کا عید نمبر بہت ہی شاندار اور زبردست تھا۔ گوشہ آگہی میں آپ کی پیار بھری باتیں اور دعائیں میری طرح ہر قاری ورائٹر کے دل میں اتر گئی ہوں گی۔ آپی! اس بار آپ کے گوشہ آگہی کا لفظ لفظ دعا دعا اور دل میں اترتا سا لگا یوں لگتا تھا لفظوں کے موتی بکھرے ہوں جن کی روشنی دل و روح کو تراوٹ بخش رہی ہو، پھر اس کے بعد آپ کی خوبصورت سی نظم دعا کی صورت شاید ہر ماں کی یہی فیلنگز اور محسوسات ہوں میں نے اسپیشلی امی کو وہ نظم پڑھنے کو دی تو بے ساختہ امی بھی پڑھ کر رو دیں۔ جب وجہ پوچھی تو کہنے لگی اس نظم میں ایک ماں کے جذبات ہیں جو ہر ماں اپنی بیٹی کے لیے محسوس کرتی ہے جب اسے رخصت کردیتی ہے اپنا گھر تو سُونا ہوجاتا ہے مگر بیٹی کا گھر بس جاتا ہے۔ امی نے آپ کو بہت سی دعائیں دی ہیں اتنی پیاری نظم لکھنے کے لیے۔ اب بات ہوجائے ''وہ جو رگ جاں سے قریب تھے'' اس بار کی قسط زبردست تھی ہر کردار اتنا بھرپور اور اپنے اندر اتنا تجسس اور دلچسپی لیے ہوئے ہے کہ پڑھتے ہوئے دل نہیں بھرتا۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ اور آپی! یہ کیا.... اس بار دیگر سلسلے وار ناولز شامل ہی نہیں تھے؟ ہم نے سب کو بہت مس کیا۔ عید کے حوالے سے ناول، افسانے، اشعار اور ڈائری کا انتخاب بہت ہی اعلیٰ تھا اور مہندی کے ڈیزائن کے تو کیا کہنے ہم نے تو سوچ لیا ہے اس بار پوری کوشش کرنی ہے ان ڈیزائن کو کاپی کرنے کی، آخر میں ردّا کی ترقی و کامیابی کی دعاؤں کے ساتھ اجازت، اپنا بہت خیال رکھیے گا، اللہ حافظ!

ام ھانی.....بھکر

پیاری آپی! میں پہلی بار سندیسے کی محفل میں شامل ہورہی ہوں، مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے ضرور موقع دیں گی۔ کیونکہ آپ کا وعدہ ہے کہ ردّا ہم سب کا اپنا ردّا ہے۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے امی کو ڈائجسٹ پڑھتے دیکھا، امی کو ڈائجسٹ بھی میں شاپ سے لاکر دیتی تھی، پھر گھر لاتے لاتے نجانے کب اور کیسے میں بھی ان ڈائجسٹ کی فین ہوتی چلی گئی، پہلے تو میں ہر ڈائجسٹ پڑھتی تھی مگر اب صرف ردّا پڑھتی ہوں اس میں شامل ہلکی پھلکی اور معاشرتی تحاریر ذہن و دل کے دریچے وا کردیتی ہیں وہیں آگہی کا شعور بھی دیتی ہیں۔ اس بار کا عید نمبر ہمیشہ کی طرح ہر ڈائجسٹ پر بازی لے گیا۔ خوبصورت تحاریر اور اسکیچز، مستقل سلسلے ہر تحریر عید کے حوالے سے اور ہر سلسلہ عید کے حوالے سے، سچ کہتی ہوں اتنا مکمل اور خوبصورت صرف ردّا ہی ہوسکتا ہے اور کوئی نہیں اور اس کی خوبصورتی اور کامیابی کو چار چاند لگانے والی شخصیت یقیناً آپ ہیں آپی! جو ہر ماہ ہمارے لیے بہترین تحاریر و رائٹرز منتخب کرتی ہیں آپ کی صحت و کامیابی کے لیے ہر لمحہ دعا گو آپ کی ایک ادنیٰ سی فین۔

امبرین حیدر.....اسلام آباد

مائی لولی اینڈ ڈیئرسٹ آپی! عید نمبر اور سالگرہ نمبر کی کامیابی پر آپ کو بہت بہت مبارک ہو، ردّا نے اپنا انداز و دعویٰ برقرار رکھا، اس بار بھی اور ردّا میں شامل ہر تحریر عید کے حوالے سے مکمل و خوبصورت تھی سچ میں عید کی خوشیوں کا لطف دوبالا ہوگیا عید کی گہما گہمی تو سحری و افطاری کی ہلچل ہر افسانے و ناول میں بڑی دلکش لگی تمام رائٹرز کو میری جانب سے بہت مبارک باد اور ویل ڈن سب نے بہت اچھا اور

زبردست لکھا کسی ایک کی طرف تعریف کرنا دوسرے رائٹرز سے ناانصافی ہوگی وہیں اشعار میں عید کے حوالے سے خوبصورت انتخاب نے میری عید کارڈز لکھنے میں بھرپور مدد کی۔ ردّا کی ڈائری میں شامل خوبصورت نظمیں، غزلیں عید کے حوالے سے دل خوش کرگئیں، وہیں ثریا اقبال کچن میں عید کے حوالے سے بہترین ڈشز کے ساتھ ہماری عید کو بھی مزیدار کرگئیں۔ عید سروے میں رائٹرز کی عید کے بارے میں جان کر بہت اچھا لگا اور ہم سے ملیئے میں سب سے مل کر بھی مزہ آیا۔ آپی! اس بار سلسلے وار ناولز شامل نہیں تھے تو خاصی کمی محسوس ہوئی۔ میرا سندیسہ طویل ہوتا جارہا ہے کیا کروں آپی! ردّا کی تعریف کرتے ہوئے قلم کو روکنا ذرا مشکل ہے۔ اوکے آپی! اپنا بے حد خیال رکھیئے گا نیکسٹ سندیسے تک اجازت۔

صبا غنی.....کراچی

پھولوں اور خوشبوؤں سے مہکتا، چاہت سے لبریز، پرخلوص مسکراہٹ اور دل سے نکلتی دعاؤں کے ساتھ السلام علیکم! صالحہ ایپا! ردّا بہت خوبصورت اور معیاری ڈائجسٹ ہے میں ردّا نومبر 2011 کے شمارے سے پڑھ رہی ہوں، میں نے بہت کوشش کی لیکن مجھے اس سے پہلے کے شمارے نہیں ملے۔ ایپا! اگر آپ کے پاس پرانے شمارے موجود ہیں تو مجھے نومبر 2010 سے اکتوبر 2011 تک کے شمارے چاہئیں۔ صالحہ ایپا! میں نے ردّا کے علاوہ بھی بہت سے ڈائجسٹ پڑے ہیں یقین مانیئے ایپا! ان سب سے ردّا مجھے اتنا بہترین لگا کہ میں نے وہ سارے ڈائجسٹ پڑھنا چھوڑ دیئے۔ اب صرف ردّا پڑھتی ہوں۔ ایپا! آپ، نائلہ آپی! اور شازیہ آپی! آپ تینوں میری فیوریٹ رائٹرز ہیں۔ ایپا! آپ بہت خوبصورت انداز میں لکھتی ہیں۔ آپ کی تحاریر سیدھا دل میں اتر جاتی ہیں۔ میں نے آپ کی ''تم میرے ہو کے رہو'' پڑھی تو نہیں مگر سندیسے میں اس کی تعریفیں بہت پڑھی ہیں۔ ایپا! آپ کا سلسلے وار ناول ''رگ جاں سے جو قریب تھے'' تو ردّا کی شان ہے۔ بہت سپرہٹ اسٹوری ہے آپ کی۔ نائلہ آپی! آپ کی تعریف میں میرے پاس الفاظ نہیں ہیں، اتنی خوبصورت منظر نگاری کرتی ہیں آپ کہ ساری اسٹوری فلم کی طرح دماغ میں چلنے لگتی ہے۔ آپ کی ''کوک میرے دل کوک'' کی کیا بات ہے، اتنی کمال کی اسٹوری ہے کہ ردّا ہاتھ میں آتے ہی میں سب سے پہلے آپ کی اسٹوری پڑھتی ہوں، شازیہ آپی! آپ کی اسٹوری کے کردار اور ڈائیلاگز مجھے بہت پسند ہیں۔ آپ بھی بہت کمال کا لکھتی ہیں۔ اتنے خوبصورت انداز میں کہانی کو نئے موڑ پر لاتی ہیں کہ میں حیران رہ جاتی ہوں ویلڈن شازیہ آپی! اسی کے ساتھ اب اجازت چاہوں گی، اپنا بہت خیال رکھیے گا اور سب قارئین، رائٹرز اور ریڈرز کو سلام، دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ!

سیدہ امبر ہاشمی.....کراچی

السلام علیکم! سویٹ صالحہ آپی! امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گی، میں بھی خیریت سے ہوں، کافی عرصے بعد سندیسے میں شامل ہوئی ہوں، نائلہ طارق کا نیا ناول ''کبھی کوک میرے دل کوک'' بہت زبردست جارہا ہے، آپ کا ناول ''وہ جو رگ جاں سے قریب تھے'' واقعی دل کے قریب لگتا ہے، شازیہ مصطفےٰ عمران کا ناول ''کبھی عشق ہو تو پتہ چلے'' کی آخری قسط نے مزہ دوبالا کردیا، کیا اینڈ کیا ہے شازیہ

جی نے ویلڈن!۔ ''بند قبا کھلنے لگی جاناں'' سعدیہ بہت اچھے طریقے سے آگے بڑھا رہی ہیں اینڈ اچھا ہوا اس ناول کا کیوں سعدیہ جی! ٹھیک کہا نا میں نے؟ انعم نذیر کا مکمل ناول ''محبت جیت گئی'' بہت پسند آیا اس طرح لکھتی رہیں۔ افسانے بھی بہت اچھے لگے خاص طور پر ''احساس'' اچھا لگا مستقل سلسلے اپنی مثال تھے مجھے ذاتی طور پر ''ہم سے ملیئے'' اور ''دوستوں کے نام پیغام'' اچھا لگتا ہے اور سندیسے پڑھنا اچھا لگتا ہے خدا کرے صالحہ آپی اسی طرح ردّا کو بہت آگے تک لے کر جائیں آمین! ترقی کی منزلیں طے کرتا رہے ہمارا ردّا ڈائجسٹ (آمین!) مستقل سلسلے بھیج رہی ہوں شامل اشاعت کرکے شکریہ کا موقع دیں، اللہ حافظ!

فریدہ فرید.....پاکپتن شریف

السلام علیکم! بعد از عید کی ڈھیروں ڈھیر مبارکاں! صالحہ آپی! گوشہ آگہی سے عید نوید لے کر ردائے جنت سے فیضیاب ہوکر آپ کی ہر دلعزیز تحریر سے لطف اندوز ہوتے آپ کے شیداؤں کو آپ کے قلم سے عید تحریر کا شدت سے انتظار ہے طوالت انتظار سے محفوظ رکھیئے گا۔ اس ماہ ردا کے تاخیر ارسال کا شکوہ کرنا تھا مگر عید تحاریر نے اتنا خوش کیا کہ شکوہ شکریہ میں بدل گیا ہے۔ عید پر افسانوں کے شیر خرما نے ردا کے دسترِ مطالعہ کو خوب سجایا فہرست میں نئے رائٹرز کے نام دیکھ کر اچھنبا ضرور ہوا مگر ہر افسانے نے اپنی اپنی جگہ وہ رنگِ عید جمایا کہ آج سے میرے نزدیک نئے پرانے رائٹرز کی تفریق ختم۔ نائلہ طارق میری من پسند، موسٹ فیوریٹ ان کے عید تحفے کو بھی وصول کیا تو عید سروے نے بھی مزہ دیا ان کی تحاریر کی طرح جوابات بھی رنگا رنگ تھے۔ ردا سے منسلک وقت میں پہلی بار تھا کہ شازیہ مصطفےٰ کی تحریر نظر نہ آئی مگر عید سروے میں ان کے جوابات نے ان کی کمی پوری کردی۔ جیا قریشی کے مکمل ناول میں ہر چیز مکمل تھی کردار و مکالمہ سے لے کر مترتب واقعات سب کچھ ان کی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ افسانوں میں نمبر ون، سوپر ڈوپر تحریر عائشہ ذوالفقار کی ''ابتداء'' تھی انتہائی منجھی ہوئی، مربوط اعلیٰ میسج وتھیم سے مزین مختصر تحریر نے عید کا مزہ دوبالا کردیا، ابتداء سے انتہا تک تحریر نے اپنی گرفت میں لیے رکھا۔ ایک جگہ جہاں سندھیوں نے پنجابیوں کو بس سے اتارا وہ سوچ تکلیف دہ تھی، مگر اگلے ہی لمحے اتحاد و اخلاص کے مظاہرے نے حب الوطنی کی راحت آمیز سانس فراہم کی۔ سلمیٰ غزل کی ''ناطہ دوستی کا'' اور ''عید بہاراں'' میں قدرے مماثلت تھی ایک میں لڑکی تو دوسرے میں لڑکا پہلے بے جا اکڑ اور بعد میں خفیہ طور پر اصلیت جان کر واپس لوٹ آئے۔ ''چاند اور محبت'' بھی خوبصورت کاوش تھی۔ بسمہ شانزے پر تبصرہ نہیں صرف دریافت کرنا ہے کیا واقعی یوں بھی ہوتا ہے؟ ایقان علی مختصر پیرائے میں جامع لکھنے والوں میں ایک اچھا اضافہ ہیں۔ عید کچن میں ذردے نے توجہ حاصل کی تو مہندی کے ڈیزائن ہم ہاتھ پر سجائے گھوم رہے ہیں دوستوں کے نام پیغام میں افشاں علی سے صد فیصد متفق ہوں۔ طویل حاضری پر معذرت، اللہ حافظ!

☆.....☆.....☆

ہم سے ملیئے

مدیحہ اعجاز حسین..............کراچی

السلام علیکم! آپی جانی، سوئیٹ سی رائٹرز اینڈ قارئین! اللہ تعالیٰ سے دعا ہے آپ سب خیروعافیت سے ہوں (آمین) مجھ عام سی لڑکی کو ایک سال پہلے صالحہ آپی جی کی مہربان ذات نے رِدا کے پلیٹ فارم میں جگہ دی ''بطور شاعرہ'' وہ خوشی کا لمحہ میں کبھی نہیں بھول سکتی، کہتے ہیں زندگی میں ایک لمحہ ہی کافی ہے جب آپ کے اندر کوئی جذبہ بیدار ہوجائے، لکھنے کا جذبہ دو سال پہلے میرے اندر بیدار ہوا اور گزرتے وقتوں کے ساتھ مجھے لفظوں سے اپنائیت ہوتی گئی، شروع سے تھوڑی کانفیڈنس کی کمی تھی، لیکن آپی جی سے کی جانے والی وہ چند منٹ کی گفتگو سے مجھ میں لکھنے کا کانفیڈنس پیدا ہوا۔ جس پیار سے انہوں نے میری حوصلہ افزائی کی، مجھے سمجھایا، ان کی آواز سننا میرے لیے خوش قسمتی تھی۔ وہ لمحات گفتگو میرے لیے زندگی کے یادگار اور انمول وقتوں میں سے ہیں، جنہیں میں نے بڑی محبت سے معتبر دل میں قید کرلیے ہیں۔ مجھے شاعری سے محبت ہے۔ جب تک لکھ نہ لوں ''یادڈائری'' میں جو کہ میری دوست ہے تب تک بے چین اور اداس رہتی ہوں۔

آپ نے میری پوئٹری پڑھی ہے تو یقیناً آپ میرے نام سے واقف ہوں گے، ویسے امی جی مجھے پیار سے مدھو کہتی ہیں۔ ہم پنجابی ہیں اور میں ایک پولیس آفیسر کی بیٹی ہوں۔ میرے ابو جی بالکل بھی سخت نہیں ہیں، وہ سچائی کا ساتھ دینے والے ایک ایماندار پولیس آفیسر ہیں، ابو جی کی یہ نصیحت ہمارے لیے بہت معنی رکھتی ہے ''جو سکون رزق حلال میں ہے وہ حرام مال میں نہیں اور سب سے بڑھ کر حرام اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے''۔ میری امی جی بہت سادہ اور رحم دل ہیں۔ دوسروں کی تکلیف وپریشانی دیکھ کر ان کی آنکھیں نم ہوجاتی ہیں۔ امی جی اور ابو جی کی یہی عادات وفطرت ہم سب بہن بھائیوں میں پائی جاتی ہیں۔ ہم پانچ بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ دو بڑی سسٹرز میرڈ ہیں۔ سب سے بڑی سسٹر ماریہ ابراہیم جن کے دو کیوٹ سے بیٹے احمد اور حماد دونوں بہت شارپ اینڈ ناٹی بوائے ہیں۔ دوسری سسٹر نسیم عدنان جن کی لولی سی دو ٹوئنس بے بی عائشہ اور فاطمہ اور تیسری فیری لینڈ کی پری علشبہ ہیں۔ یہ بچہ پارٹی ہمارے گھر کی رونق ہیں اور ویک اینڈ ایک ساتھ جمع ہوجائیں تو گھر کی شامت ہے (ہاہاہا...!) مجھ سے باقی چاروں چھوٹے بہن بھائی ہیں۔ ماہ گل، عروبہ، علی رضا، علی حسنین یہ سب ابھی اسٹڈیز کے دور عمل سے گزر رہے ہیں۔ ہمارے ماں، باپ نے ہمارے لیے بہت قربانیاں دیں، اپنی خواہشوں کو کہیں پیچھے چھوڑ کر ہمیں مکمل زندگی فراہم کی، خوشیوں، غموں، دکھوں، سکھوں، ہر موسم کو ہم نے مل جل کر دیکھا۔ ہم سب بہن بھائی امی جی، ابو جی کے لیے حساس دل رکھتے ہیں اور ہر چھوٹی بڑی خوشیوں کو یادگار طریقے سے سلیبریٹ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی برکت

بھری رحمتوں اور لازوال نعمتوں سے نوازا اور ہر اچھے برے موسم میں ہمارا ساتھ دیا۔ ہم اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہر دم ان کا شکر ادا کرتے ہیں میں اپنی فیملی کے بغیر ادھوری ہوں، میرے لیے ہر وہ چھوٹی بڑی خوشیاں نامکمل ہیں جو ان کے بغیر ہوں۔

جی تو میں نے 21 نومبر 1992 کو روشنیوں بھرے جگمگ کرتے شہر کراچی میں آنکھ کھولی، وہ شہر جو امن وسکون کا گہوارا تھا۔ اور اب جو اپنے اردگرد نظریں دوڑاتی ہوں تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ آئے دن ہڑتالیں، چوری، لوٹ مار، گولیوں کی بوچھاڑ سے خون میں لت پت معصوم شہریوں کی جانیں، مخالف پارٹیوں کے آپسی تصادم میں تیسرا بندہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ قاتل ہمارے بیچ ہی ہے جو ہمیں دھوکہ دیتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہوجاتے ہیں اور آنے والے ہر نئے دن کے ساتھ اپنے منصوبوں کو کامیاب بناتے ہیں۔

شہر قائد میں ہوئی قتل عام روزانہ
انسان تو انسان پرندوں نے بھی کی توبہ

لیکن ہم کچھ نہیں کرسکتے سوائے دعاؤں کے، اللہ تعالیٰ اس ملک کو، اس شہر کو اور اس میں بسنے والے تمام بے گناہ اور معصوم شہریوں کو اپنے حفظ وامان میں رکھے (آمین)

چلیں جی تھوڑا موڈ چینج کرتے ہیں، میں گریجویشن کررہی ہوں، بی اے پارٹ ٹو کی اسٹوڈنٹ ہوں، کمپیوٹر کورسز اینڈ بیوٹیشن کورس کیے ہوئے ہیں۔ اسمارٹ اینڈ نازک سی ہوں، رنگ گندمی اینڈ اپنے لانگ ہیئر کی بہت کیئر کرتی ہوں، عبایا یوز کرتی ہوں، صاف گو ہوں، زیادہ تر چپ رہنا اچھا لگتا ہے، مجھے دکھاوے کی محبت پسند نہیں جو دل میں ہوتا ہے وہی بات کہتی ہوں، جھوٹے اور دھوکے باز لوگوں سے دور رہتی ہوں، قدرتی رحمتیں پسند ہیں، چاند، برستی ہوئی بارشیں، پھولوں کی خوشبو، اور ہاں! آئسکریم کے بغیر میری اور سسٹرز کی بارش نامکمل ہے۔ جیولری میں میری چین، لکی ہارٹ شیپ لاکٹ اور رنگ فیوریٹ ہیں۔ میری فیوریٹ رائٹرز صالحہ محمود، عالیہ بخاری، سمیرا شریف طور، نازیہ کنول نازی، شازیہ مصطفےٰ عمران اور نائلہ طارق ہیں۔ شاعر مرحوم قمر امروہوی کی کتاب ''شعلہ تجلی'' موسٹ فیوریٹ ہے۔ وصی شاہ اور ملکہ ترنم میڈم نور جہاں کی غزلوں کو شوق سے سنتی ہوں۔ بری عادت یہی ہے کہ غصہ جلدی آتا ہے تو سامنے والے بندے کو اوائیڈ کرتی ہوں، سامنے والا پہل کرتا ہے پھر نارمل ہوتی ہوں۔

ہمارے سامنے کوئی برائی آئے تو اسے روکنا ہمارا فرض ہے وہ بھی اس حالت میں کہ اس برائی کو روکنے کی سکت ہم میں موجود ہے۔ کیونکہ یہی چھوٹی چھوٹی برائیاں آگے جاکر گناہ کی شکل اختیار کرتی ہیں۔ اگر سامنے والا بندہ نہ مانے اور جانتے بوجھتے دلدل میں پھنسنا چاہے تو کوئی کچھ نہیں کرسکتا، بہرحال ہمیں کوشش کرنی چاہیے ورنہ یہ لوگ بھی عبرت کی نشانی بن کر رہ جائیں گے۔ اپنا خیال رکھیے گا اینڈ مجھے دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ!

مسکان..............قصور

سوئیٹ سی اپیا اور میری پیاری سی قارئین اور ہر دلعزیز رائٹرز! سب سے پہلے تو السلام علیکم! مابدولت کو ویسے تو عائشہ عمران کہتے ہیں، مگر مجھے مسکان نام پسند تھا سو قلمی سفر کا آغاز مسکان کے نام سے کیا اور خدا کا کرم ہے کہ میری چھوٹی چھوٹی کاوش کو اپیا نے ہمیشہ اور بھرپور موقع

دیا اس لیے میں ردا اور آپی کی بہت شکر گزار ہوں کہ انہوں نے بڑی محبت سے مجھے رِدّا میں جگہ دی اور اب رِدّا سے قلبی اور قلمی تعلق ایسا جڑا ہے کہ ہر ماہ کا رِدّا کا بے چینی و بے صبری سے انتظار ہوتا ہے۔ آپی کا کہنا ہے کہ رِدّا آپ کا اپنا رِدّا ہے تو اس اپنے رِدّا میں شامل ہونے کا حق ہم کیوں گنوائیں؟ مجھے یہ نیا سلسلہ ہم سے ملیئے بے حد پسند ہے اس میں رائٹرز و قارئین سے ملاقات کے ساتھ ساتھ ان کی پسند ناپسند اور مشاغل کا بھی پتہ چل جاتا ہے سو اس بار ہم نے سوچا کہ ہم بھی اپنا تعارف رِدّا میں بھیجیں۔ جی تو جیسا کہ نام تو آپ میرا جان ہی چکے ہیں۔ قصور جیسے خوبصورت شہر کی باسی ہوں، یہاں کے لوگ بہت محبت کرنے والے مہمان نواز ہیں سو ہم بھی ایسے ہی ہیں بے لوث چاہنے والے، میری ڈیٹ آف برتھ ہے 14 اکتوبر اس لحاظ سے لیبرا میرا اسٹار ہے اتنا یقین تو نہیں مجھے اسٹارز پر، پھر بھی پڑھتی ضرور ہوں اور کچھ کچھ خوبیاں، خامیاں بھی اسٹار کی حامل مجھ میں ہیں۔ مجھے صاف گو اور سادہ دل لوگ اچھے لگتے ہیں جو قول و فعل کے پکے ہوں جھوٹے اور منافق لوگ دور سے بھی پسند نہیں، ہم دو بہنیں اور ایک بھائی ہیں میں سب سے بڑی پھر بہن ثناء اور پھر بھائی عمر عمران ہے۔ میں نے حال ہی میں انٹر کے ایگزامز دیئے ہیں پلیز آپ سب میرے لیے دعا کیجئے گا۔ بابا جانی گورنمنٹ جاب کرتے ہیں اور امی ہاؤس وائف ہیں ہمارے والدین کو خدا لمبی عمر و صحت عطا کرے کہ وہ ہمارے لیے رحمت و سایہ ہیں جن کی چھاؤں میں زندگی کی دھوپ چھاؤں کا احساس تک نہیں ہوتا مجھے گھر کے کاموں سے اتنی دلچسپی نہیں۔ ہاں! مگر مجھے کام سارے آتے ہیں، پر کرتی کم کم ہوں۔ اسٹڈی کی وجہ سے بزی رہتی ہوں، مگر پھر بھی مجھے کوکنگ کا بہت شوق ہے اکثر سنڈے والے دن میں اور ثناء مل کر کچن میں تجربات کرتے رہتے ہیں اور پھر بابا جانی سے ڈھیر ساری داد بھی پاتے ہیں۔ یہ اور بات کہ عمر مذاق بناتا ہے ہمارا۔ مجھے ڈریسز میں لانگ شرٹ ود چوڑی دار، فراک اور بڑے بڑے دوپٹے بہت پسند ہیں۔ چاندنی راتیں بہت اپیل کرتی ہیں اور چاندنی رات میں چاند کو تکنا اور اس سے باتیں کرنا مجھے بہت اچھا لگتا ہے، دوستوں میں فروا، حفصہ اور حنا میری بہترین فرینڈز ہیں اور اساتذہ میں مس آمنہ مرتضٰی میری فیوریٹ ہیں جو ہمیں دوستوں کی طرح اور ایک رہبر کی طرح سمجھاتی ہیں، ٹی وی سے اتنی دلچسپی ہے کہ 8 سے 9 کا ڈرامہ ضرور دیکھتی ہوں، ڈرامے مجھے اپنے پاکستانی ہی پسند ہیں، فیوریٹ اداکار نعمان اعجاز، عدنان صدیقی، عائشہ خان، عائزہ خان پسند ہیں سنگرز میں راحت فتح علی میرے آل ٹائم فیوریٹ ہیں مجھے ان کا ہر سونگ و غزل بے حد پسند ہے کھانے میں بریانی، چکن کڑاہی اور پیزا میری جان ہیں۔ خوبیوں میں دوستی میں پہل کرتی ہوں مجھے غصہ بالکل نہیں آتا، مطالعے کی رسیا ہوں مجھے کتابیں پڑھنے کا جنون کی حد تک شوق ہے، خوبصورت لوگ ہوں یا منظر مجھے بہت متاثر کرتے ہیں۔ خامیوں میں جلد اعتبار کرنا ہے میں اپنی اس عادت سے خود تنگ ہوں کہ اکثر ہم جسے دوست سمجھتے ہیں وہ دوست ہوتا نہیں اور اب بھروسے کے قابل لوگ بہت کم رہ گئے ہیں۔ آخر میں میرا پیغام سب گرلز کے نام ہے کہ پلیز اپنے پندار اور کردار کی حفاظت کریں، ہم سے محبت صرف ہمارے اپنے کرتے ہیں والدین کی عزت کو مقدم جانیں یقین مانیں زندگی میں کبھی ناکامی نہیں ہوگی اب اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ رِدّا کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی دے اور ہمارے ملک پاکستان کو قائم و دائم اور اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

سیدہ امبر اختر بخاری .... چندی پور

السلام علیکم! تمام قارئین، رِدّا اور اسٹاف کو سلام! ہاں جی جناب! کیسے ہیں آپ سب؟ آئی ہوپ فٹ فاٹ ہوں گے آپ لوگ، میں ہوں امبر اختر، امی کی جان، ابو کا مان، رِدّا کی شان اور چندی پور کی مہمان۔ ارے ہاں ناں اس لیے کہ کبھی نہ کبھی ہم دلہن بن کے چندی پور سے رخصت ہوجائیں گے (آہم...) میرے والدین نے بڑی منتوں، مرادوں سے مانگا تھا خدا سے، میری پیدائش پر زردے کی دیگ پکائی گئی تھی اور آج تک مجھے زردہ بہت پسند ہے، مجھ سے چھوٹی شاہدہ، شکیلہ، پھر اکلوتا بھائی کاظم۔ اس کے بعد مہوش اور فاطمہ ہیں۔ پرائیویٹ بی اے کر رہی ہوں، ہم سید ہیں، سو حجاب لیتی ہوں۔ قد نہ چھوٹا ہے نہ لمبا، رنگت جاذب نظر ہے، مادری زبان سرائیکی ہے اور رِدّا کیا چیز ہو تم، جینے کی امنگ زندگی کا احساس ہو تم، تنہائی کا ساتھی اور غم خوار دوست ہو تم۔ اینڈ رِدّا کی آل رائٹرز زبردست لکھتی ہیں۔ ان کے لیے بیسٹ آف لک! کھانے میں پھول گوبھی بہت پسند ہے، چکن بالکل نہیں کھاتی، میٹھے کی بہت شوقین ہوں، کسٹرڈ اور گاجر کا حلوہ پسند ہیں۔ اسکول، کالج کے لیول تک بہت بولتی تھی، شرارتی بھی تھی، بٹ اب تنہائی پسند ہوگئی ہوں، بولنا تو بالکل بھول گئی ہوں، آئی مین کم بولتی ہوں اب۔ فاسٹ میوزک پسند ہے، جب دل کا موسم اچھا ہو تب موڈ خوشگوار ہوتا ہے، ورنہ گونجتی تنہائیاں اور خوشی کے لمحات بھی مجھ پر اثر نہیں کرتے۔ میری تین فرینڈز ہیں، روزینہ بہت مخلص ہے، فوزیہ کے ساتھ نوک جھونک چلتی رہتی ہے، بہت اچھی ہے وہ۔ دیکھا فوزیہ بلّی تمہارا نام لکھنا بھی نہیں بھولی اور تیسری دوست کا نام نہیں لکھوں گی۔ خوبیوں کے بارے میں جاننے کے لیے دوڑ لگائی، فیملی اور فرینڈز کے پاس۔ کسی نے کہا صاف گو بہت ہو، اور سب خاموش ہوگئے، لو دسو! اب مجھ میں سب کو ایک ہی خوبی نظر آئی، خیر خوبیاں تو بہت ہیں، مگر لکھ دیں تو خوامخواہ لوگوں کی نظروں میں آجاؤں گی۔ (ہائے رے امبر! تیری خوش فہمی) خامیوں میں غصہ بہت آتا ہے اور غصے میں سنتی سمجھتی نہیں ہوں کسی کی، بٹ دس فٹ بعد بھاگ بھی جانا ہے۔ فوزیہ کہتی ہے تمہارا نام امبرین جنگجو ہونا چاہیے تھا، حد ہوتی ہے فوزیہ! تم دوست ہو یا دشمن؟ روزی کہتی ہے نخریلی بہت ہے، ارم کہتی امبر! تم میں خوبصورتی کے علاوہ اور کیا ہے؟ آپ لوگ مت ڈرو ان چڑیلوں کو بک بک کرنے کی عادت جو ہے۔ حساس بہت ہوں، چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر لے لیتی ہوں۔ جو لوگ میرے ساتھ مخلص ہوں ان کے لیے جان بھی حاضر ہے۔ رنگوں میں پنک، فیروزی پسند ہیں۔ میک اپ، جیولری کا بالکل شوق نہیں ہے، مہندی بھی کبھی کبھی لگاتی ہوں، تحفہ دینا اور لینا اچھا لگتا ہے، مجھے آرمی آفیسرز اور کرکٹرز بہت پسند ہیں، پاکستان ہار جائے تو رونے لگ جاتی ہوں، شاعری کی دیوانی ہوں، وصی شاہ اور محسن نقوی پسند ہیں۔ میری دوست روزینہ بہت اچھی شاعری کرتی ہے اور فوزیہ اور میں بھی تھوڑی بہت بونگیاں مار لیتی ہیں۔ لکھنا بہت کچھ تھا بٹ رِدا کی ٹوکری سے بھی خوف آتا ہے۔ تعارف کافی لمبا ہوگیا، آپ لوگ بھی بور ہوگئے ہوں گے، میرا تعارف کیسا لگا ضرور بتایئے گا۔ جاتے ہوئے اتنا کہوں گی کہ پلیز خود کو مایوسی سے بچائیں، مایوسی گناہ ہے، ایسا گناہ جو انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ خدا پر بھروسہ رکھیے، پھر ہم کبھی ناکام نہیں ہوں گے۔

کیا کرو گے ہم سے جواب گفتگو لے کر
ہم نے جو کہہ دیا تیرے ہیں فقط تیرے ہیں
تو بس تیرے ہیں

اللہ حافظ!

☆............☆............☆

دوستوں کے نام پیغام

اریبہ کے نام

السلام علیکم! پیاری اور سوئیٹ فرینڈ اریبہ! کیسی ہو تم؟ میرے خیال سے تو یقیناً تم ٹھیک ہو گی! اللہ عزوجل تمہیں ہمیشہ ہی خوش رکھے، میری اللہ سے دعا ہے کہ تمہاری زندگی میں کبھی کوئی غم نہ آئے، اللہ میرے حصے کی بھی ساری خوشیاں تمہارے نصیب میں لکھ دے اور تمہارے سارے غم میرے حصے میں ڈال دے، اللہ تمہیں صحت مند زندگی، بھرپور مسکراہٹ اور لاتعداد خوشیاں نصیب کرے آمین! تم سوچ رہی ہو گی کہ آج میرے لیے اتنے دعائیں کیوں؟ تو وہ اس لیے میری جان! کہ آج تمہاری سالگرہ ہے میں نے سوچا رِدا کے ذریعے تمہیں سرپرائز دوں، وش کر کے! کیسا لگا میرا سرپرائز؟ ضرور بتانا۔

So Happy Birth Day
My Sweet Friend
Love U so Much!

پیاری سی دوست کے لیے ایک چھوٹی سی دعا:
مسکراتی سدا تیری حیات رہے
تیرے قدموں میں ساری کائنات رہے
کبھی غم نہ آئیں تیری زندگی میں
خوشی اور تیرا عمر بھر کا ساتھ رہے (آمین!)

اپنا بہت خیال رکھنا کیوں کہ تمہاری خوشی میں میری خوشی ہے۔

چڑیا کی زندگی ہے صرف ایک دانے پر
میری زندگی ہے تمہارے ہمیشہ مسکرانے پر

(اللہ حافظ!)

فرزانہ...... کراچی

صالحہ اپیا کے نام پیغام

مائی آئیڈیل پرسن صالحہ آپی جانی کے نام!

السلام علیکم آپی جی! وِش یُو آ وری وری ہیپی برتھ ڈے آن 14 اگست، بارش کی ہر برستی بوندوں کے ساتھ دل سے دعا اور ایک چھوٹی سی نظم آپ کے لیے، ضرور پڑھیے گا!

اے ابرِ رحمت!
ان کی زندگی میں
لازوال خوشیاں برسا دے
غم کے بادل کو دور کہیں چھپا دے
چاند کی کرنوں سے
ان کی دنیا کو چمکا دے
جہاں بھی وہ رکھیں قدم
گلابوں کی مہک سے
ان کے قدموں تلے
ہر طرف کلیاں سی بچھا دے
اور ان کے سب خوابوں کو
کامیابیوں کا راستہ دکھا دے (آمین!)

مدیحہ اعجاز...... کراچی

صالحہ اپیا کے نام دل سے پیغام

بہت پیاری دعاؤں اور نیک تمناؤں و چاہتوں اور

خلوص سے بھرا سلام عقیدت صالحہ آپی آپ کو قبول ہو، امید ہے ربّ العزت کے فضل و کرم سے آپ ٹھیک ٹھاک ہوں گی، پہچان تو لیا ناں آپی! آپ نے؟ میں آپ کی بہت مشکور ہوں، آپ کو تہہ دل سے جتنی بار بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔ آپ اتنی محبت سے میری تحریروں اور سندیسے کو جس طرح رِدا کے گلدستے میں جگہ دیتی ہیں یہ حوصلہ دن بہ دن میرے لکھنے کی طاقت کو بڑھاتا جا رہا ہے اور میرا قلم بہتر سے بہتر کی منزل پر رواں دواں ہے۔

اس کے علاوہ قارئین سے التماس ہے کہ میری لاڈلی بہن آسیہ کے پیپرز ہو چکے ہیں، پلیز آپ سب اسے اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے گا۔ میری طرف سے میری پیاری بہن کو ڈھیر سارا **Best of Luck!** اور ان سب کو بھی جن جن کے پیپرز نزدیک ہیں۔ خدا سب کو کامیابی سے ہمکنار کرے (آمین!)

اب اس دعا سے اجازت کہ رِدا دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کی راہوں پر گامزن رہے۔

افشاں علی (فوزیہ علی)...... کراچی

خالہ جانی اینڈ چاچو کے نام

السلام علیکم! خالہ جانی اینڈ چاچو! جب سے صدف سے پتہ چلا کہ آپ لوگ عمرے کے لیے جا رہے ہیں سچ دل خوشی سے پھول گئے، خدا تعالیٰ کے گھر جانا ہر مسلمان کے دل کی خواہش اور ارمان ہوتا ہے اور آپ لوگوں کا وہاں جانا اور عمرے کی سعادت حاصل کرنا نہ صرف آپ کے لیے بلکہ ہم سب کے لیے خوشی کا باعث ہے آپ لوگ وہاں ہم سب کے لیے بھی دعا کیجیے گا۔ آپ کو اور چاچو کو رِدا کے توسط سے مبارک باد دینے کا دل چاہ رہا تھا سو میں نے قلم اٹھایا اور پیغام لکھ دیا۔ یقیناً آپ رِدا میں اس مبارک باد کو پڑھ کر بہت خوش ہوں گی، اللہ حافظ!

فریحہ علی...... سیالکوٹ

بشریٰ فراز کے نام

سوئیٹ بشریٰ! تمہیں 24 ستمبر پر سالگرہ بہت مبارک ہو، خدا سے دعا ہے کہ اللہ تمہیں ہر خوشی و راحت نصیب کرے اور جو چاہو وہ پاؤ اور اپنی زندگی میں ڈھیروں کامیابیاں سمیٹو مجھے یقین ہے کہ تم رِدا میں اس سرپرائز کو دیکھ کر خوشی سے چیخ پڑو گی کہ ہر اچھی نیوز پر تمہارا بے ساختہ چیخنا تو مست ہے ہاہا ہاہاہا.....! اوکے اب تم شرافت سے **کیک** ریڈی رکھنا کنجوس، میں تمہارے گھر پر گفٹ سمیت پہنچ جاؤں گی۔

نگہت جبیں...... لاہور

اپنے بھائی کے نام

خدا تجھے عروج ایسا نصیب کرے
کہ فلک تیرے نصیب پر رشک کرے
ہر موڑ پر فرشتے ہوں ساتھ تیرے
ہر غم سے حفاظت تیری خدا کرے (آمین!)

ثناء حیات...... کراچی

اپنی زندگی کے نام

تم لمحوں کو قید کر لو
ہر خوشی کو اپنے اندر سمو لو اور.....
تمہاری ہر آرزو ہر تمنا پوری ہو
اور.....
میری حیات و کائنات تمہیں لگ جائے

صبا مغل...... لاہور

مون کے نام

تم سے میری کائنات و زندگی میں رنگ ہی رنگ ہیں تم میری لائف کی روشنی اور راحت ہو، خدا تمہیں ہمیشہ خوش و مطمئن رکھے اور میرا ہمسفر و ہم راز رکھے، تم سا جیون ساتھی اور پیار بھرا ساتھ پا کر میں اپنی خوش نصیبی پر جتنا بھی فخر کروں کم ہے، تم نے مجھ کو ایسے چاہا کہ میری ذات کی ہر تشنگی ختم ہو گئی ایز اے وائف مجھے آپ پر فخر ہے خدا ہمارا یہ ساتھ دائمی اور اسی طرح ہمارا پیار برقرار رکھے آمین!

مسز مون...... کراچی

☆............☆............☆

ثریا اقبال

ایکچین

ویجی ٹیبل اسپیگٹی

اجزاء۔

بند گوبھی	250 گرام
گاجر	250 گرام
مٹر دانہ	250 گرام
تیل	آدھا کپ
کالی مرچ	2 کھانے کے چمچے (پسی ہوئی)
سفید زیرہ	50 گرام
ٹماٹر	4عدد
لہسن۔ادرک	2 کھانے کے چمچے (پسا ہوا)
گرم مصالحہ	1 کھانے کا چمچہ
سرکہ	4 کھانے کے چمچے
اسپیگٹی	1 پیکٹ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب۔

☆ تمام ہری سبزیوں کو باریک کاٹ کر رکھ لیں۔

☆ ایک دیگچی میں تیل گرم کریں اور تھوڑی سی کٹی ہوئی پیاز ڈال کر بگھار لیں اور پیاز لال ہونے پر سفید زیرہ، ادرک، لہسن پیسٹ، پسی کالی مرچ، گرم مصالحہ، نمک ڈال کر بھون لیں پھر اس میں دگ پانی ڈال کر مٹر دانہ ڈال دیں اور ہلکی آنچ پر دم دیں تاکہ مٹر گل جائیں۔

☆ جیسے ہی دیگچی میں پانی کم رہ جائے اور مٹر بھی گل جائیں تو اس دیگچی میں تمام سبزیوں کو دھو کر ڈال دیں اور آنچ ہلکی کر کے دم پر چھوڑ دیں جب پانی خشک ہو جائے اور تیل الگ ہو جائے تو دیگچی کو اتار لیں۔

☆ ایک دوسری دیگچی میں پانی ابال لیں اور اس ابلتے پانی میں اسپیگٹی اور دو چائے کے چمچے نمک ڈال کر 8 منٹ تک ابال لیں ابلتے ہوئے اسپیگٹی پر سے ٹھنڈا پانی گزاریں اور تمام پانی پھر پھینک دیں۔

☆ اب اس اسپیگٹی کو سبزیوں کی دیگچی میں ڈال کر مکس کر لیں اور ہلکی آنچ پر سبزیوں اور اسپیگٹی کو تھوڑا سا بھونیں پھر اس میں سرکہ شامل کر لیں۔

☆ لیجئے ویجی ٹیبل اسپیگٹی تیار ہے۔ مزید ذائقے کے لئے چلی ساس ڈال کر نوش فرمائیں۔

لذیذ بند گوبھی

اجزاء۔

بند گوبھی	آدھا کپ
سفید زیرہ	1/4 چائے کا چمچ
ثابت مرچ	4عدد
پیاز	1عدد چھوٹی
نمک	حسب ضرورت

لیمن جوس	2 کھانے کے چمچ
مکھن	1 کھانے کے چمچ

ترکیب۔

☆ ایک ساس پین میں مکھن کو گرم کریں اس میں سفید زیرہ اور ثابت مرچوں کو ہلکا سا فرائی کریں۔

☆ اس مکھن میں کٹی ہوئی پیاز ڈال کر ہلکا فرائی کریں اور پھر بند گوبھی اور گاجر شامل کر دیں تین سے پانچ منٹ تک پکائیں۔

☆ آخر میں جوس اور نمک (اگر ضرورت ہو تو) شامل کر کے ایک منٹ پکا کر اتار لیں۔ گرم گرم پیش کریں۔

کھٹی اروی

اجزاء

اروی	250 گرام
ہری مرچیں (لمبائی میں کاٹ لیں)	2عدد
ادرک (باریک کاٹ لیں)	2 ٹکڑے
تل	1 کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
لیمن جوس	1 کھانے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	1/2 چائے کا چمچ
تیل	فرائی کرنے کے لئے

ترکیب۔

☆ پکانے کے لئے لمبے سائز کی اروی منتخب کریں انہیں ابال کر چھیل لیں اور ہر اروی کے لمبائی میں 4 ٹکڑے کر لیں۔

☆ تیل گرم کریں اور اس میں اروی کے ٹکڑوں کو ڈیپ فرائی کریں یہاں تک کہ وہ گولڈن اور کرسپی ہو جائیں۔

☆ ایک فرائی پین میں تھوڑا سا تیل ڈال کر گرم کریں اور اس میں ہری مرچ اور ادرک ڈال دیں۔

☆ تل کو پیس کر اس میں لیمن جوس مکس کر کے پیسٹ بنا لیں پھر اس میں پیسٹ کو فرائی پین میں ڈال کر اچھی طرح چلاتے ہوئے اس میں فرائی کی ہوئی اروی ڈال دیں اور اچھی طرح مکس کریں تیار ہونے پر گرم مصالحہ چھڑک کر سرو کریں۔

کرسپی بینگن

اجزاء

بینگن	2عدد
نمک	حسب ذائقہ
چاول پسے ہوئے	2 چائے کے چمچے
آٹا	2 کھانے کے چمچے
سرخ مرچ پاؤڈر	1/2 چائے کا چمچہ
تھائم	1/2 چائے کا چمچہ
چاٹ مصالحہ	ذائقہ کے لئے
تیل	فرائی کرنے کے لئے

ترکیب۔

☆ بینگن کو گول سلائس کی شکل میں کاٹ لیں اور نمک لگا کر ایک طرف رکھ دیں۔

☆ تمام اشیاء کو اچھی طرح آپس میں مکس کر لیں اور تھوڑا سا پانی ڈال کر لپٹی بنا لیں۔

☆ ایک فرائی پین میں تیل گرم کریں اور بینگن کے سلائس کو لپٹی میں اچھی طرح ڈبو کر فرائی کریں یہاں تک کہ گولڈن براؤن ہو جائیں۔

☆ چاٹ مصالحہ چھڑک کر سرو کریں کھانے والوں کو مزا آ جائے گا۔

مکس ویجی ٹیبل

آلو (بڑے)	2عدد	بینگن	1عدد
گاجر	2عدد	نمک	حسب ذائقہ
سیم	1 مٹھی	ادرک	1/2 مربع ٹکڑا
پھول گوبھی (چھوٹی)	1عدد		(چھلکا اتار کر کاٹ لیں)
مٹر (چھلے ہوئے)	1/2 کپ	تازہ ہری مرچ	1 (کاٹ لیں اور تھوڑے سے بیج ذائقہ کے لئے رہنے دیں
ہری مرچ	2عدد		
ادرک	1 ٹکڑا	گاڑھا جما ہوا دہی	1 1/4 کپ
ہرا دھنیا	تھوڑا سا	باریک کٹی ہوئی پیاز	2-3 کھانے کے چمچے
ہینگ	ایک چٹکی	ہرا دھنیا پتے (کٹے ہوئے)	2 کھانے کے چمچے
زیرہ	1/2 چائے کا چمچہ		
نمک	حسب ذائقہ		
لال مرچ پاؤڈر	1/2 چائے کا چمچہ		
دھنیا پاؤڈر	3 چائے کا چمچے		
گرم مصالحہ پاؤڈر	1/2 چائے کا چمچہ		
لیموں کا رس	1 کھانے کا چمچہ		
تیل	1 کھانے کا چمچہ		

ترکیب۔

☆ ساری سبزیوں کو اچھی طرح دھو کر کاٹ لیں۔ تیل کو پریشر ککر میں گرم کر کے اس میں ہینگ، زیرہ اور تمام سبزیاں ڈال دیں پھر اس میں تمام مصالحے (سوائے گرم مصالحے کے) ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔ ککر میں 1/4 کپ پانی ڈال کر اسے بند کر دیں اور 3 سے 4 منٹ کے لئے پکائیں۔ تھوڑی دیر بعد ککر کھول دیں اور اسے پھر سے پکائیں اس کو اس وقت تک پکائیں جب تک پانی خشک نہ ہو جائے چولہے کو بند کر کے ککر میں لیموں کا رس اور گرم مصالحہ ڈال کر اچھی طرح ملائیں اور پھر اس کو گرما گرم سرو کریں۔

بینگن کا رائتہ

اجزاء۔

☆ بینگن میں ایک یا دو چھوٹے سے چیرے لگا دیں تا کہ پکنے کے دوران وہ پھٹنے نہ پائے۔

☆ برائلر کو میڈیم پر پہلے سے گرم کر لیں سالم بینگن کو 10 منٹ تک بیرائل کریں اور ایک بار اسے پلٹ بھی دیں مکمل طور پر ٹھنڈا ہونے دیں۔

☆ ہری مرچ اور ادرک میں نمک ملا دیں اور انہیں پیس کر گودا بنا لیں۔

☆ بینگن کو لمبائی میں 2 نصف حصوں میں کاٹ لیں اور اس کے گودے کو چمچے سے نکال دیں گودے کو باریک کاٹ لیں یا میش کر لیں۔

☆ دہی کو پھینٹیں حتیٰ کہ ملائم ہو جائے ادرک کا مکسچر ملا دیں چلاتے ہوئے اچھی طرح مکس کر لیں، بینگن ڈال دیں اور اچھی طرح مکس کر لیں۔

☆ چلاتے ہوئے پیاز اور نصف ہرا دھنیا ملا دیں لیکن سرو کرنے سے ذرا پہلے بقیہ ہرے دھنیے کے پتوں سے گارنش کر لیں۔

☆☆☆☆

شہلا مشائق

سنگھار

جلد کے لیے

(1)۔مسور کی دال پیس کر دہی میں ملا لیں، اچھی طرح پھینٹ کر چہرے پر لگا لیں، سوکھنے پر اتار دیں، جلد چمکدار ہو جائے گی۔

(2)۔زیتون کا تیل، شہد، ہلدی اور صندل میں ملا کر چہرے پر لگائیں پندرہ منٹ بعد دھو لیں یہ عمل خشک اور مرجھائی ہوئی جلد کو تازہ کرتا ہے۔

موٹاپے کے لیے

(1)۔موٹاپہ ختم کرنے کے لیے ایک کپ نیم گرم پانی میں ایک عدد لیموں نچوڑ کر پی لیں جس سے جسم کی چربی پگھلتی ہے۔

(2)۔نہار منہ قہوہ میں لیموں نچوڑ کر اور یہی دوپہر کو بھی استعمال کرنے سے فائدہ ہوگا۔

(3)۔سلاد کا استعمال کثرت سے کریں۔

(4)۔ایک چمچہ مولی کے دانہ لیموں کے پانی میں استعمال بھی مفید ہے۔

(5)۔ادرک کی چائے پئیں۔

(6)۔رات کا کھانا کھانے کے بعد کلونجی ملا پانی پیا جائے۔

(7)۔گرم پانی میں شہد ملا کر پینے سے فائدہ ہوگا۔

سیدہ امبر ہاشمی.....کراچی

جلد کی دیکھ بھال

فیس اسکرب کے بغیر مجال

ہماری جلد پر ہر روز مردہ خلیوں کی ایک تہہ جمع ہو جاتی ہے جس کے باعث یہ بے رونق اور کھردری نظر آنے لگتی ہے۔ زیادہ تر خواتین چہرے کی کلینزنگ، ٹونگ اور موئسچرائزنگ کی اہمیت سے تو واقف ہیں لیکن وہ اس بات سے آگاہ نہیں کہ اسکن کیئر کا یہ عمل اسکربنگ کے بغیر ادھورا رہتا ہے۔ عام تصور یہ ہے کہ روزانہ اسکربنگ سے چہرے کی جلد خراب ہو جاتی ہے۔ جبکہ سچ یہ ہے کہ اگر آپ باقاعدگی کے ساتھ کسی نرم اثر اسکرب سے چہرے کی اسکربنگ نہ کریں تو مردہ کھال جمع ہو کر اسے خشک اور کھردرا بنا دے گی۔ یہ بے جان خلیے جلد کی تازگی چھین لیتے ہیں کیونکہ ان کے باعث آپ کی جلد کھل کر سانس نہیں لے پاتی۔ ماہرین کی رائے کے مطابق جلد سے مردہ خلیے اتارے بغیر کلینزنگ اور ٹونگ کرنا دانے اور مہاسے پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے کیونکہ مردہ خلیوں کے باعث جلد کے مسامات بند ہو سکتے ہیں اور بیکٹیریا کی افزائش کے نتیجے میں اس پر ایگنی نمودار ہو سکتی ہے۔

باقاعدہ اسکربنگ سے جلد کے مسامات بند نہیں ہوتے اور خواتین کے ذہن میں اسکربنگ سے متعلق غلط تصورات پائے جانے کی وجہ عام طور پر غلط اسکرب کا استعمال ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھیں۔

☆روزانہ اسکربنگ کے لیے ایسا اسکرب منتخب کریں جس

میں پیپتا اور خوبانی جیسے اجزاء کے علاوہ وٹامن اے، سی اور ای موجود ہوں، تاکہ ان کی مدد سے آپ کی جلد سورج کی مضر شعاعوں، فضائی آلودگی اور وقت سے پہلے جھریاں پڑنے کے عمل سے محفوظ رہے۔

☆اپنے لیے کوئی اسکرب منتخب کرنے سے پہلے اس بات کا اطمینان کرلیں کہ یہ آپ کی جلد کی ساخت کے اعتبار سے مناسب ہے۔ کیونکہ ایسا اسکرب استعمال کرنے کے نتیجے میں کہ جو آپ کی جلد کے لیے موزوں نہ ہو، ریشز پڑ سکتے ہیں۔

☆خوبانی بطور خاص اسکن کو نرم و ملائم اور ہموار بنانے کی خوبی رکھتی ہے لہٰذا ایسا اسکرب استعمال کریں جس میں خوبانی شامل ہو۔

☆حساس جلد کی مالک خواتین کے روزانہ استعمال کے لیے ہلکا یا معتدل اسکرب بہترین مانا جاتا ہے۔ لہٰذا تمام خواتین یہ بات یاد رکھیں کہ روزانہ کی جانے والی اسکربنگ بلیک ہیڈز اور وائٹ ہیڈز صاف کرکے آپ کی جلد کو نہ صرف تازگی کا احساس بخشتی ہے بلکہ اسے صحتمند اور ریشم کی مانند نرم و ملائم رکھتی ہے۔ اس لیے اپنے حسن کی حفاظت میں کسی بھی قسم کی سستی سے کام نہ لیں کہ کہیں آپ کی جلد کی خوبصورتی ہی نگاہوں سے اوجھل نہ ہوجائے۔ کلینزنگ، اسکربنگ، ٹوننگ اور موئسچرائزنگ کو اپنے روز کے معمول میں شامل رکھیں۔ پھر دیکھیں کہ اس کے کتنے حیرت انگیز نتائج آپ کے سامنے آتے ہیں۔

کلینزنگ

یہ بالکل سادہ اور آسان عمل ہے مگر اس کو استعمال کرتے وقت اکثر خواتین غلطی کرجاتی ہیں۔ اس سے کوئی بحث نہیں کہ آپ کی رنگت کس قدر خراب ہے آپ کو ایسا کلینزر کبھی استعمال نہیں کرنا چاہیے جو آپ کی جلد کو لال کردے۔ اگر جلد میں موجود خلیوں کو نقصان پہنچے گا یا یہ تباہ ہوجائیں تو جلد اور زیادہ خراب ہوجائے گی۔ لوشن بیسڈ کلینزر ہر ٹائپ کی جلد کے لیے شاندار ہوتا ہے۔ یہ جلد کو پوری طرح صاف کردیتا ہے اور اس کے خلیوں کو نقصان بھی نہیں پہنچاتا ہے۔ اگر آپ کی جلد اسپیشل توجہ چاہتی ہے جیسے کہ آپ کی جلد خشک یا چکنی ہے تو آپ کو مزید محتاط ہوکر اس کی دیکھ بھال کرنا ہوگی۔ خشک جلد کے لیے ایسا کلینزر لیں جس میں ایکسٹرا موئسچرائزنگ ہو۔ چکنی جلد کی حامل خواتین ایسا کلینزر استعمال کریں جو تیل کے خلاف قوت مزاحمت پیدا کرتا ہو۔

ٹون

جس طرح ہم اپنے جسم کو شیپ میں رکھنے کے لیے جتن کرتے ہیں اسی طرح ہماری جلد بھی شیپ میں رہنا چاہتی ہے ضرورت سے زیادہ کام اور عمر کی بڑھوتری کے ساتھ ساتھ جلد کی قدرتی لچک متاثر ہونے لگتی ہے۔ یہ پھولنے لگتی ہے اور ان پر شکنیں بھی نمودار ہونے لگتی ہیں۔ جلد کی ٹوننگ کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ مسام کے منہ کو بڑھنے نہیں دیتا ہے۔ مسام کے منہ جس قدر بڑے ہوں گے اسی قدر گرد و غبار کے جلد کے اندر داخل ہونے کے مواقع زیادہ ہوں گے۔ میک اپ بھی ان کے اندر گھس جائے گا اور مسام بند ہوجائیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جلد پر دانے نکلنے لگتے ہیں۔ نرمی کے ساتھ ٹوننگ کا عمل کریں اس سے آپ کی جلد کی لچک برقرار رہے گی، جلد تر و تازہ نظر آئے گی، مسام کے منہ چھوٹے رہیں گے اور شکنوں کے نمودار ہونے کے عمل میں کمی آجائے گی۔ اس مضمون میں جو پانچ مرحلے بتائے جارہے ہیں، اکثر خواتین اس (ٹون) مرحلے کو نظرانداز کرجاتی ہیں مگر یہی وہ مرحلہ ہے جو خوبصورت جلد کے لیے راستہ بناتا ہے۔ یہ کسی سادہ کینوس کی طرح ہوتا ہے جس پر آپ جس کی بھی تصویر بنانا چاہتی ہوں، بنالیں۔ یہ بھی میک اپ کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے۔

☆.....☆.....☆